پیمانِ اَزل

پیش لفظ

اللہ کے نام کے ساتھ کہ اسی کے لیے ہے تعریف کا ہر ہر لفظ.....اسی کے لیے وہ تمام تعریفیں بھی کہ جو الفاظ کے دائرے میں قید نہیں.....جو عقل کی حد سے ورا ہیں۔ محبت کے سب رنگ اسی کے نام.....اسی کے لیے وہ سارے جذبے جو روح کی کسی رہگذر پر ایک ہلکی سی سرسراہٹ کی طرح، ایک پل کے کسی حصے میں محسوس ہوتے ہیں۔ سارے اچھے نام اسی کے لیے.....جس نے اپنی محبت کے ثبوت میں ہمیں محمد ﷺ کے ساتھ نسبت عطا کر دی۔

کائناتِ بسیط کے ذروں کی تعداد سے بھی بڑھ کر درود و سلام کائنات کے اُس استاد پر، اُس محبتِ عظیم پر کہ جس کا خیال ہی دکھ، درد اور مایوسی کے اندھیروں میں امید کے لاتعداد چراغ جلا دیتا ہے، وہ رحمتِ عالم ﷺ کہ جس کی نسبت سے انسانیت اپنے ہر دور میں محترم کہلاتی ہے۔

اللہ کا بے حد و حساب شکر کہ جس نے مجھے یہ توفیق بخشی کہ میں اپنی تمام تر کم علمی کے باوجود اپنے استادِ گرامی ''پروفیسر احمد رفیق اختر'' کے اُس Cause میں جو اُن کا مقصدِ حیات ہے.....ایک ذرہ برابر Share کر سکوں۔ اس کے ساتھ ہی پروفیسر صاحب کا بے حد شکریہ کہ انہوں نے میری خواہش پر مجھے اس بات کی اجازت عطا فرمائی کہ میں ان لیکچرز کو تحریری صورت میں مرتب کروں جو انہوں نے 1996ء سے لے کر 2004ء تک کے عرصہ میں جہلم میں Deliver کیے۔

پروفیسر صاحب نے اپنی زندگی کے خوبصورت ماہ و سال اللہ کو دیے اور لمبا عرصہ ذکر و فکر میں مشغول رہنے کے بعد جب اپنی ذات کے دائرے سے باہر نکلے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے طور پر اُس علم کو انسانوں تک پہنچانے کی سعی شروع کر دی کہ جس کی شناسائی کا تقاضا ہر دور میں اللہ اور اس کا رسول ﷺ زمانے سے کرتے ہیں۔ ذہنی انارکی، گروہی و مسلکی اختلافات کے اس دور میں متلاشیانِ حقیقت کے لیے پروفیسر احمد رفیق اختر جیسا استاد کسی نعمتِ عظمیٰ سے کم نہیں ہے۔ جس لہجے اور اندازِ بیان میں وہ خدا کی بات کرتے ہیں، اسے تحریر کے پیرائے میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں ایک طرف وہ تشنگیٔ ذہن کا سامان کرتے ہیں کہ جب وہ کسی سوال میں چھپے کرب کو گہری علمیت سے دور کر دیتے ہیں اور دوسری طرف تشنگیٔ علم کا

بھی بھرپور احساس مہیا کرتے ہیں کہ:

ے درد بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ان کی گفتگو سے نہ صرف بڑے بڑے Intellectuals کو فیض یاب ہوتے ہوئے دیکھا ہے بلکہ ہم جیسے شاگرد بھی ان کی توجہ سے سرشار ہو جاتے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ برسوں سے ذہن کے بند دریچے کھلتے چلے جا رہے ہیں۔ جب سے پروفیسر صاحب سے ملاقات ہوئی اور اسمائے حسنہ کی تسبیحات روزمرہ کا ایک حصہ بنیں، ایک احساس ہے جو ہر وقت دل پہ چھایا رہتا ہے..... خدا کی محبت کا احساس..... اور پھر نہ تو درد کی چبھن باقی رہی، نہ اپنی ذات کے لیے کوئی احساسِ زیاں..... کہ شاعر تو ساری زندگی ایک ہی درد فراق کا رونا روتا رہتا ہے اور پروفیسر صاحب کے نزدیک درد کا درماں کتنا آسان ہے کہ دکھ سارے ایک ہی "کھونٹے" سے بندھے ہیں:

"ترجیحِ اولیٰ سے دوری"

پروفیسر صاحب اسی ترجیحِ اول کی طرف رجعت کی بات کرتے ہیں، یہی وہ "پیمانِ ازل" ہے جو اربہا ارب سال پہلے انسان نے اپنے "ربّ" کے روبرو کیا تھا، جو اب کسی بھولی بسری یاد کی طرح بھی ذہن کے کسی گوشے میں موجود نہیں ہے۔ پیغمبر اسی "پیمانِ ازل" کی یاددہانی کے لیے دنیا میں تشریف لائے۔ اولیاء اللہ تعالیٰ نے اسی کی بات کی۔ یہی وہ بات ہے جو اس دنیا کے سارے فسانے میں ایک حقیقت ہے اور میرے خیال میں یہی بات پروفیسر صاحب کے Overall Thesis کی بنیاد ہے۔ ان کی کچھ باتوں سے اگر کسی کو اختلاف بھی ہوگا لیکن اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ موجودہ دور کے مسائل کے Reference سے جس طرح انہوں نے اسلام کے نظریۂ اعتدال کو Explain کیا، عقل کو اس کی ترجیحِ اول کا بھولا ہوا سبق یاد کروایا اور اس کے ساتھ ساتھ جس طرح اسمائے حسنہ کی تسبیحات کے ذریعے وہ خدا کی محبت اور سکونِ قلبی کی دولت کو تقسیم کرتے ہیں۔ اور لوگوں کے دکھ Share کرتے ہیں، یہ مقام اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ہی عطا کرتا ہے۔

یہ کئی صدیوں کا بحران ہے کہ کوئی ایسا استاد عالمِ اسلام کو نصیب نہیں ہوا جو خدا کی معرفت کے لیے عقل کو Maturity of knowledge کی طرف لے جانے کی بات کرے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بے چینی اور کثیف اداسی اس دور کی علامت بن چکی ہے اور خدا کو ڈھونڈنے والی عقل مسلکی اور گروہی اختلافات کے گرداب میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ ایسے میں پروفیسر صاحب جیسا استاد..... جیسے کسی جنگل کی تاریک رات میں روشنی کا ایک نقطہ، کہ انسان بے ساختہ اس کی طرف کھنچا چلا جائے اور اس عقل کے سرور کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ جس نے برسوں سے کنویں میں بند ایک ٹکڑا آسمان دیکھا ہو اور اسے کھلے سمندر کے کنارے لا کر کھڑا کر دیا جائے.....

میں اس کو ان کی کرامت کیوں نہ کہوں کہ انہوں نے بہت سی گردنوں کو اللہ کے لیے آزاد کرا دیا اس طوقِ غلامی سے جو مختلف ناموں کے فرقوں سے گلوں میں پڑے تھے........

اللہ سے ہر دم ان کی صحت و سلامتی اور بلندئ درجات کی دعاؤں کے ساتھ:

کلثوم اسماعیل

30 جنوری 2005ء

خدا کا اقرار یا انکار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب ادخلنی مدخل صدقٍ و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا O

حضرات! بات چیت سے پہلے کچھ آزادیوں کا ذکر ہو جائے جو آپ کو نصیب ہوں گی اور سب سے بڑی آزادی جو اس دوران میری طرف سے آپ کو نصیب ہوگی وہ ہر ایسا سوال ہے جو کبھی آپ کے ذہن میں آیا ہو۔ حقیقتِ مطلقہ کے بارے میں یا زندگی کے بارے میں یا نفسیات کے بارے میں یا مابعدالنفسیات کے بارے میں۔ وہ تمام تجسس جو آپ کے ذہن سے لپٹے ہوئے ہیں، وہ آپ پوچھ سکتے ہیں۔ اگر استطاعت ہوئی تو میں جواب ضرور دوں گا۔

میں نے اس گفتگو کا ایک Topic سوچا ہوا تھا۔ اس کو میں نے Denial اور Acceptance کا نام دیا کہ انکار ہے تو کیوں؟ اقرار ہے تو کیوں؟ میں نے اس Subject کی Understanding سے پہلے کچھ Pre-qualifications متعین کیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ خدا سمجھ کیوں نہیں آتا؟ ملتا ہے کہ نہیں ملتا۔ موجود ہے کہ نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگ زندگی میں وہ وقت جو ہمارا بہترین وقت ہوتا ہے اسے ہم دنیوی صلاحیتوں کو دیتے ہیں۔ Lesser Priorities کو ہم اپنا پورا پورا وقت دیتے ہیں اور Intellectual Curiosity کی جو Top-priority ہے، جو ذہنی صلاحیتوں کا سب سے بڑا مقصود اور مطلوب ہونا چاہیے، وہ ہم عمر کے اس حصے میں اختیار کرتے ہیں کہ جیسے Shakespear نے کہا کہ Sans a taste, sans a teeth, sans every thing. جب دانت گر گئے ہوتے ہیں، سانس بند ہوتی ہے لڑکھڑا کر لوگ چلتے ہیں، سانس جب مشکل سے آ رہا ہوتا ہے تو اس وقت ہم کائنات کی سب سے بڑی Priority کو Adjust کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک ہلکی سی Professional ڈگری لینے کے لیے ہمارے کم سے کم 25 برس تک لگ جاتے ہیں۔ مگر خدا کو جاننے اور سمجھنے جو کائنات کا سب سے بڑا Subject ہے، اس کی Understanding کے لیے ہمارے پاس Regular محنت کا ایک سال بھی نہیں ہوتا۔ خدا اس لیے بندوں کو نہیں ملتا کہ ایک Top-priority اپنے آپ کو Lesser Priority پر کیسے Adjust کرے؟ It is very insulting to God. کہ جب دنیا ایک شخص کو ریٹائرڈ کر دیتی ہے پچاس پچپن سالوں پر کہ You are no more required for the physical purposes of our job. تو پھر وہی بوڑھا بندہ، وہی ناکام اور نااہل کائنات کی سب سے بڑی Understanding

کے لیے بڑھتا ہے یعنی خدا کو جاننے کے لیے بڑھتا ہے۔ Second thing which God hates is blind faith. آیئے یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ کیا چیز ہے جو ہمیں denial پر مجبور کرتی ہے؟ وہ کیا اعتراضات ہیں کہ جن کی وجہ سے ذہنِ مسلمان اتنی ابتری کا شکار ہے؟

لارڈ برٹرینڈ رسل نے کہا کہ God is nonsense, خوبصورت اعتراض کیا اس نے۔ اس نے کہا کہ جس حقیقتِ مطلقہ کا data موجود نہ ہو، For the long census, جب سے نسلِ انسان قائم ہے۔ خدا کا کوئی Data زمین پر وجود نہیں رکھتا۔ کسی انسان سے پوچھ لو۔ وہ کیسا ہے؟ کیسا نہیں ہے؟ اس کا کوئی Data موجود نہیں ہے۔ ہمارے Logical Construct میں، ہمارے ذہن کے کسی خانے میں کوئی نقشہ موجود ہو، ایک بنیادی Shape موجود ہو تو اس کی وجہ سے ہم اس Shape کا اطلاق کر لیتے ہیں۔ اگر کسی اندھے بندے نے پیدائشی طور پر ہاتھی نہیں دیکھا ہوا تو آپ جتنا مرضی زور لگالیں، وہ اندھا بندہ کبھی آپ کو ہاتھی کی شکل وصورت نہیں بتا سکتا مگر وہ شخص جس کے ذہن میں ایک Basic logical construct موجود ہے ایک میز کا تو خواہ اسے گول میز دکھا دیں، تپائی دکھا دیں، تھوڑا لمبا دکھا دیں چوڑا دکھا دیں He will be able to say, it's a table. مگر اللہ کی ایک ایسی ذات ہے کہ اس کا کسی قسم کا کوئی Data ذہنِ انسان میں موجود نہیں ہے۔ جس کا Sense Data موجود نہ ہو وہ Non-sense ہے۔ So, God is non-sense. اعتراض وزنی ہے مضبوط ہے اور Denial میں یہ ایک حیثیت رکھتا ہے۔

Sementics کے فلاسفرز نے کہا کہ خدا صرف ''لفظ'' ہے۔ جیسے بچوں کو ڈرانے کے لیے مائیں کہتی ہیں کہ ''ہوا'' ہے۔ وہ ''ہوا'' Exist نہیں کرتا مگر بچے تو ڈر جاتے ہیں۔ تو بہت سارے ایسے الفاظ اللہ کو دے دیئے گئے ہیں۔ قدر ومنزلت کے، بلند وبالا، عالی شان، ذی عزت، بڑے بڑے لفظ کہ ایک ایسا ہیولا بن گیا ہے کہ خدا لفظوں کا قیدی ہے، اس کے اندر کچھ نہیں ہے۔ جیسے کسی مزار میں کوئی لاش نہ ہو اور باہر لوگ چڑھاوے چڑھا رہے ہوں۔ تو خدا بذاتہٖ وجود نہیں رکھتا۔ انسانی لفاظی نے اسے خدا بنا دیا ہے۔ پھر جدلیات کے ایک Expert نے کہا کہ خدا ظلم وستم کے لیے ایک Excuse ہے۔

درحقیقت سوشلزم نے اللہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وجود پر یا اس کی موجودگی پر اعتراض نہیں کیا۔ انہوں نے اس کے Use کو Negative قرار دیا۔ They would always insist that religion is an opium, belief is an opium. ان کا کوئی ایسا مضبوط اعتراض اللہ پر موجود نہیں ہے جس کو ہم Discuss کر سکیں البتہ Anthropologist نے اعتراض کیا۔ انہوں نے یہ کہا کہ خدا ضرورتِ انسان ہے۔ نہ بھی ہوتا تو لوگ بنا لیتے۔ ہر زمانے میں جب انسانوں کو اپنی ذات سے باہر کسی خوف ووحشت اور آرزو سے واسطہ پڑا تو انہوں نے ایک ایسی ذات کی تخلیق کی جو ان کی ذات سے باہر ہو مگر ان کو Compensate کر سکے۔ So religion preceds history. تاریخ سے پہلے جو چیز موجود ہے وہ مذہب ہے اور مذہب کی بنیاد تمامتر Wishful desires کی تکمیل ہے۔ کسی نے کھلیان سے گزرتے ہوئے سرسراہٹ سنی تو اس نے Pan-God کو تخلیق کیا، خوف کے مارے Pantheism کا آغاز ہوا۔ کسی کے کھلیانوں کی حفاظت کے لیے جب کوئی ہستی موجود نہ تھی تو جیسے Salvonic Myth میں Baren Diety

تخلیق ہوئی جسے Kiki Mora کہتے ہیں۔ تو ہر زمانے میں ضرورت انسان نے خدا کو تخلیق کیا۔ دراصل خدا موجود نہیں ہے۔

حضرات محترم! یہ اعتراضات وہ ہیں جو کم علمی سے پیدا ہوئے۔ یہ Experties کے اعتراضات نہیں ہیں۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ کیا خدا اپنے سے بڑا کوئی پتھر بنا سکتا ہے؟ ایک صاحب نے سوال بھیجا کہ کیا خدا ماضی کو بدل سکتا ہے جو اس نے بنایا ہے تو یہ اعتراضات نہیں ہیں۔ بڑے اور مضبوط ترین اعتراضات یہی ہیں جو میں نے Mention کیے۔ مگر حضرات محترم ان اعتراضات پر جو سب سے بڑا اعتراض لاگو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایسے خدا کے بارے میں ہیں جو مفروضہ ہے، جو حقیقی نہیں ہے۔ ان لوگوں نے پہلے سے یہ فرض کیا کہ خدا نہیں ہے مگر لوگوں میں اگر ایک خدا ہے تو اس کی کیا Explanations ہو سکتی ہیں۔ یہ اس خدا کے بارے میں اعتراض ہے جو نہیں ہے اور لوگوں میں اس کا Concept موجود ہے۔ چونکہ Concept موجود ہے تو اس پر اعتراضات کیے گئے ہیں۔ اگر خدا موجود ہو تو پھر ان اعتراضات کی کیا نوعیت رہ جاتی ہے۔ Basic Question ان سارے اعتراضات پر یہ ہے کہ یہ اس خدا کے بارے میں ہیں جو انہوں نے سمجھا کہ نہیں ہے اور پھر Explain کیا کہ وہ نہیں ہے مگر لوگوں نے اسے ویسے ہی گھڑ لیا۔ لیکن اگر واقعتاً خدا موجود ہو۔ حقیقی اور اصلی۔ تو پھر اس قسم کے Non-existence کے Thesis کتنے بیکار ہو جاتے ہیں، آپ بھی سمجھتے ہیں میں بھی سمجھتا ہوں۔ تو Basic سوال پھر وہیں آیا۔ Whether there is God or there is no God.

یہ Century لارڈ برٹرینڈ رسل کے نام سے جانی جاتی ہے جیسے انیسویں صدی لارڈ آئن سٹائن کے نام سے جانی جاتی ہے۔ بڑے بڑے Thinker ہیں۔ بڑے مفکر ہیں۔ دور کی کوڑی لاتے ہیں مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ جب لارڈ برٹرینڈ رسل سے کسی نے سوال پوچھا کہ کیا آپ نے قرآن حکیم کو پڑھا ہے تو اس نے کہا نہیں I don't need to. All gospel truth is alike. میں نے بائبل جو پڑھی ہوئی ہے تو اتنے بڑے Calibre کا فلاسفر اتنی بڑی Dishonesty کا مرتکب ہوا کہ بغیر قرآن کو پڑھے ہوئے اس پر یہ رائے دے رہا ہے کہ All gospel truth is alike. He has never been able to know the data of God.

جس کتاب کو آپ قرآن سمجھتے ہیں، عقیدت اور عبادت کی نظر سے دیکھتے ہیں، محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں It's not that book. It's data of God. اس کتاب کے بارے میں جو کوئی بھی اللہ ہے۔ جو کوئی بھی خدا ہے۔ وہ Claim کرتا ہے کہ یہ کتاب میری ہے، یہ Data میرا مرتب کردہ ہے۔ میں اس کا خالق ہوں اور کتاب کا آغاز ایک بہت بڑے Challenge سے کرتا ہے:

"الم..... ذلک الکتب لاریب فیہ" (بقرہ:۱،۲)

یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اگر آپ کو شک ہے تو ضرور نکالو This is a book which invites your inquiry and question. This is a book which challanges you back. کہ اگر آپ کی ذہانت، آپ کی علمیت، آپ کی تحقیق اور آپ کا جذبۂ جستجو سلامت ہے تو پھر یہ میرا Data ہے۔ اس کے بارے میں غور و فکر کرو اور اسے غلط ثابت کرو۔

خدا کو جاننے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کیا اور اسی وجہ سے حضرت ابراہیم

علیہ السلام اللہ کو اتنے پسند ہیں کہ آج تک حضرت ابراہیمؑ سے تین ہزار برس گزرنے کے بعد بھی تمام حج سنتِ ابراہیمی ہے۔ حتیٰ کہ حجرِ اسود کو چومنا بھی دستِ لمسِ ابراہیم کو چھونا ہے۔ حضرت ابراہیم کے دستِ مبارک کے لمس کو ہم آج تک چھوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس پتھر کو نصب کیا۔ اس شخص کی کیا اہمیت ہے اللہ کے نزدیک کہ:

"ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب" (ہود:۷۵)

مگر وجہ آخر کیا ہے؟ ابراہیم اتنا بڑا کیوں ہے؟ ابراہیم تو وہ ہے کہ جس نے خدا کو بڑے ہی غلط انداز سے چنا ہو گا۔ جب ستارہ چڑھا تو ابراہیم نے کہا کہ:

"ھذا ربی" (یہ میرا رب ہے۔)(الانعام:۷۷)

آپ غور کرتے ہیں کہ یہ کون سا کلمہ ہے؟ یہ کون سی بات ہے جو ابراہیم نے کہی؟ جب ستارہ طلوع ہوا تو کہا کہ "ھذا ربی" شک وشبہ نہیں چھوڑا۔ یہ نہیں کہا کہ یہ خدا ہو گا۔ بلکہ کہا کہ یہ میرا رب ہے تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکار سے آغاز کیا۔ انکار کو خدا ناپسند نہیں کرتا، اگر وہ اقرار کی جانب حرکت کر رہا ہو۔ انکار تجسس اور Incuriosity سے پیدا ہوتا ہے اور اس کی Confirmation مزید تحقیق میں ہوتی ہے۔ تمام قوانینِ فطرت جن کی جستجو ہوئی ہے ان کے پہلے سے Probable Thesis تیار ہوتے ہیں۔ Hypothesis بڑی تحقیق وجستجو کے بعد ڈگری بنتی ہے اور ڈگری بہت محنت کے بعد Ultimate Confirmation کے بعد Law بنتا ہے تو حضرت ابراہیم نے ایک Premises Set کیا ہوا تھا اور وہ Premises یہ تھا کہ:

"زوال پذیر کبھی خدا نہیں ہو سکتا۔"

"لا الہ" میں جو سب سے بڑا Cadre انہوں نے رکھا کہ زوال پذیر کبھی خدا نہیں ہو سکتا تو ستارے کو جب کہا کہ یہ میرا رب ہے تو اسی معیار پر پرکھا اور غور کرنے کی کوشش کی کہ کیا یہ زوال پذیر ہے یا نہیں۔ جب دیکھا کہ ستارہ زوال پذیر ہو گیا ہے تو کہا کہ:

"لا احب الا فلین" (الانعام:۷۶)

میں زوال پذیر سے کوئی محبت اور انس نہیں رکھتا۔ میرا خدا زوال پذیر نہیں ہے۔ تو خدا کو جاننے کے لیے انہوں نے جو Premises سیٹ اپ کیا تھا وہ یہ تھا کہ خدا لازوال ہے، اسے زوال نہیں آ سکتا۔

اقبال نے The reconstruction of religious thoughts کے لیکچرز میں Philosophically ایک Defence پیش کیا۔ اس میں انہوں نے تین دلائل اللہ کی موجودگی اور وحی کے اصول پر دیے:

Teleological
Cosmological
Ontological

مگر چونکہ وہ فلسفے کے دلائل تھے تو بڑے فلسفی آئے اور ان تمام دلائل کو رد کر گئے۔ مثلاً جب اقبال نے کہا کہ خدا

کے خیال کا ہونا یہ لازم قرار دیتا ہے کہ خدا ہو تو انکار والے فلسفیوں نے کہا کہ اگر آپ نے ملین پاؤنڈ نوٹ سوچ لیا ہے تو ضروری تو نہیں کہ وہ ہو۔ It never can happen, it is not necessary کہ جو آپ کا تصور ہے، وہ حقیقت میں موجود ہو۔ تو دورِ حاضر میں ہمیں ایک ایسی دلیل کی تلاش ہے جس کا کوئی بھی انکار نہ کر سکے۔ جو فلسفے پر مبنی نہ ہو، جو خیالات نہ ہوں، مفروضہ نہ ہوں بلکہ ایسے حقائق ہوں جن کی تردید کسی صورت بھی ممکن نہ ہو سکے۔ وہ تردید صرف ایک صورت میں ممکن ہے کہ اگر خدا کا Data Infallible ہو، نا قابلِ تردید ہو۔

جو کتاب یہ Claim کرتی ہے کہ میں اللہ کا Data ہوں تو اس کا ایک ایک لفظ نا قابلِ تردید ہونا چاہیے۔ قرآن کے ایک ایک لفظ کو نا قابلِ تردید ہونا چاہیے آپ قرآن میں ایک Statement غلط کر دیں۔ ایک لفظ غلط کر دیں تو خدا غلط ہو جاتا ہے۔ کتنا آسان ہے خدا کو غلط ثابت کرنا۔ He is claimant of owning a book. He is claimant of owning a data. اگر وہ Data غلط ثابت ہو جائے تو خدا غلط ثابت ہو جاتا ہے اور اس کے وجود سے آپ کو نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ اور جب اس کے وجود سے آپ کو نجات حاصل ہو جائے تو بنیادی طور پر انسان آزاد ہو جاتا ہے۔ میں کیوں قبر کے عذاب سے ڈروں؟ میں کیوں فرشتوں کا سوچوں؟ کس لیے آخر؟ مجھے کیا مصیبت پڑی ہے کہ میں خدا کا اقرار کروں۔ ایک مفروضے کا اقرار کروں۔ اگر وہ نہیں ہے تو I am free. اگر وہ ہے تو میں قید ہوں۔ let's find out کہ کیا قرآن کا Data Examine ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ I don't believe in God, Why should i believe in the Quran تو ہم اسے کہتے ہیں کہ You don't have to believe God, to believe in Quran, You don't have to believe the Quran without judge whether it is a book of God or not. اگر آپ کے پاس ایک Claimant موجود ہے۔ ایک کتاب کو Judge کیے بغیر آپ خدا کو Neglect نہیں کر سکتے۔ Because it is claiming that i am the data of God. اب دیکھیے اس کا Data کس قسم کا ہے۔ اس کے دو قسم کے Datas ہیں۔

نماز پڑھو۔
روزے رکھو۔

You can say I don't, مجھے کیا غرض پڑی ہے۔ I am not convinced. If i believe you are God, only then i will believe کہ میں یہ کام کروں If i don't believe in you as God, why should i do it.... تو کیا قرآن کا سارا data یہی ہے؟ We have to imagine مگر قرآن میں بہت ساری ایسی باتیں ہیں جن کا عبادات سے کوئی تعلق نہیں، ان میں سے کسی ایک بات کو بھی اگر آپ غلط ثابت کرنا چاہیں تو اپنے modren standardization کے حوالے سے، جتنی آپ کے پاس علم و معلومات ہیں اس کے مطابق آپ اسے judge کر لیجیے، مگر یہ مت بھولیے کہ 1500 برس پہلے کوئی Laboratory نہیں ہے، کوئی تحقیق وجستجو کا میدان نہیں ہے، کوئی Specialized Sciences نہیں ہیں۔ اس زمانے میں قرآن کچھ ایسی Statements دیتا ہے جن کا تعلق عبادات سے نہیں ہے، دیکھنا یہ ہے کہ وہ statements تنقید و جستجو کے معیار پر پرکھی جا سکتی ہیں یا

نہیں And let's begin with one of these and i quote only a few, کیونکہ یہ بہت بڑا
It took me eight long years to judge the whole of the Quran. For ہے۔ chapter
you it is easy to understand from a few examples. لوگ قرآن کے بارے میں ایک الزام
لگاتے ہیں کہ قرآن نے پچھلے علوم سے بہت کچھ لیا ہے، particularly about Astronomy, about
Cosmology and Medical science وغیرہ میں قرآن نے پچھلے علوم سے بہت کچھ لیا ہے۔ I will trace
an argument right from the beginning and bring it back towards Quran and
پہلا then onwards. You will be knowing it better. Ptolemy of the Greece
Cosmologist ہے جسے حکیم بطلیموس کہتے ہیں۔ اس نے پہلی جدول شمسی دی۔ پہلی جدول شمسی میں اس نے یہ
Thesis دیا کہ زمین ساکت ہے اور تمام سیارگان اس کے گرد حرکت کر رہے ہیں۔ Ptolemy کا یہ Thesis تین سو
سال تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد نئی تحقیق Romans میں Copernicus نے دی اور اس نے یہ بات کہی کہ
Ptolemy is wrong. دراصل سورج کھڑا ہے اور ستارے اس کے اردگرد حرکت کر رہے ہیں۔ جب یہ دو Thesis
کام کر رہے تھے تو قرآن اس وقت نہیں تھا۔ قرآن Copernicus کے بعد آیا And he passed an opinion
on Cosmology very differently. اس نے دو Statements دیں ایک Statement اس نے یہ دی:

"وسخر الشمس والقمر کل یجری الی اجل مسمی" (لقمن:۲۹)

کہ سورج، چاند، ستارے ہم نے اپنے امرِ مطلق سے مسخر کر دیے۔ تمام اپنے وقتِ مقررہ تک چل رہے ہیں۔
ان میں سے کوئی بھی کھڑا نہیں ہے۔ Copernicusunlike Ptolemy, unlike قرآن نے کہا کہ میں نے ان کو
مسخر کیا اور یہ تمام ایک وقتِ مقررہ تک چل رہے ہیں۔ Not only this بلکہ اس نے کہا کہ:

"خلق الیل والنہار والشمس والقمر"
(سورج اور چاند، رات اور دن میں نے مسخر کر دیے۔)
"کل فی فلک یسبحون" (الانبیاء:۳۳)
(ہر ایک اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔)

پہلے یہ کہا کہ تمام وقتِ مقررتک چل رہے ہیں۔ Universal order میں کوئی بھی چیز کھڑی نہیں ہے۔
And secondly, In the sea of universe, every thing is swimming اس نے کہا کہ بے
ترتیبی سے نہیں، اچانک نہیں بلکہ تسخیر سے۔ ہر ایک اپنے اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔ These were two
statements till 1950. اس وقت ہماری کتابوں میں بھی یہی لکھا ہوتا تھا کہ کچھ ثابت ہیں، کچھ سیارے ہیں۔ کچھ
Stationary ہیں، کچھ Moving ہیں لیکن 1950ء کے بعد Radio Telescopes کے آنے سے بے پناہ جدید
تحقیق ہوئی، لوگ آسمان کو دیکھنے کے قابل ہوئے، وسعتِ افلاک کو دیکھا گیا۔ آئن سٹائن کی Relativity پرکھی گئی تو
Finally they have come to one major law which is beyond questioning. In the

words of Sir James Jeans, every thing is moving in the universe, I have just literally translated the law of God. ہمیں Sciences سے غرض نہیں ہے۔ Law of God سے غرض ضرور ہے۔

انسان نے اب تک جتنی ترقی کی ہے اس میں چند ایک کائناتی اصول Discover کیے ہیں۔ ابھی آخری اصول باقی ہے۔ قرآن بہت آگے جاتا ہے مگر ذرا بہت آگے جا کر کیا کہتا ہے کہ اس وقت کو یاد رکھو کہ جب:

"اذا الشمس کورت" (التکویر:۱)
(جب ہم سورج کو لپیٹ لیں گے۔)
"واذا النجوم انکدرت" (التکویر:۲)
(اور ستارے بالکل بےنور ہو جائیں گے۔)
ہم کریں گے کیا؟
"وجمع الشمس والقمر" (القیامۃ:۹)
(سورج اور چاند کو جمع کر دیں گے۔)

یہ تمام کائنات پھر جمع ہو جائے گی۔ یہ ختم ہو جائے گی۔ قرآن حکیم صرف دورِ حاضر کی جدید ترین دریافتوں تک نہیں پہنچا۔ وہ قیامت تک کی بات کرتا ہے۔ جس اللہ نے قیامت تک کی بات کی ہے، اس کو اس Intellectual capacity کا اچھی طرح علم ہے جس تک انسان پہنچے گا۔ اس Denial کا علم تھا جسے انسان Execute کرے گا۔ اس Inquiry کا علم تھا، جو انسان میں تازہ ترین شعور پیدا کرے گی۔ Let's find out another question, کیا یہ ایک Statement ہے؟ Hundreds of such like statements are scattered like gems in the Quran.

آیئے ایک دوسری Statement کو چلتے ہیں۔ اس کا عبادت سے، نماز روزے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خدا کہتا ہے کہ:

"اولم یر الذین کفروا" (تم میرا انکار کیسے کر سکتے ہو۔)
"ان السموات والارض کانتا رتقا"
(تمہیں پتہ نہیں کہ زمین و آسمان پہلے اکٹھے تھے، ملے ہوئے تھے۔)
"ففتقنھما" (الانبیاء:۳۰) (پھر ہم نے ان کو پھاڑ کر علیحدہ کر دیا۔)

ذرا دیکھئے تو! کہ کیا کفارِ مکہ کو یہ بات کہی جا سکتی ہے؟ جن کو قطعاً اس بات کا علم ہی نہیں تھا۔ ان کو یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ کیا تم میرا انکار کر سکتے ہو؟ تمہیں پتہ نہیں کہ پہلے زمین و آسمان اکٹھے تھے۔ بھلا ان بیچاروں کو کیا پتہ تھا! یہ تو ہمیں پتہ ہے۔ Those who are building thesis on Cosmology. Those who are entering in the theories of Big Bang, those who are creating theories of separation of Earth. There are twenty seven thesis on the existence of Earth, may be they differ in process but they all agree one thing that the earth was the part of the skies. It is not a separated individual planet. It was a part of the whole, then it got burst and separated.

Data کہتا ہے کہ ہم نے اسے پھاڑ کر الگ کیا۔ Data ختم نہیں ہوتا۔ آگے ایک چھوٹی سی Statement ہے۔ بڑی معمولی سی۔ Very interesting - But that covers a subject for you. All the Biology begins with this statement.

"وجعلنا من الماء کل شیء حی" (الانبیاء: ۳۰)
(اور پیدا کیا تمام حیات کو ہم نے پانی سے۔)

The data is refuteable if you can, if you get information, if you get the challenge. تو وہ یہ کہہ رہا ہے کہ "الم_ ذلک الکتاب لاریب فیہ" (سن لو! اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔) اگر ہے تو ضرور نکالو۔ Curiosity ہو تو، Satisfy کرو۔ Question ہے تو، Understand کرو۔ میرا کوئی Data کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ I am absolutely clear. I am the maker. You are the discoverer. میں بنانے والا ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں۔ بالکل نہیں۔

"وھی تمر مر السحاب" (یہ تو سحاب ابر کی طرح اڑ رہے ہیں۔)

یہ تو اڑتے ہوئے بادلوں کی طرح چل رہے ہیں۔ یہ تو کھڑے نہیں ہیں اور Geology کا کوئی best student ہی آپ کو یہ بتا سکے گا کہ پہاڑ کس لیے ہیں؟ زمین پر ان کا مقصد کیا ہے؟ بنانے والا کہتا ہے کہ ہم نے اس میں پہاڑ ڈالے۔ اس لیے کہ زمین تمہیں لے کر ہل نہ جائے۔ ہم نے ان کو اس میں گاڑا۔ زمین پہلے ہل رہی تھی۔ یہ جگہ جگہ سے Im-balance تھی۔ اس میں حیات ممکن نہ تھی۔ حرکت ممکن نہ تھی تو پھر ہم نے جگہ جگہ اس پر پہاڑ ڈال دیے تاکہ اس کی Movment Regular ہو جائے۔ یہ تمہیں لے کر ہلے نہیں۔ تمہارا بسنا اس میں ممکن ہو جائے۔ یہ پہاڑوں کا بنیادی مقصد بتایا اور یہ بڑے اتفاق کی بات ہے کہ اللہ نے جو یہ محاورہ اور تشبیہ استعمال کی کہ یہ سرمئی بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں تو When the first Astronaut went to the sky جب وہ پہلی مرتبہ خلا میں گیا تو وہاں سے اس نے یہ Message بھیجا کہ پہاڑ زمین کے ساتھ ساتھ اس طرح اڑ رہے ہیں جیسے گہرے Multi coloured clouds اڑ رہے ہوں، He almost repeated the idiom of God کہ:

"ھی تمر مر السحاب"

And again you see the challenge of the argument lies in the infallibility جب تک آپ اس کی کہی ہوئی کوئی بات غلط ثابت نہ کریں۔ It is not only the field of science، بلکہ اس نے بڑی عجیب بات کی:

"ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب" (البقرہ:۱۷۹)

(اے اہلِ عقل غور کرو کہ ہم نے قصاص میں زندگی رکھ دی ہے۔)

کہ تمہاری زندگی اس لیے ممکن ہوئی کہ ہم نے قانونِ قصاص دیا۔ قانونِ قصاص کیا ہے؟ یہ بھی قرآن میں درج ہے کہ دانت کے بدلے دانت۔ کان کے بدلے کان۔ ناک کے بدلے ناک۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ جان کے بدلے جان۔ If you go to the anthropologist and the social scholars of anthropology. تو آپ کو بڑی عجیب سی بات کا انکشاف ہوگا کہ ابتدائے زمانہ انسان قتل و غارت کر رہا تھا۔ ایک دوسرے کو ختم کر رہا تھا، تباہ و برباد کر رہا تھا تو انسانوں کے گروہ آپس میں ملے اور انہوں نے کہا کہ اے بندگان! اے انسانو! اس طرح تو ہم لڑ لڑ کر غائب ہو جائیں گے۔ ہمارے پاس تو اتنی طاقت بھی نہیں رہے گی کہ ایک Rhinosaur سے لڑ سکیں تو ہمیں کوئی قانون بنانا چاہیے کہ جس سے زندگی محفوظ ہو جائے تو انہوں نے پہلا قانون یہ بنایا کہ ایک آدمی کے بدلے میں پورا قبیلہ قتل نہ کیا جائے۔ ایک آدمی کے خون کے بدلے میں ایک خاندان کو قتل نہ کیا جائے۔ بلکہ پہلا قانون The first ever law which came into the existence of human society, قانونِ قصاص ہے۔

"ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب"

(اے اہلِ عقل غور کرو تو ہم نے قصاص میں زندگی رکھ دی ہے۔)

جان کے بدلے جان میں زندگی رکھ دی ہے۔ Prince Hanoora is considered to be the first law giver of the Mesonic age.

Mesonic age کے اس شہزادے کو First law giver کہتے ہیں۔ حضرت ادریس اس کے زمانے میں ہوئے تو قرآن تک یہ Civilization تباہ ہو چکی تھی بلکہ سرے سے ناپید ہو چکی تھی اور اس وقت تک اس کی کوئی Logical Discovery نہیں ہوئی تھی۔ آج کے ہمارے زمانے میں جب یہ تہذیب Discover ہوئی تو سب سے عجیب بات جو Discover ہوئی وہ، وہی قانون ہے جو قرآن میں آپ نے پڑھا:

"والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن" (المائدہ:۴۵) اس تہذیب میں جو کتبے دریافت ہوئے، ان پر بالکل یہی قانون درج تھا کہ دانت کے بدلے دانت، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور جان کے بدلے جان۔ تو اصولاً جو پہلا قانون اللہ نے دیا اور قرآن جو پہلا قانون دے رہا ہے The excavation and the history of mankind will tell you exactly the same.

And let's come back to the psychology. اللہ نے فرمایا کہ:

"واحضرت الانفس الشح" (النساء:۱۲۸) (ہم نے تمام جانوں کو بخلِ جان پر جمع کر دیا۔)

Survival پر جمع کیا ہے یعنی Even the best of the psychological understanding انسان کی ایک بنیادی Instinct کا تعین کرتی ہے اور یہاں اللہ نے یہ نہیں کہا کہ صرف انسانوں کو بخلِ جان پر اکٹھا کیا بلکہ:

''ہم نے تمام جانوں کو بخلِ جان پر جمع کیا۔''

And the first law which ever existed in all the creations of life is the law of survival. جسے قانونِ بقا کہتے ہیں۔ یہ Data قرآن کے صفحے صفحے پر بکھرا ہوا ہے اور اتنا Permanent ہے کہ اسے کوئی چرا کر نہیں لے گیا۔ اس کی کوئی تاویل نہیں ہے۔ یہ Facts ہیں۔ یہ فلسفہ نہیں ہے۔ یہ دلائل حقائق پر مبنی ہیں۔ خیال پر مبنی نہیں ہیں۔

جب تک کوئی انسان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدا نہیں ہے تو اسے اس کی موجودگی کے اثبات کو توڑنا ہوگا۔ اس نے سب سے پہلے دعویٰ کیا کہ:

”انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون“(الحجر:۹)

ہم اس Data کی خود حفاظت کرنے والے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ حفاظت کیسے کر رہا ہے؟

؎ پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

There are only two original text of Quran. جنہیں صحائفِ عثمان کہتے ہیں۔ ایک Topkapi Museum Turkey میں پڑا ہے۔ ایک تاشقند میں کافروں کے پاس پڑا ہے۔ پکے کافروں کے پاس، Absolute denial والوں کے پاس۔ مگر آج تک آپ نے کمیونسٹ World سے کبھی یہ سنا ہے کہ مسلمان جو قرآن پڑھ رہے ہیں، وہ، وہ نہیں ہے جو ہمارے پاس ہے۔ We've got the original text. یعنی صحائفِ عثمان۔ تو یہ اللہ کے پرانے طریقے ہیں کہ موسیٰ کو فرعون کے گھر پالتا ہے اور قرآن کی حفاظت کمیونسٹ سے کروا رہا ہے۔ What a funny thing! اگر ذرا بھی اس Text میں کوئی غلطی ہوتی، اگر زیر زبر کا بھی فرق ہوتا تو ضرور وہاں سے کوئی بات اٹھتی۔ بلکہ پچھلے دنوں تو یہ افواہ چلی کہ قرآن کے جو نسخے مسلمان پڑھ رہے ہیں وہ درست نہیں ہیں، تو اس زمانے میں کوثر نیازی زندہ تھے، شاید وزارتِ مذہبی امور میں تھے۔ تو They had to check it کہ جو قرآن اس وقت رائج الوقت ہے، وہ وہی ہے یا نہیں ہے So he requested the Russian Government to show them that particular Quran. تو یہ یہاں سے قرآن لے کر گئے۔ تاشقند والا نسخہ نکلوایا، Judgement, ہوئی، and the decision was passed that it was exactly the same which we have:

”نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون“(الحجر:۹)

(ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔)

مسلمانوں کے ذمے اس کی حفاظت نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے ذمے جو چیز ہے افسوس کی بات یہ ہے کہ They have got no logic, no truth, no faith about God. مگر یہ کتنی عجیب سی بات ہے۔ آپ اپنے آپ کو کیسے یہ آزادی دے سکتے ہیں کہ جب آپ کو پتہ ہے کہ ایک ایسا خدا زندہ وموجود ہے، جو آپ کو زندگی کے سانس دے رہا ہے، جو آپ کو زندگی کے قانون دے رہا ہے، جو آپ کے ہر لمحے کا حکمران ہے، جو آپ کے سانس تک گنے ہوئے ہے، جو آپ کو خوشی دیتا ہے:

"وما تشاءُ ون الا ان یشاءَ اللہ" (تکویر:۲۹)
(تم چاہ بھی نہیں سکتے اگر میں نہ چاہوں۔)

آپ اس کو کیسے اپنی Practical life میں Neglect کر سکتے ہیں؟ آپ اس کی جواب دہی سے کیسے غافل ہو سکتے ہیں؟ The some thing very strange which exists in Musalman, Musalman is not committed to the first committment. جسے ہم 'لا الہ الا اللہ' کہتے ہیں۔ اتنی بڑی بلیغ بصیرت کے باوجود، اتنی بڑی High Committment کے باوجود، اتنا بڑا تفاخر رکھنے کے باوجود، جب لوگوں نے اہلِ کفر کی دولت کا ذکر کیا تو خدا نے کہا کہ مجھے قسم ہے کہ اگر ایک مصلحت نہ ہوتی تو میں اہل کفر کے در و دیوار چاندی بلکہ سونے کے کر دیتا۔ اے مسلمانو! تا کہ تم ان کو دیکھتے مگر جو میں تمہیں دے رہا ہوں وہ میں انہیں نہیں دے رہا، تو جب مسلمانوں نے اپنی کمزوری کا گلہ کیا تو اللہ نے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ:

"لا مولی لهم" (محمد:۱۱) (تمہارا آقا تو کوئی نہیں ہے۔)

ہمارے پیچھے تو خدا کھڑا ہے۔ تو ایسے خدا کے تصور کو پالنے کا کیا فائدہ جو آپ کے پیچھے نہ کھڑا ہوا ہو۔ And the next is how to confirm once you intellectually know he is there, how to get close to him.

ایک بہت بڑی بد قسمتی جو عالم اسلام میں آئی کہ ایک Methodist مسلمان آ گیا اور دوسری طرف ایک پیر فقیر آ گیا۔ دونوں نے مل کر مذہبی Approach کا ستیاناس کر دیا۔ The methodist would not believe in any higher philosophy of the religion. Mystic relationship. پر اس کا کوئی یقین و اعتماد نہ تھا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ بڑی مشقت کے بعد ہی کوئی خدا تک پہنچ سکتا ہے اور دوسری طرف وہ Mystic تھا جس نے اوٹ پٹانگ طریقے اپنا لیے۔ کبھی پہاڑوں پر چڑھا، غاروں میں گیا اور انسان کے لیے ایسے Parapsychic institution قائم کیے کہ ایک انسان کے دل سے خدا کی طلب اور آرزو اور قرب کی خواہش نکل گئی۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ خدا نا قابلِ حصول ہے۔ وہ خدا نا قابلِ حصول ہے جو انسان کو یہ کہتا پھر رہا تھا کہ:

"ونحن اقرب الیه من حبل الورید" (ق:۱۶)
(ہم تمہاری شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔)

جب چاہو ہمیں حاصل کرو۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ خدا کائنات میں کہیں سماتا ہے۔ فرمایا کہ نہیں مگر دلِ مومن میں ....

اللہ کیوں نہیں ملتا انسان کو؟ صرف ایک وجہ سے God cannot adjust himself on lesser priority کسی قیمت پر وہ اس شخص کو نہیں ملے گا جو اسے Lesser Priority سمجھتا ہے۔ اگر زندگی، زندگی کے معاملات، آپ کے Interests، آپ کی خواہشات، آپ کی Prior Responsibilities ہیں اور خدا Lesser Responsibility ہے تو وہ اپنا یہ توہین آمیز مرتبہ پسند نہیں کرتا۔ جس دن آپ نے اسے اپنے ذہن میں

Top-priority Declare کر دیا۔ ربِ کعبہ کی قسم! وہ دنوں میں نہیں منٹوں میں آپ کا ہے۔ His responses are so clear مگر لوگوں نے Responses کو Confuse کر دیا ہے۔ خدا کا ایک Response ہے۔ اس نے اپنے بہترین دوستوں کے بارے میں کہا:

“الا ان اولیآء اللہ”

سنو اچھی طرح سنو! کہ ہم اپنے دوستوں پر دو چیزیں نہیں رہنے دیتے:

“لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون”(یونس:۶۲)

Fears نہیں رہنے دیتے، Frustration نہیں رہنے دیتے۔ Do you understand زندگی کچھ اور بھی ہے ان دو چیزوں کے سوا۔

Particularly in the modern atmosphere خوف و حزن کے علاوہ، Fears اور Frustrations کے علاوہ بھی زندگی کو کوئی ورام دیا جا سکتا ہے؟ مگر خدا کہتا ہے کہ:

“الا بذکر اللہ تطمئن القلوب”(الرعد:۲۸)

(سنو! میری یاد کے بغیر اطمینانِ قلب نہیں ہوگا۔)

اور آپ کیسے مسلمان ہیں؟ کیسے Believer ہیں؟ جو اطمینانِ قلب خدا کے بغیر ڈھونڈ رہے ہیں۔ اشیائے دنیا میں ڈھونڈ رہے ہیں، Professional Skills میں ڈھونڈ رہے ہیں۔ خدا کے بغیر، اس کی یاد کے بغیر۔ Do you think God is liar. you don't believe in God. یہ ایک جگہ ہے جہاں آپ اللہ پر اعتماد نہیں کرتے، اس پر یقین نہیں رکھتے۔ کیا دور پڑتی ہے کیا مشکل پڑتی ہے کہ آپ اس پر یقین رکھیں اور اس کو یاد کریں اور وہ آپ کو یاد کرے:

“فاذکرونی اذکرکم”(البقرہ:۱۵۲)

(تم میری یاد کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا۔)

تو آپ کے تمام مصائب اور تمام مشکلیں اللہ نے ایک قانون میں واضح کیں:

“مایفعل اللہ بعذابکم

(ہمیں کیا پڑی ہے کہ تم کو عذاب کریں۔)

ان شکرتم وامنتم”(النساء:۱۴۷)

(اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ۔)

اگر تم ہمیں یاد کرنے والے ہو اور ایک اچھے ایمان والے ہو تو یقین کرو کہ ہم کسی کو عذاب نہیں کریں گے۔ If your approach is correct, اگر آپ کی Priority درست ہے، The only personal defect with us is that we give more importance to the lesser priority and less importance to the top priority. The only top priority in life is God, nothing else. یہ جو کچھ آپ پڑھ رہے ہیں، سیکھ رہے ہیں، علم کی ہر شاخ، ہر برانچ vocational ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے ہے۔ مقصود و مطلب

حیات نہیں ہے۔ The only true purpose جس مقصد کے لیے خدا نے یہ لیبارٹری قائم کی ہے کہ:

“انا ھدینه السبیل اما شاکرا و اما کفورا”

میں نے تمہیں عقل و شعور اس لیے نہیں دیے کہ تم اسے سائیڈ پر ضائع کردو اور Top priority کو neglect کرو۔ میں نے عقل و شعور اس لیے دیا تھا کہ چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کردو۔ کاش کہ اپنی Priority آپ درست کر لیتے اور پھر زندگی میں جو چاہتے کرتے۔ زندگی اسی طرح گزرتی ہے۔ Normally کوئی اوٹ پٹانگ حرکت نہیں کرنی پڑتی۔ لباس نہیں بدلنے پڑتے۔ کسی قسم کی جائے نمازیں اور مصلے نہیں گھسیٹنے پڑتے۔ نماز و روزہ تو ایک معمولی سی Beginning ہے۔ اس کے بغیر تو وہ پورا معاشرہ نہیں بنتا Learning کے Precinct نہیں بنتے This is only the admission course یہ تو Admissions کے اصول ہیں کہ جو اسلام میں داخل ہوگا وہ نماز پڑھے گا، روزہ رکھے گا مگر اللہ نے ان کو بڑا نہیں کہا، ان کو بڑی باتیں نہیں کہا بلکہ کسی اور چیز کو بڑا کہا، محبت کو، تعلق کو، بڑا کہا:

“اتل ما اوحی الیک من الکتب”

(کتاب کی تلاوت کرو، اوامر و نہی کو سمجھو۔)

اور پھر کہا:

“واقم الصلوۃ” (نماز قائم کرو۔)

“ان الصلوۃ تنھی عن الفحشآءِ و المنکر”

(یہ تمہیں فحش و منکر سے روک دے گی۔)

میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ خدا کہتا ہے کہ مجھے تمہاری نیکیوں کی ضرورت نہیں ہے نہ تمہارے گناہ مجھے Damage کرتے ہیں۔ یہ چیزیں تمہارے لیے ہیں۔ مگر ایک چیز کا مجھ سے تعلق ہے۔

“ولذکر اللہ اکبر” (العنکبوت: ۴۵)

(مگر میری یاد تو بہت بڑی بات ہے۔)

اس لیے کہ مجھے تو اپنی یاد کا جواب دینا پڑے گا اور یاد ایک ایسا Pattern ہے جو Format سے باہر ہے۔ نماز ایک Format میں ہے۔ روزہ ایک Pattern ہے۔ قرآن پڑھنا ایک Pattern ہے۔ آپ بغیر وضو نہیں پڑھ سکتے۔ اس کی تعظیم و تکریم ہے۔ اس کے لیے Postures ہیں۔ مگر یاد کے لیے کیا فرمایا:

“فاذکرو اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبکم” (النساء: ۱۰۳)

کھڑے کرو، بیٹھے کرو، کروٹوں کے بل کرو۔

“فسبحن اللہ حین تمسون وحین تصبحون” (الروم: ۱۷)

(صبح کرو، شام کرو، جس بھی مقام پر چاہو کرو۔ مجھے اس سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔)

“ولا تھنوا”

(اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ بڑے رنج دہ مقام آئیں گے۔)

"ولا تحزنوا" (ال عمران:۱۳۹)

غم نہ کرنا، Frustration سے ڈر نہ جانا، اس لیے کہ میں نے تمہیں ان میں سے گزارنا ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ تھوڑا سا تمہیں آزماؤں گا۔ "ولنبلونکم بشیء من الخوف" تھوڑا سا بھوک کے ساتھ "والجوع" "ونقص من الاموال" کسی کو مال و دولت کے نقصان سے۔ کوئی گاڑی ضائع ہوئی۔ کوئی مکان گرا "والانفس" کسی کو احساسِ کمتری سے آزماؤں گا۔ کیفیاتِ ذات سے آزماؤں گا "والثمرات" کسی کی بیٹی چھینوں گا۔ یہ میرے کچھ آزمائش کے Patterns ہیں۔ کچھ Heads ہیں۔ ان سے انسان کو گزاروں گا ضرور۔ "وبشر الصابرین الذین اذآ اصابتهم مصیبة" تم میری طرف سے ان لوگوں کو کہہ دینا جنہوں نے صبر کیا۔ اصولاً Understanding کی۔ صرف اتنی بات کہہ دی: "قالوآ انا لله وانا الیه راجعون" (البقرہ:۱۵۶) ہم تو یہ صرف مرنے پر پڑھتے ہیں۔ خدا اسے Approach قرار دیتا ہے۔ Full fledged approach in mind and idea. کسی قسم کے بھی نقصان ہو جائیں، صرف اتنی سی بات کہہ دو کہ اللہ کی طرف سے یہ Loss آیا ہے۔ I will be replenished with the better. تو خدا نے کہا کہ جو مجھ پر یہ اعتماد اور Approach رکھتے ہیں میں نے ان کے لیے ایک award رکھا ہے: "اولئک علیهم صلوت من ربهم" میں ان پر درود و سلام بھیجتا ہوں "ورحمة" میری ان پر رحمت نازل ہوتی ہے "واولئک هم المهتدون" اور یہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔

So when the argument is established, the next movement towards God is called mysticism. Every single human individual is capable of achieving and attaining the vicinity of God. Every man is capable of getting close to him. May be you have seen some body who is more specialized in the concern of God. عورتوں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا "یا رسول اللہ ﷺ! سارا قرآن مردوں کے لیے ہے۔ ہماری کوئی بات نہیں، تو حضور ﷺ خاموش ہو گئے۔ اسی وقت قرآن میں آیات اتریں:

"والخشعین والخشعت والمتصد قین والمتصدقت ولاصآئمین والصئمت والحفظین فروجهم والحفظت والذاکرین الله کثیرا والذکرات" (الاحزاب:۳۵)

اور آخر میں عورت کو کر دیا:

"والذاکرین والذکرات"

اللہ کے ذکر میں بعض اوقات عورتیں مردوں سے آگے بڑھ جاتی ہیں۔ ایک بار جب "رابعہ" نے حسن بصری سے کہا کہ طالبِ اللہ مرد ہے، طالبِ دنیا عورت ہے۔ جو دونوں کو چاہے Is the middle one اور میں اور تم دونوں ہی اللہ کو چاہتے ہیں، ہمارے تو نکاح ہی ممکن نہیں ہیں۔ "رابعہ بصری" ایسے نفیس نکاتِ تصوف والی خاتون تھی کہ اس دور کے صوفیاء ہدایت و رشد کے لیے رابعہ کے حضور جایا کرتے تھے۔ اس کے توکل اور علم کا یہ عالم تھا کہ اسی کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لیے جاتی تھی۔ کسی نے پوچھا رابعہ! آج تو جلال کچھ عجیب سا

ہے۔ تو کہا کہ ہاں! اس لیے ہے کہ لوگ عموماً جنت کے لالچ اور دوزخ کے خوف سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں آج منّا ختم کردوں، جنت کو آگ لگادوں اور دوزخ کو سرد کردوں۔ کاش کہ لوگ اللہ کو بے ریا چاہتے۔

حدیثِ مسلم ہے۔ آخری احادیث میں سے ہے۔ حدیثِ قدسی ہے کہ ملائکہ بہت سے لوگوں کو جنت میں لیے جا رہے ہوں گے۔ بڑے عبادت گزار، بڑی خوبصورت شکلیں، تمام تر شرع میں ڈوبے ہوئے تو اللہ کا حکم آئے گا کہ اے ملائکہ! انہیں دوزخ کی طرف لے جاؤ تو ملائکہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار! یہ کیسے ممکن ہے۔ ان کے نامۂ اعمال کی نیکیاں لکھ لکھ کر شر قاغر باہمارے تو صفحاتِ عمل ختم ہوگئے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ انہیں دوزخ میں لے جاؤ فرمایا، ہاں! میرا اور میرے بندے کا ایک معاملہ ہے جسے صرف میں ہی جانتا ہوں اور وہ اخلاص ہے۔ جسے آپ تصوف کہتے ہیں وہ اخلاص سے شروع ہوتا ہے، اخلاص پر ختم ہوتا ہے۔

There are only three laws to be a mystic:

The choice of the top-priority, (ترجیحِ اول کا انتخاب)

Rememberance (یاد)

Balance (اعتدال)

The choice of the top priority,that means God and some body chooses God, he is choosing the top-priority. He starts to be a mystic. The second one Rememberance is طاقت کے حصول کے لیے نہیں ہوتی۔ is rememberance. Rememberance to maintain the priority اللہ کہتا ہے۔ کہ مجھے اس طرح یاد کرو جیسے Belongings کو کرتے ہو۔ محبت کے ساتھ، fear سے نہیں:

"فاذکر و االلہ کذکر کم او اشد ذکرا'' (البقرہ:۲۰۰)

مجھے بھی ایسے یاد کرو جیسے Belongings کو، ماں باپ کو کرتے ہو۔ خوف سے تو نہیں کرتے، وحشت سے نہیں کرتے۔ قرب سے، محبت سے، انس سے، تعلق سے کرتے ہو۔ مجھے بھی ایسے ہی یاد کرو۔ ''او اشد ذکرا'' ذرا زیادہ یاد کرو تاکہ مجھے پتہ چلے کہ تم ہر ایک سے زیادہ مجھے چاہتے ہو۔ So this is the balance.

اللہ کہتا ہے کہ مجھے تمہاری محبت کا یقین نہیں آسکتا، مجھے بھی اسی طرح محبت کا یقین دلاؤ جیسے تم اپنے محبوب سے کرتے ہو۔ دن ہو، رات ہو، صبح ہو، شام ہو، وہ آپ کو ہر جگہ یاد آتا ہے۔ اگر کسی نے محبت کے ٹیسٹ لینے ہوں کہ کس سے مجھے زیادہ محبت ہے تو تنہائی اختیار کیجیے۔ جو زیادہ یاد آئے گا اسی سے زیادہ محبت ہوگی تو خدا چاہتا ہے کہ آپ اسے محبت اور انس سے یاد کریں۔ And the third major law is normality ''اعتدال'' جب تک آپ معتدل نہیں ہیں، جب تک آپ پر اعتدال نہیں ہے، آپ کا Religion Trustworthy نہیں ہے۔ Religion میں ایک ہی صفت ہے۔ Fears اور Frustration سے آزاد کر کے آپ کو مکمل اعتدال کو بڑھاتا ہے۔ آٹھ احادیث اوپر تلے مسلم نے نقل کیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اعتدال اختیار کرو۔ اگر مکمل اعتدال اختیار نہ ہو سکے تو اس کے قریب ترین رہو۔“

Ladies and gentleman! It is a job of the normal people. It is the job of the intelligent. It is the job of the knowledgable, to know God, to love God, to believe God and to be the people of God. یہ کسی ان پڑھ کا کام نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان پڑھوں کے بارے میں اللہ کہتا ہے:

”ان شر الدو آب عنداللہ“
(بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ ہیں۔)
الصم البکم الذین لا یعقلون (الانفال:۲۲)
(جو گونگے اور بہرے ہیں۔ اندھا دھند میری آیات پر گرتے ہیں، جو عقل استعمال نہیں کرتے۔)

سوالات و جوابات

سوال: اسلام میں فقر کا کوئی تصور ہے۔ اگر ہے تو اس کی تھوڑی سی تفصیل بتائیں اور اگر سکونِ قلب کے لیے کوئی انسان کسی نیک محفل میں جانا چاہے تو یہ عمل اس کے لیے کیسا ہوگا؟

جواب: میرے عزیز! فقر کا تصور اسلام میں Intellectual Capacity کے ساتھ وابستہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

”ستر سال کی عبادت سے ایک لمحہ فکر بہتر ہے۔“

سوچنے والا ہی اصل فقیر ہوتا ہے اور فقر کا مطلب Out Growth ہے۔ وہ شخص جو اپنے معاملات سے، اپنی Instinctive Demands سے Out Grow کرتا ہے۔ دراصل اس کو فقیر کہتے ہیں۔

باقی جو اذکار کی محافل ہیں ان کے لیے بھی یہ دیکھنا بڑا ضروری ہے کہ کیا وہ اذکار کی محافل کسی Pattern کی قیدی ہیں یا اخلاص کے لیے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ذکر اس وقت بھی ہوتا تھا۔ ذکر اس وقت بھی ہوتا ہے مگر For Example اگر قرآن یہ کہے کہ اپنی آوازوں کو اتنا بلند مت کرو، نہ اتنا دھیما کہ خود نہ سن سکو تو تمام اذکار کی محفلوں میں یہ Decorum رکھنا پڑے گا۔ ان لوگوں کی تخصیص کرنی بڑی ضروری ہے۔

”لم تقولون مالا تفعلون“ (الصف:۲)
(تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔)

تو پہلے فقیر ڈھونڈیں گے۔ پھر اذکار کی محفلیں ڈھونڈیں گے۔ پھر ان میں جا کر ہم اپنی تسکینِ قلب ڈھونڈیں گے تو سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جس مجلس میں آپ جا رہے ہیں یا جن لوگوں میں جا رہے ہیں۔ ان کی Authenticity of faith کیا ہے کیونکہ حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ شیطان کا ایک روپ یہ ہے کہ وہ شیطانِ ابیض

ہے۔ نورانی شکل میں آتا ہے۔

At present i can tell you my own observations. Phychologically most of the محافل جو ہیں وہ Out of guilt conscience ہیں۔ Pre-possessive propaganda ہیں اور Self suggestions کے تحت ہوتی ہیں۔ ان میں اصلی اذکار کی محافل بہت کم ہوتی ہیں۔ جو میں نے analyse کیا ہے ورنہ ذکر کرنا ہر حال میں اچھا ہے۔ خواہ آپ کسی بھی حال میں ہوں۔

سوال: I think it was a very nice lecture but I don't agree with it. I believe in God and I believe in Quran. We cannot explain Quran or God by science becuase science is not a fixed thing. Trying to explain the Quran by the facts of 1950's is a big mistake. Second thing, Quran is a big science. It does'nt change. Science changes after every ten years, we cannot explain Quran by science. science is inferior. Quran is much more superior than science. Quran is a way of life and code of ethics. We should not mix the book of science or scientific research with Quran. I think we should take Quran as the way it is....

جواب: جو بھی آپ کہہ رہے ہیں۔ میں نے اس میں سے کوئی بھی Premises Establish نہیں کیا۔ بلکہ میں وہ بات کہنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ جو خدا نے کہی تھی۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آپ وہ بات کہہ رہے ہیں جو میں نے نہیں کہی اور میں وہ بات کہنے کی کوشش کر رہا ہوں جو اللہ نے کہی۔ میں نے خدا کو Quote کیا تھا:

"لیھلک من ھلک عن بینۃ"

(جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا۔)

"ویحیٰ من حی عن بینۃ" (الانفال:۴۲)

(جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا۔)

تو خدا یہ کہتا ہے کہ جس نے مجھے مانا اس نے مجھے دلیل سے مانا۔ جس نے میرا انکار کیا اس نے میرا دلیل سے انکار کیا۔ Now the problem is آپ سائنس کو خدا کا حریف سمجھ رہے ہیں۔ بدقسمتی سے خداوند کریم کا عطا کردہ یہ گوہرِ حکمت انسانوں کا نہیں ہے، اللہ نے فرمایا:

"یوءتی الحکمۃ من یشآءُ"

(جسے چاہتا ہوں حکمت عطا کرتا ہوں۔)

"ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا" (بقرہ:۲۶۹)

(اور جسے میں نے حکمت عطا کی اسے خیر کثیر عطا کی۔)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ Sciences ہیں کیا؟ آپ کو ایک عجیب سی بات بتاؤں، وہی 'لارڈ برٹرینڈ رسل' جس نے خدا پر اعتراض کیا، اس کو بڑا فلاسفر بھی اس لیے کہتے ہیں کہ He summed up the nature of the sciences. بڑے ہی خوبصورت لہجے میں اس نے کہا کہ We only know the ralationship of things. We don't know the nature of things. تمام Sciences کی Struggle اسی Relationship کو جاننے میں ہے۔ آئن سٹائن نے کوئی نئی بات Discover نہیں کی، وہ Energy جو موجود تھی، وہ شق جو موجود تھی، اسی کو اس نے Discover کیا۔ آج تک کسی سائنس دان نے اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد نہیں کی۔ دریافت نہیں کی بلکہ خدا کے قوانین کو پڑھا، لکھا، سمجھا اور سوچا۔ اگر قرآن نے ایک بات کہی:

"وما من دآبۃ فی الارض"
(زمین پر کوئی ایسا ذی حیات نہیں ہے۔)
"ولا طٰئر یطیر بجناحیہ"
(اور آسمانوں میں کوئی ایسا پرندہ نہیں اڑتا۔)
"الاامم امثالکم" (الانعام: ۳۸)
(مگر تمہاری طرح امتیں ہیں۔)

Who will discover it? are you, a philosopher, a man of letters or a scientist. یہ تو سائنسدان ہے جو آپ کو بتائے گا کہ ان کے نسب نامے ہیں۔ ان کے pedigrees ہیں۔ ان کے فائیلم اور sub-phylum ہیں۔ He is only confirming God. Science is not final. You are very correct. God has reached the finality. میں نے آپ کو پہلے ہی بتایا تھا کہ قرآن finality کو پہنچ چکا ہے۔ science نہیں پہنچی۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ قرآن نے فائنل پر judgement دی ہے:

"واذا الشمس کورت..... واذا النجوم انکدرت"
(جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور ستارے ماند پڑ جائیں گے۔)
اور دوسری جگہ کہا:
"وجمع الشمس والقمر" (القیٰمۃ: ۹)
(چاند اور سورج کو جمع کر دیا جائے گا۔)

تو قرآن حکیم کو آپ کیا سمجھ کر پڑھیں گے؟ ان آیات کو کیا سمجھ کر پڑھیں گے؟ کیا ان آیات کو قرآن سے نکال کر پڑھیں گے؟ خالی نماز اور روزہ کریں گے۔ خدا تو یہ نہیں چاہتا۔ اللہ آپ سے یہ توقع نہیں کرتا۔ کیا آپ اپنے شبہے سے ڈرتے ہیں۔ اصل میں بات یہ ہے My dear young man, you are afraid of your own secpticism آپ کو ڈر لگتا ہے کہ کل کو کہیں کوئی خدا کی بات غلط نہ نکل آئے۔ بدقسمتی سے I am a free, I am independent. مجھے یہ یقین ہے کہ اگر کوئی خدا کی بات غلط نکل آئی تو اس غلط خدا کو ماننے سے آزاد رہنا بہتر ہے۔ تو

God teaches me independence. یہ مجھے سوشلزم یا سیکولرازم نہیں بتاتا۔ مجھے خدا بتاتا ہے کہ اگر یقین و اعتماد صحیح نہیں ہے تو You will be prey to any scepticism. کسی بھی شبے کا شکار ہو جائیں گے اور faith اور ایمان اتنا ان پڑھ نہیں ہو سکتا۔ کوئی بھی ایسی دلیل قائم نہیں رہ سکتی جو intellectual basis پر نہ ہو۔ خالی science نہیں all social sciences جہاں بھی، جب بھی انسان نے سوچا، اس نے خدا کے فیصلے کی تائید کی۔

سوال: Only God is being confirmed by sciences. God is not confirming sciences. I don't think so that God should be confirmed by sciences. I think we should just believe in God. I think we should believe in God and Quran...

احمد رفیق اختر: But why? اگر میں آپ کے خدا پر اعتراض کر دوں تو آپ کیا کہیں گے؟

سوال کرنے والا: No, why. that are the basis of Iman.

احمد رفیق اختر: ایمان کسے کہتے ہیں؟

سوال کرنے والا: Iman is belief on God with out any question. کیسے؟

احمد رفیق اختر: کس بات پر خدا کا ایمان ہوگا؟ کس نے کہا کہ خدا ہے؟

سوال کرنے والا: Human science and mind can'nt explain God.

احمد رفیق اختر: کس نے آپ سے کہا خدا پر یقین لانے کے لیے۔ دیکھیں آپ کا ایمان ایک سوال کی ضرب نہیں سہہ سکتا۔ کس نے کہا آپ خدا پر ایمان لاؤ؟

سوال کرنے والا: There is no doubt in my mind.

احمد رفیق اختر: کیسے؟ why don't you believe in satan. ہبل، لات و عزی پر آپ یقین کیوں نہیں رکھتے؟ اگر کسی بھی reality پر ایمان لانا ایمان ہے تو بت پرستی کا کیا قصور ہے میاں؟

سوال کرنے والا: Belief in God is a kind of faith.

احمد رفیق اختر: آپ مجھے یہ بتائیں کہ بت پرستی پر ایمان رکھنا کیوں گناہ ہے؟

سوال: برائے مہربانی اس آیت کو Explain کر دیں:

”ذلک بان اللہ نزل الکتاب بالحق“(البقرہ ۲:۱۷۶)

جواب: بات یہ ہے کہ کتاب میں اللہ نے بڑی بعد میں یہ آیت لکھی اور پہلے کوئی اور لکھی۔ اصل میں جو بھی کتاب کھلتی ہے وہ Positive Statement سے کھلتی ہے۔ تو اللہ کو چاہیے تھا کہ پہلے یہ لکھتا کہ:

”ذلک بان اللہ نزل الکتاب بالحق“(البقرہ ۲:۱۷۶)

(کہ ہم نے اس کتاب کو سچائی کے ساتھ اتارا۔)

مگر میں نے آپ سے عرض کیا کہ خدا اتنا بڑا Intellectual ہے، علیم ہے، حکیم ہے۔ وہ Freedom of thought دیتا ہے۔ تو سب سے پہلے Freedom of thought اس نے Intellectual context میں دی۔ اپنے بارے میں دی اور کہا کہ دیکھو میں نے تمہیں عقل وشعور بخشا ہے۔ اگر تمہیں عقل وشعور Convince کرے کہ میں ہوں تو پھر مجھے ماننا ورنہ میرا انکار کر دینا اس نے کہا: "انا ھدینه السبیل" (میں نے تمہیں عقل وشعور بخشا ہے۔ چاہو تو مجھے مانو اور چاہو تو نہ مانو۔) مگر کتاب حکیم کا آغاز اس قسم کی Positive statement سے نہیں کیا۔ یہ پھر دعویٰ ہو جاتا۔ اگر دعویٰ ہو جاتا تو پھر میرے اس عزیز دوست کی بات سچی سمجھی جاتی کہ شروع سے Force کیا جا رہا ہے کہ مجھ پر یقین رکھو۔ تو الله Is a very great teacher, I have been a teacher for fifteen years. تو میں نے اچھا استاد اس کو سمجھا کہ جو کسی مسئلے کے Negative اور Positive کو Explain کرتا ہے۔ And the decision is left to the students. تو میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ One who thinks and who believes and who uses his intellectual capacities to understand about God. When he comes up then ultimately he reaches this statement: کہ:

"ذلک بان الله نزل الکتاب بالحق"

اور دوسرا حصہ اس آیت کا جو اختلاف کے بارے میں ہے، وہ Data کے بارے میں ہے۔ Ultimacey کے بارے میں ہے۔ کرسچن Faith اور دوسرے جتنے بھی Faith ہیں No doubt, they are the part of same faith. مگر خدا یہ کہتا ہے کہ اگر Quote کرنے کے لیے تم وہ Data استعمال کرو گے That will not be correct میں اس کی مثال آپ کو دیتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سات آٹھ حواری: یوحنا، مرقس، متی، لوقا، برنباس وغیرہ تھے۔ حضرت یوحنا کے درس مختلف اصحاب رسول نے سنے، تو ان سے علیحدہ علیحدہ Documentations آئیں۔ وہ Documentations پھر بھی کاپی نہیں ہوئیں بلکہ ان اصحاب رسول نے حواریوں سے Further by letters convey کیں اور By letters انطاکیہ میں سینٹ پال کے بڑے گرجا گھروں میں آئیں۔ Then seventy years later وہ کتاب کی شکل میں آئیں، اس لیے Documentation میں جو ان کے Basic اختلاف تھے وہ اس وقت بھی موجود ہیں۔ حتیٰ کہ جب پوپ پال کو ایک انجیل مرتب کرنی پڑی تو انہوں نے ان میں سے کم از کم ایک سو چھتیس Version کو سامنے رکھا اور ان میں سے اس وقت جو مروجہ Version ہیں This is considered to be the most compromising. تو خدا کہتا ہے کہ You just don't have to quote my self from the other books کیونکہ ان میں تحریف ہے، یہ متن سے علیحدہ ہو گئی ہیں۔ اس لیے تم ان کتابوں کی سطح پر مجھے quote نہیں کر سکتے۔ یہ کتاب ہے جس کی گارنٹی اور سچائی کا میں نے خود ذمہ لیا ہوا ہے۔ If you have to quote myself. quote from this book. اس لیے ایک بہت اچھے مصنف نے قرآن، بائبل اور سائنس میں بائبل اور قرآن کے اختلافات کو واضح کیا ہوا ہے۔

ایک صاحب: میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ میرے یہ دوست جنہوں نے ابھی سائنس کے حوالے سے بات کی تو میں انہیں Suggest کروں گا کہ وہ یہ کتاب پڑھیں جس میں مصنف نے کہا کہ بائبل اور قرآن میں میں نے یہ دیکھا کہ

بائبل نے جو کچھ کہا سائنس نے اس کو پرکھا اور کہا کہ یہ تو ثابت نہیں ہو رہا ہے سو بائبل غلط ہے اور جب سائنس نے قرآن کے Data کا دیکھا تو کہا کہ یہ یہاں ثابت ہو گیا، سائنس ہی اس کو ثابت نہیں کر پائی۔

پروفیسر احمد رفیق: اصل میں ایک حد تک ان کا یہ اعتراض ڈر سے پیدا ہوتا ہے کہ کل کو خدانخواستہ اگر ایک ایسا Data نکل آئے جو قرآن کے مطابق نہ ہو تو میں ان سے ایک بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ قرآن کے بعض Datas سائنس کو مل گئے ہیں۔ ان پر تو Improvement ممکن ہے جیسے قرآن نے کہا کہ:

"وجعلنا من الماء کل شیء"

Biology نے Further confirm کیا کہ تمام زندگی پانی سے پیدا ہوئی ہے تو یہ Law بن گیا۔ مگر ابھی بہت سارے اصول قرآن ہیں کہ ان کی Confirmation نہیں ہوئی یا ابھی They are mid way وہ Hypothesis کی شکل میں ہیں۔ جوں جوں Sciences آگے بڑھیں گی، فطرت ان کو Confirm کرے گی۔ آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کو خدا ہی کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر کسی Science نے اس کا انکار کر دیا، کوئی ایسی بات نکل آئی I will be the first man to leave God. تو مجھے خدا نے یہ Liberty دی ہے کہ جو بات سمجھ نہ آئے مت مانو۔ مجھے تو خدا سمجھ میں آ رہا ہے۔ تیس سال اس کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ پہلے تو دلیل ہے پھر اس کی قربت کی بات ہے۔ آپ کے دل میں اگر شوق ہو اس کی قربت کا اور اس کے بارے میں جاننے کا تو خالی Sciences نہیں ہیں۔ آپ کو زمین کی ہر چیز پڑھنی پڑتی ہے۔ ہر شے کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ ایک Science میرے علم میں ہے جو ابھی تک Science نہیں بنی۔ قرآن ہی سے میں نے سیکھی ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ Feelings are a science, Sentiments are a science. مگر کبھی اس Science کا سنا آپ نے؟ یہ ساری کی ساری Sciences ہیں اور Science کی کتنی بڑی حماقت ہے کہ ان کو Un Scientific قرار دیا ہوا ہے۔ جوں جوں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے، جب ان کے Actions اور Reactions اور Reciprocal Reactions دیکھے جائیں گے تو اگلے دس برسوں میں آپ کو پتہ لگے گا کہ ہر Feeling سائنس ہے۔ Sentiments پورے کا پورا Package ہے۔ All the syndromes are science syndromes. یہ تو رفتہ رفتہ کی بات ہے۔ اللہ تک پہنچنا آسان تو نہیں ہوتا صاحب!

سوال: You have said that all professions, skills and science are just way to spend a sort of healthy and constructive life. But how you place the people who are non-believers, for example who invented small pox vaccine which arradicated whole of the small pox and that is a great victory to mankind and still they are non believers. How will you put a place these non believers.

جواب: دراصل قرآنِ حکیم نے جب کرامتِ ظاہرہ کا ذکر کیا تو اللہ نے اسے مسلمان کے ساتھ مخصوص نہیں کیا بلکہ فرمایا:

"ولقد کرمنا بنی ادم" (بنی اسرائیل: ۷۰)
(ہم نے تمام بنی آدم کو کرامت بخشی۔)

Intellect کے تین درجے ہیں۔ ایک کو Common Instinctive پر Base کرتے ہوئے Instinctive Knowledge کہتے ہیں۔ جب پڑھتے لکھتے ہیں اور دانش وری اختیار کرتے ہیں تو ہم Intellectual ہو جاتے ہیں۔ Intution تک مسلم اور غیر مسلم سب برابر ہیں۔ انہوں نے چونکہ Concentration کی ہیں۔ انہوں نے غور و فکر کیا ہے۔ جیسے Organic Chemistry کا فارمولہ بنانے والے حضرت جب بہت غور و فکر فرما رہے تھے تو آتش دان سے آگ لپکتی دیکھ کر ایک Snake-tail formula تک پہنچ گئے۔ جیسے Newton ہیں، تو آٹھ سال کا غور و فکر تو شامل تھا، سیب کا گرنا تو بہانہ ہو گیا تھا۔ وہ ایک Intutive الہام تھا۔ وجدانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ تو خدا نے کسی بھی محنت و مشقت کرنے والے کو ایک وجدانی ترفع بخشا ہے جو کسی مسلم اور غیر مسلم میں یکساں ہو سکتا ہے۔ چونکہ مسلمانوں میں ایسی Concentrations موجود نہیں ہیں۔ مسلمانوں میں تو اپنی knowledgibility بھی کھو گئی۔ Religious sentiment بھی کھو گیا۔ نہ اُدھر تحقیق ہوئی نہ اِدھر تحقیق ہوئی تو Obviously Inferiority پیدا ہوئی تھی۔ باقی رہا ان کے اوصاف۔ یہ تو سوال ہے ان کی صلاحیت کا۔ سو اللہ میاں نے اس پر کوئی تخصیص نہیں لگائی بلکہ ایک دور کو دجال کا عصر کہا۔ جب Genetics اتنی ترقی کر جائیں گی کہ نیا انسان تخلیق ہو سکے گا۔ ہمارے Religion نے ہمیں یہ Probability دی ہے کہ نئے انسان کو انسان تخلیق کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ Genetics engineering اور Micro Biology اگر مل جل کر اتنی کوشش کریں تو They will be able to recreate an exact replica of a human being. یہاں تک اشارات ہمیں قرآن و احادیث سے ملتے ہیں۔ مگر اس وقت ایک اور سوال آئے گا۔ بہت سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ پانچ چیزیں ہیں جو خدا کے علم میں تھیں اور قرآن میں یہ لکھا گیا تھا کہ یہ چیزیں تو صرف اللہ جانتا ہے۔ اس میں سونوگرافی نے ایک چیز کو غلط کر دیا کہ بچے کا پہلے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ میں ہی جانتا ہوں کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے؟ مرنے کی جگہ کون سی ہے؟ جینے کی جگہ کون سی ہے؟ رزق کے مقامات کیا ہیں تو آج کے دور میں آپ دیکھیں کہ۔ People are getting fixed in their professions differently. The people almost know what they have to do on the places, they choose. اور یہ کہ تین یا چھ مہینے پہلے judgement دے دی کہ لڑکا ہو رہا ہے، لڑکی ہو رہی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا کی آیات غلط ہو گئیں تو Normally ہمیں دیکھنا پڑتا ہے کہ حدیث جو ہے وہ explaining documentry of the Quran ہے اور بعض آیات کی وضاحت اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہمیں Explaining Documentaries نہ ملیں۔ Particularly یہ جو آیاتِ زمانہ آخر ہیں جن میں سے ہم ابھی گزر رہے ہیں، یہاں پر اللہ کے رسول نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا ہوگا کہ انسان بعینہٖ وہ کام

کرے گا جو اللہ کرے گا اور وہ عصرِ دجال ہے۔

عصرِ دجال کا مطلب یہ ہے کہ انسان Claimant ہوگا ان کاموں کا جو خدا کر رہا ہے۔ خدا اگر زندگی اور موت دے رہا ہے تو دجال Claim کرے گا کہ میں زندگی اور موت دے رہا ہوں۔ اگر اللہ یہ جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے تو یہ ہوگا۔ خدا نے کہا کہ میں لڑکا اور لڑکی دیتا ہوں۔ آپ دیکھئے کہ جاپانی Micro Biologian, اور Genetics کے ماہرین کی تحقیق کے مطابق You may choose the sex of your bady تو یہ سارا ایک Exception ہے جسے اللہ کے رسول نے واضح کیا کہ یہ Exceptional Period دجال کا عصر ہے۔ اور اس کے بارے میں واضح کیا کہ لوگ زیادہ تر دجال کے عصر میں دجال کی طرف جائیں گے۔ Youngs جائیں گے، Ladies جائیں گی اور وہ ہر چیز کو حاضر کرے گا۔ اس کے پاس ایک شخص جائے گا اور کہے گا کہ میرا بھائی مر گیا ہے۔ کیا تو اس کو زندہ کر سکتا ہے؟ وہ کہے گا ہاں! کر سکتا ہوں And he will relive the dead person. تو لوگوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ وہی شخص ہوگا؟ فرمایا نہیں اس کی مثل ہوگا۔ اب دیکھئے! کتنی عقل مندی کی بات ہے! اللہ کے رسول نے ہمارے لئے کتنی Openings چھوڑ دی ہیں کہ اس کی مثال ہوگا۔ It will not be the same man. May be out of his own genes and exact replica of the same man will be created and not the same man. تو عصرِ دجال میں تمام جو حیرت انگیز واقعات ہونے والے ہیں یا ہوں گے، ان تمام کا ذکر ہے۔ اور یہ تمام چیزیں ہم پر اس بات کا دباؤ ڈالیں گی کہ You stop believing in God and start believing in a new God. that's man himself. جو اس پر یقین رکھیں گے، وہ انہیں جنت دے گا۔ جو اس پر یقین نہیں رکھیں گے، وہ انہیں دوزخ دے گا۔ البتہ جہاں تک صلے کی بات ہے تو خدا نے کہا کہ جو محنت کرتے ہیں، میں زمین پر ان کا صلہ انہیں دے دیتا ہوں۔ ان کو عزت، محبت، شہرت سب کچھ دیتا ہوں مگر اس کی مثال یہ ہے جیسے ریگزاروں میں سراب۔ جب یہ اس کے قریب جائیں گے تو باقی صرف ریت رہ جائے گی۔ ان کے ایمان اور اعمال کی نسبت یہ ہے کہ جو کچھ انہوں نے کیا اس کا صلہ ہم ضرور ان کو اس زمین پر دیں گے۔ مگر جہاں تک ایمان کی بات ہے، جہاں تک اگلی دنیا میں ان کے صلے کی بات ہے I am silent. انہوں نے میری طرف رجوع ہی نہیں کیا۔ مجھے مانا ہی نہیں، مجھے چاہا ہی نہیں تو کہاں سے یہ مجھ سے کوئی چیز طلب کریں گے۔ تو ان کے تمام نیک اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے سرابِ ریگِ صحرا، دور سے پانی لگتا ہے اور قریب جاؤ تو ریت رہ جاتی ہے۔

نظریۂ ذاتِ خداوند

اعوذ باللہ السمیع العلیم ط من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
رب ادخلنی مدخل صدقٍ و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا

حضراتِ محترم!

Concepts of God یا جسے نظریۂ ذاتِ خداوند کہتے ہیں، Post Graduation کے بعد میرا موضوع رہا۔ سب سے بڑی بات جو کسی صاحبِ تشکیک کو ڈستی ہے، ہر اس ذہن کو جس میں سوال ہے یا جس میں سوال کے کرب کی نشان دہی ہوتی ہے۔ ہر وہ ذہن جو اپنے بچپن سے جوانی کو بڑھتا ہے اور تعلیم اور بلاغتِ شعور کو جاتا ہے، اس کے رستے کے سوالات کو روکا نہیں جا سکتا۔ اس کی سوچ گستاخانہ بھی ہو سکتی ہے، منکرانہ بھی ہو سکتی ہے، جاہلانہ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ جبلی اقدار جو کسی انسان کی بنیاد میں ہوتے ہیں۔ عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ عقل و شعور کے ساتھ، ان جبلی اقدار کو روکا جاتا ہے تو نفسِ انسان بہر حال کسی نہ کسی تخریبی اور کسی نہ کسی ناقص نظریاتی پہلوؤں پر سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ آج کا نوجوان خاص طور پر اس بحران اور المیے کا شکار ہے۔ مگر جیسے بہت پہلے، بہت ساری روایات کے دباؤ، بہت سارے اخلاق تجاوزات، جو ہمارے سروں پر پچھلی نسلوں نے مسلط کیے تھے اور ہم وہ نسل تھے جو اُن بزرگوں کے دباؤ سہہ گئے۔ مگر جوں جوں فشارِ بلاغت ہو رہا ہے، جوں جوں انسان Information کے سمندر میں آگے بڑھ رہا ہے، جوں جوں انسان موجودہ سائنسی اور تکنیکی علوم کی معرفت حاصل کر رہا ہے، بہت ساری پرانی باتیں دقیانوس لفظ کی تعریف میں داخل ہو گئی ہیں اور نوجوان نسل، جدید الیکٹرانک سے معروف، ایک تیز ترین، صوتی اور بصری نظریات سے معروف نسل، شاید اب پرانے دلائل سے کسی قیمت پر بھی نہ متاثر ہوتی ہے اور نہ ہی مطمئن۔

حضراتِ محترم! یہ بحران تو ہر زمانے میں رہا۔ مگر بہت ساری نسلوں میں شاید یہ استقامت اور جراٗت نہ تھی کہ وہ اپنے بزرگوں سے وہ سوال کر سکتے کہ جوان کے ذہن میں ہر وقت بے چینی اور انتشار پیدا کیے رہتے تھے۔ شاید اس وقت اساتذۂ گرامی بھی اور بہت بڑے علماء بھی کسی چبھتے ہوئے سوال پر جواب دینا توہینِ مذہب سمجھتے تھے یا توہینِ استاد سمجھتے تھے اور وہ بے چینی اور اضطراب ایک گہری منافقت کی صورت میں ڈھلتا چلا جاتا تھا اور وہ بزرگ اور وہ بڑے لوگ، انہوں

نے زندگی کے قواعد میں تو بہت ساری تبدیلیاں کیں، بہت ساری Corruptions اختیار کر لیں مگر بظاہر وہ بڑے مذہبی بھی تھے۔ بڑی Attachments تھیں ان کو دین کے ساتھ۔ بڑا لگاؤ تھا ان کو اپنی دینی روایات کے ساتھ اور میں نے ایسے بہت سے لوگ دیکھے جو بہت سی اخلاقی بے ضابطگیوں کے باوجود بھی، رشوت اور جرائم کے باوجود بھی وہ اتنے پکے نمازی تھے، اتنے پکے رائج الوقت مذہب پہ قائم تھے کہ حیرت ہوتی تھی کہ یہ تضاد، یہ ڈپلومیسی، یہ منافقت، کیسے ایک ہی انسان کے سینے میں ممکن ہو سکتی ہیں۔

مگر حضراتِ محترم! زمانہ اب اس نہج پہ آ گیا ہے کہ جہاں اس کے دل سے مذہبی روایات کا خوف اٹھتا جا رہا ہے۔ ویسے بھی تجسس، شوق، جاننے پہچاننے کی خواہش، اتنی بڑھ گئی ہے کہ اب جس سوال کا جواب مذہب نہ دے، اور جو مذہب بھی نہ دے گا، اس کی Appriciation یا تعریف وتوصیف اس زمانے کے استدلال میں نہیں ہو سکتی۔

اب اگر اسلام اتنا Decadent ہے، اتنا فرسودہ نظامِ فکر ہے، اتنا پرانا نظام ہے کہ جدید ترین تقاضائے فطرت وعلم وحقائق کا جواب نہیں دے سکتا یا اس کے جواب میں صرف وہ اپنی Rigidity Show کرتا ہے، ایک لڑاکا اور جنگجویانہ صفت ہی Show کرتا ہے تو پھر لوگ اس میں Fundamental کا Order لگا دیتے ہیں اور اس کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں یا اس کو مانتے ہوئے بھی وہ زندگی کو ہر اس قدر کو روا رکھے ہوئے ہیں، جو انہیں جدید زمانے سے ہم آہنگ کر سکے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ ذرا آپ ہی سے سوال کرتا ہوں کہ ایک معمولی سے معمولی ڈگری کے حصول کے لیے ایک معمولی سی استعداد کے حصول کے لیے زندگی کے بیس اور پچیس سال لگ جاتے ہیں اور ایک متصل اور مسلسل تعلیم کے حصول میں آپ بالآخر بڑی مشکل سے، ایک بڑی معمولی سی جدید ڈگری جو ہے، جسے آپ بیچلر آف آرٹس یا سائنس کہتے ہیں، وہ حاصل کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ مگر کبھی آپ نے غور کیا کہ خدا کے بارے میں جواب دینے والے، یا خدا پہ گفتگو کرنے والے، یا خدا کو عالمانہ انداز میں پیش کرنے والے، زندگی کا کتنا وقت اس مضمون کو دیتے ہیں؟ اتنا بھی نہیں جتنا ایک Matriculation کو دیا جاتا ہے، اتنا بھی نہیں جتنا ایک Faculty of art کے Subject کو دیا جاتا ہے، اتنا نہیں جتنا ایک Graduation کو دیا جاتا ہے۔

اگر ایک معمولی تحصیل کے لیے اتنا وقت چاہیے تو کائنات کے سب سے بڑے عالم کے لیے، خلاقِ عالم کے لیے، کیا یہ وقت بہت زیادہ گنتے ہیں؟ ایک آدھ سال مسجد میں صرف قرآن کریم پڑھ لینا، سنی سنائی روایات پر غور کر لینا---اگر غور کریں، تو صرف ایک بات جو مسلمان میں اس وقت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے پوچھ لے کہ تمہارے خدا کتنے ہیں تو اس کا جواب ہوگا ایک۔ اس کے علاوہ ہمارے مذہب اور معاشرت میں، ہمارے رنگ ڈھنگ میں، اسلام کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے۔ وہ جو تحصیلِ علم ہے مذہب کی، وہ تمام تر ایک گلے بندھے روایتی انداز میں ہے جس کی Appriciation کسی ماڈرن Standard پہ نہیں ہو سکتی۔ جس کی تعلیم وترویج احسان اور منت کے طور پر ہوتی ہے۔ جسے بحیثیت ایک Advanced comparative subject کے دنیا کے دوسرے علوم کے سامنے نہیں لایا جا سکتا۔

غور کیجیے کہ ہندوؤں کا فلسفہ کیا تھا اور پھر اپنی زندگی اور معاشرت کے فلسفے پر غور کریں۔ ہندو نے معاشرے کی زندگی کو چار آشرم میں بانٹا تھا، بھرم چری آشرم ـــ جوانی کا آشرم، پچیس برس تک، جو انسان کی طاقت اور سیکھنے، پڑھنے کی

عمر ہے۔ پھر اس نے کہا کہ زندگی اگلے پچیس سال میں داخل ہوتی ہے۔ گرھست آشرم ــــ بیوی بچے، پالنا پوسنا۔ پھر منو نے کہا کہ زندگی اگلے آشرم میں داخل ہوتی ہے۔ کھرب آشرم ــــ طاقت اور سیاست کی زندگی۔ پھر اس نے کہا کہ جب تم پچھتر برس کے ہو جاؤ، بوڑھے ہو جاؤ تو پھر، صوفی ہو جاؤ۔ مذہبی ہو جاؤ، خدا کے بندے ہو جاؤ، رشی منی آشرم کو اختیار کر لو۔

ذرا اپنی زندگی پر غور کریں کہ زندگی کی بہترین صلاحیتوں کا وقت، بہترین عمر آپ بدترین شے کو دیتے ہیں۔ اُس شے کو جسے پروردگار نے کہا:

"وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور" (ال عمران: ۱۸۵)

"انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو" (محمد: ۳٦)

"متاع الدنیا قلیل" (النساء: ۷۷)

یعنی مختصر، بے نام و نمود، کھیل کود، تماشہ، حسب و نسب، غرور و مباہات کی جنگ کو آپ اپنی، بہترین عمر دیتے ہیں۔ جب پچپن اور ساٹھ سال کے ہو گئے تو اس دنیا نے آپ سے مختصر سی بات کہی کہ اب آپ تھک گئے ہیں، کمزور ہو گئے ہیں، آپ کی صلاحیتیں اب ہمیں زیادہ درکار نہیں ہیں۔ اس عمر میں آپ آفس کا اور دنیا کا کام نہیں چلا سکتے۔ ایک Lesser Important چیز کو آپ ٹھیک طرح سے Run نہیں کر سکتے۔ اب وہاں سے آپ ریٹائر ہو گئے۔ There is no Choice for you. اب آپ خدا کی طرف بڑھتے ہیں۔ یعنی بدترین صلاحیتوں کو آپ اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں۔ وہ صلاحیتیں، وہ عمر، جس کے بارے میں پروردگار کہتا ہے کہ انسان اپنی ناقص اور ارذل عمر کو پلٹ چلا ہے۔ جسے Shakespeare کہتا ہے: Sans a taste, sans a teeth, sans eyes, sans every thing. بڑے میاں کا ذائقہ گیا، آنکھیں گئیں، شعور گیا، اب سوائے مصلے کے اور کیا choice ہو سکتی ہے۔ Do you think, God will like this thing آپ کا خیال یہ ہے کہ وہ ''جو غرضوں کی غائت'' ہے، وہ جو غائتوں کی ''غائتِ اولیٰ'' ہے، وہ جو اعلیٰ ترین Subject ہے۔ آپ اس کو بدترین عمر میں پڑھیں گے۔ اس کمزور حسی ادراک کے ساتھ پائیں گے۔ اپنی بدترین صلاحیتوں کے ساتھ پائیں گے۔

مسجدِ نبوی پر ایک صحابی نے کچھ گلی اور خراب کھجوریں لٹکا دیں۔ اس وقت طریقہ یہ تھا کہ لوگ صدقہ و خیرات کے لیے کھانے پینے کی چیزیں مسجدِ نبوی میں رکھ چھوڑتے تھے۔ گلی سڑی کھجوریں، جو اس کے مال میں بے کار تھیں وہ مسجد کے دروازے پر لٹکا دیں کہ ضرورتمند کھا لیں گے۔ مگر خداوند کریم کو اس پہ اتنا غصہ آیا کہ ایک آیتِ قرآن اتری کہ اے لوگو! اپنے لئے بہترین چیزیں اور میرے لئے یہ بدترین مال اور چلو اگر تم اپنی بہترین چیز میری راہ میں صدقہ و خیرات نہیں کر سکتے تو کم از کم درمیانہ تو کرو۔

حضراتِ محترم! میں بھی آپ سے یہی کہنے آیا ہوں کہ اگر آپ اپنی بہت سرکشی کی عمر اللہ کو نہیں دے سکتے، تو کم از کم درمیانی عمر تو اس کو دے دو۔ وہ سوچوں کا وقت تو اسے دیں، کم از کم اپنی زندگی میں اتنا فاصلہ تو دیں کہ اگر فکری شعور اور ذہنی صلاحیتوں سے اس کی طرف بڑھا جائے تو اتنا وقت تو نصیب ہو کہ کہیں اس کا احساس--- کہیں اس سے ملاقات نصیب ہو سکے۔ کون کہتا ہے کہ خدا نصیب نہیں ہوتا؟ کون کہتا ہے؟ جب ایک زندگی ہی اس نے اپنے لئے بنائی۔ پوری

زندگی کا مقصد ہی اس نے ایک رکھا، اور وہ ایک مقصد:

"انا ھدینہ السبیل اما شاکرا واما کفورا" (دھر:۳)

(کہ میں نے تمام ہدایات و عقل و شعور صرف اس لیے رکھا کہ چاہے تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کردو۔)

اُس نے تو آپ کی زندگی کا اور کوئی، مقصد نہیں رکھا۔ اس نے تو صرف ایک مقصد رکھا کہ:

"انا عرضنا الامانۃ علی السموت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا"
(الاحزاب:۷۲)

(زمین و آسمان کی مخلوق پر میں نے امانتِ عقل و شعور پیش کی۔ تمام ڈر گئے۔ تمام بھاگ گئے۔) مگر حضرتِ انسان آگے بڑھا، "وحملھا الانسان" حضرتِ انسان! اس نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں اس شعور کی نعمت کو وصول کروں گا۔ کیونکہ اللہ نے جو Task دیا تھا وہ بڑا صاف تھا۔ بڑا سادہ سا تھا کہ میں ایک ممتاز صلاحیت حضرتِ انسان کو دے رہا ہوں۔ کوئی بھی مخلوق آگے بڑھ جاتی کہ میں تمہیں سب سے ممتاز کر رہا ہوں۔ میں تمہیں ایک ایسی Value دے رہا ہوں جو میں کسی اور کو نہیں دے رہا، اس کے صلے میں میں تمہیں "خلیفۃ اللہ فی الاَرض والسَّمٰوٰت" بناؤں گا۔ اس کے صلے میں میں تمہیں سرکردگیٔ خلائق بخشوں گا۔ مگر اس کا ایک Return میں نے ضرور لینا ہے اور وہ میری اپنی شناخت ہے، وہ میرا اپنا جاننا ہے۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ یہ عقل و شعور لے کر ایک کام تم ضرور کرو گے کہ اپنی بہترین فکری صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے مجھے ضرور جاننے اور پہچاننے کی کوشش کرو گے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک عام فکری انسان، ایک گہرے فکر کے انسان، ایک معمولی پڑے لکھے انسان اور ایک بہت پڑھے لکھے انسان سے خدا ایک ہی سوال کیوں کرے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قبر میں ایک چھابڑی والے سے، ایک ڈرائیور سے، ایک پروفیسر سے، ایک دانا و فاضل سے ایک ہی سوال کرے گا:

مَنْ رَبُّکَ؟ کہ بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟

اگر ہم یہ سمجھیں کہ پروردگار نے یہ صلاحیت کسی کو بخشی ہوئی نہیں ہے تو پھر یہ سوال کتنا غیر معقول ہو جاتا ہے۔ اللہ کا یہ ہر ایک سے پوچھنا کہ مَنْ رَبُّکَ؟ کتنا Injustice ہو جاتا ہے۔ کتنا غیر منصفانہ سوال ہے۔ میں اسے کہہ سکتا ہوں کہ پروردگار! میں نے تو پڑھا لکھا، میں نے تو جانچا پرکھا، میں تیرے سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔ مگر میرا یہ بھائی جو ساری عمر روزی کی کشاکش میں مصروف رہا۔ اس کو تو ایک لفظِ علم بھی نصیب نہیں ہوا۔ یہ تجھے کیسے جواب دے گا کہ مَنْ رَبُّکَ؟ تو حضراتِ محترم! خدا بے انصاف نہیں ہو سکتا۔ سوائے ان کے کہ جیسے حدیثِ رسول ہے کہ پروردگار نے قلم اس پر سے اٹھا لیا کہ جو سویا ہوا ہے یا مجنون ہے۔ اگر کوئی ذہنی طور پر مفلوج ہے تو اس سے حساب نہیں ہو گا۔ اگر سویا ہوا ہے تو اس سے حساب معطل ہے۔ مگر باقی تمام لوگوں کو اگر اللہ نے اور کوئی صلاحیت نہیں بخشی، اور وصف نہیں بخشا تو تمام ان انسانوں کو جو زندگی ایک Normal Pattern میں گزار رہے ہیں، ان کو اگر کسی بھی اور سوال کا جواب دینے کی صلاحیت نہ ہو، اس سوال کا جواب دینے کی صلاحیت ضرور موجود ہے کہ مَنْ رَبُّکَ؟ اور اگر ہم اپنے Pattern میں، اپنے عقل و شعور میں اس سوال کا جواب نہیں دیں گے تو ہمارے پاس یہ کوئی Argument نہیں ہے کہ ہم پڑھے لکھے ہیں یا ہم ان

پڑھ ہیں، یا ہم زندگی کے معاملات میں مصروف رہے ہیں یا ہمیں ہوش وخرد نہیں رہا یا ہمیں اتنی Qualification حاصل نہیں تھیں کہ ہم اپنے اللہ کو جان سکتے۔ یہ سوال ہر ایک سے پوچھا جائے گا۔ اس کے جواب کی صلاحیت Basically ہر Human mind کے Computer کو عطا کر دی گئی ہے۔ وہ اس لیے حضرات محترم! کہ اگر آپ اپنے دماغ کا Analysis کریں تو اس دماغ میں پروردگار عالم نے، اس کے Maker نے، ایک Inherited صلاحیت رکھی ہے۔ ایک بنیادی صلاحیت رکھی ہے، جس کو کوئی Add نہیں کر سکتا، کوئی نکال نہیں سکتا، اور وہ صلاحیت یہ ہے کہ یہ آپ کو صبح وشام کی، اور زندگی کی، اور سال کی اور مہینے کی ترجیحات سے Automatically آگاہ کرتا رہتا ہے۔ ایک دن میں کسی شخص نے کیا کیا کام کرنے ہیں؟ اس کی لسٹ اُسے نہیں بنانی پڑتی اور دماغ کے کسی گوشے میں محفوظ نہیں رکھنی پڑتی۔ اس میں یہ ایک بنیادی صلاحیت ہے کہ آپ کو اپنی ترجیحات کی خبر دیتا ہے۔ اگر آپ Routine Work میں ہیں اور کوئی انوکھا واقعہ ہو گیا، کوئی Death ہو گئی تو آپ ساری Routine Work معطل کر دیتے ہو۔ آپ کو پتہ ہے کہ اس کو ترجیحِ اوّل حاصل ہو گئی ہے اور آپ سارے کام کاج چھوڑ کر اُدھر کو چلے جاتے ہو۔

انسانی ذہن کا یہ وصف ہے کہ ایک دن میں، جب آپ کے ذہن میں بہت ساری ترجیحات آتی ہیں تو آپ ہمیشہ اہم ترین ترجیح کا رُخ کرتے ہو، آپ ہمیشہ زیادہ ضروری ترجیح کا انتخاب کرتے ہو، باقی کو اس کے بعد Sub–Categorize کرتے ہو۔ یہی حال ہماری پوری زندگی کی ترجیحات کا ہے۔

حضرات محترم! مصیبت یہ ہے کہ یہ کمپیوٹر مکمل طور پر آپ کو زندگی کی ترجیحات نہیں بتا رہا۔ آپ کی Local ترجیحات آپ کو بتاتا ہے، آپ کی Monthly ترجیحات آپ کو بتاتا ہے۔ ایک طالب علم کو بتاتا ہے کہ تیری دو سال کی زندگی کی ترجیح تعلیم ہے۔ ایک بزنس مین کو بتاتا ہے کہ چار یا چھ سال دولت کمانا آپ کی ترجیح ہے مگر بدقسمتی سے ایک پوری زندگی کی ترجیح کا، ایک پوری زندگی کا اندازہ اس کی نگاہ سے اوجھل ہوتا ہے۔ جب یہ گزرتا ہوا چالیس اور پچاس سے آگے بڑھتا ہے تو وہ ترجیح کہیں جاتی نہیں اب وہ اسے Pinch کرنا شروع کر دیتی ہے۔ جب Lesser ترجیحات ختم ہو جاتی ہیں تو وہ Top Priority جو زندگی سے کبھی رخصت نہیں ہوتی وہ دباؤ ڈالنا شروع کر دیتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے اب اتنا وقت نہیں بچتا، نہ تعلیم کے لیے، نہ غور وفکر کے لیے، نہ سوچنے سمجھنے کے لیے، اور پھر Confusion اور یاس کے عالم میں جب وہ اپنی دوسری ایئر پورٹ پر اترتا ہے، جہاں اس کے جہنم اور جنت کا ویزہ لگنا ہوتا ہے تو Gate Way پر ہی اس سے ایک Question پوچھا جاتا ہے۔ مَنْ رَّبُّکَ؟ کہ صاحب یہ جو لیٹر آپ نے ہمیں Deliver کرنا تھا جس کے لیے آپ کو زندگی دی گئی، کمالات وفنون دیے گئے، صلاحیت وشعور بخشا گیا، اس سوال کا جواب آپ لائے! اور آپ فرماتے ہیں میں تھوڑا Busy رہا:

”زین للناس حب الشھوت من النسآءِ والبنین والقنا طیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ط ذلک متاع الحیوۃ الدنیا“ (العمران:۱۴)

ایک ایک گنی جاتی ہے، بیوی میں، بچوں میں، مال واسباب میں، گھوڑے گاڑیوں میں، میں ذرا مصروف رہا۔ But what about the top priority? ترجیحِ اوّل کہاں جائے؟ پروردگار کے نزدیک یہ عذر قابلِ قبول نہیں

ہے، اس لیے کہ پوری زندگی، پورا وقفۂ حیات، پوری صلاحیت، پورا شعور آپ کو صرف ایک Question کے ادراک کے لیے دیا گیا تھا۔ پیغمبر اسی ادراک کو اجاگر کرنے کے لیے آئے۔ اولیاء اللہ تعالیٰ نے اسی Top priority کی بات کی اور پھر بھی آپ نہیں جان سکے، تو اب آپ کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے۔ اسی لیے پروردگار براہ راست قبر کے سوال کا جواب دیتا ہے اور اگر آپ کہیں اور نہ کہیں تو خدا کہتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ میرے بندے نے جھوٹ کہا۔ Showing the other way or this way تو پوری زندگی میں سب سے بڑا نقصان اور المیہ یہ ہے کہ ہم Lesser Priority کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور Top Priority کو Lesser ترجیح دیتے ہیں۔ اگر ہم کمتر ترجیحات کو اہم ترین وقت دیں گے اور اہم ترین ترجیح کو کمتر وقت دیں گے تو پورا Life کا Pattern اضطراب اور بے چینی کا شکار رہے گا۔ جوں جوں ہم اس ترجیح کو Ignore کر رہے ہیں، جوں جوں ہم اس سے پیچھے ہٹ رہے ہیں ہم مزید اضطراب کا شکار ہو رہے ہیں۔

But the problem is very different now اب لوگ religious knowledge کو Vompatible نہیں سمجھتے۔ اتنی جرأتِ انکار ہے کہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے ہاں ماڈرن نظریات، ماڈرن Concepts میں اسلام کہیں فٹ نہیں ہوتا۔ ایسے لگتا ہے کہ اسلام اب علی بابا کے دور کا مذہب ہے اور خدا کا تصور بہت سارے لوگوں کے ذہنوں میں ایک ”لال ترکی ٹوپی“ والے خدا کا تصور ہے جس کا زمانہ گزر چکا۔ جو Five Star ہوٹلز کو Face نہیں کر سکتا۔ جو ایک ماڈرن الیکٹرانک Gadget کو Face نہیں کر سکتا۔ ان کا خیال یہ ہے کہ Medieval Ages تک خدا آیا، وہاں تک ہی رک گیا اور زمانہ اس نے اگلے انسان کے حوالے کر دیا۔ This concept is only born because of only one thing. کہ مذہب کی تمام تر ہدایات، Instructions، معلومات، تشریحات اور اس کی تمام تر وضاحتیں بارہویں اور پندرہویں صدی تک محدود ہیں۔ علم بہت آگے بڑھ گیا اور ہم آج بھی اسی وضاحت کے قیدی ہیں جو ہمیں امام فخر الدین رازی نے دیں، جو ابن حجر عسقلانی نے دیں، جو نووی نے دیں، یا جو امام آلوی زادہ نے دیں اور Even کہ ہمارے جو The most ماڈرن مفکر اور مفسرِ قرآن ہیں، جب وہ بھی قرآن کی وضاحت کرنے بیٹھتے ہیں تو ان کا اتنا One Sided علم ہوتا ہے، اتنا محدود علم ہوتا ہے کہ صرف ایک Subject پہ ان کی نظر ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ باقی علوم کی معرفت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھی مذہب کو یک طرفہ Presentation دیتے ہیں اور جب ان کے سامنے Genetic Engineering کا کوئی Question آ جائے گا، جب ان کے سامنے کوئی Latest modern physical theory کا سوال آ جائے گا۔ جب ان کے سامنے Relatitivity اور Quantam آ جائے گی تو وہ سرے سے ہی اس بات کا انکار کر دیں گے اور یا تو ان میں سے کوئی Rigidly ڈیفنس کریں گے، آیات کو موڑنے توڑنے کے بعد یا کہیں گے کہ Religion is a different thing and science is a different thing.

مگر میں پرانے علماء کی اور ماڈرن علماء کی ایک چھوٹی سی آیت کی وضاحت آپ کے اوپر چھوڑ دوں گا، صرف لفظی ترجمہ کے ساتھ اور پھر انصاف کیجیے گا کہ ہمیں کون سی وضاحت درکار ہے۔ قرآن حکیم میں ایک آیت ہے:

”والسمآءِ بنینھابایدٍ“ کہ ہم نے آسمانوں کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، اپنے زور وقوت سے بنایا، ”وانا لموسعون“(ذاریات:۴۷) اور ہم اسے وسیع تر کر رہے ہیں۔ لفظ وَسِعَ کو تمام Medieval Ages کے فلاسفرز نے دو طرح سے Translate کیا اور چونکہ لفظی ترجمہ ہے کہ ہم اسے وسیع تر کر رہے ہیں۔ مگر ترجمہ نگاروں نے،” وَسِعَ“ ”زور بازو میں لینا“ لکھا اور جو ہمارے پاس بارہویں چودھویں، پندرھویں اور اٹھارہویں صدی کی وضاحتیں پہنچیں، ان میں ان کی تمام تر بلاغت یہ کہتی ہے کہ ہم نے آسمانوں کو زور بازو سے بنایا اور، وَسِعَ، کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے اس میں وسعتِ رزق رکھی، اور جو مفسرین ان کے خلاف رائے رکھتے تھے انہوں نے کہا کہ وَسِعَ، سے مراد قوت اور زور ہے اور ہم نے آسمانوں میں زور وقوت اور طاقت رکھی۔

اب ایک ماڈرن فلاسفر، جو کہ Scientist اور Mathematician ہے اور جو بیسویں اور اکیسویں صدی کا سب سے بڑا سائنس دان سمجھا جاتا ہے، اس نے ایک بڑی لمبی تحقیق کی۔ نظریۂ اضافت پیش کیا اور ایک مختصر سی بات کہی کہ Universe is expanding بلکہ جب اس کو Explain کیا گیا تو وسعتِ کائنات کی اس Theory کو آئن سٹائن کے ساتھ منسوب کیا گیا اور جب اس کی برسی منائی گئی تو ایک امریکی اخبار The Times میں لکھا گیا کہ "Expanding universe of Ein Stein"۔ اب آپ دوبارہ اس آیت پر غور کریں اور بتائیں کہ کیا ہمیں آلوی زادہ کی وضاحت زیادہ اچھی لگے گی یا امام فلاں ابن فلاں کی وضاحت زیادہ سوٹ کرے گی یا قرآن کے لفظی ترجمہ کے مطابق ایک محقق اور Discoverer کی وضاحت زیادہ سوٹ کرے گی۔

ایک طرف خدا کا سادہ لفظ ہو ” انا لموسعون “ اور دوسری طرف آئن سٹائن آپ کو یہ کہے کہ The universe is expanding تو آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ہم جو آج کے لوگ ہیں جنہیں ایک Competitive philosophy of science سے گزر رہا ہے، وہ کس بات پر یقین کریں گے۔

اگر میں اس کی تاویل کروں پرانے زمانے کی طرح اور میں آپ سے یہ کہوں کہ اس سے مراد کشائشِ رزق ہے، تو میری کون سنے گا اور اس زمانے میں میری یہ وضاحت کتنی Uncompatible ہوگی۔ مگر اگر میں اپنے موجودہ زمانے کے حصول علم سے، اور معاشرت سے، اپنے نظریات سے، اور اپنی جدوجہد سے اور اپنے نظریاتی تصادم سے پیدا ہونے والی وضاحت کروں گا تو یہ قرآن کے کتنی Co-herent ہوگی۔

”ولقد کرمنا بنی ادم“ (بنی اسرائیل:۷۰) اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے لیے کرامت مخصوص نہیں کی بلکہ بنی آدم کو کرامت بخشی ہے علمی، ذہنی..... ”یؤتی الحکمة من یشآء ومن یؤت الحکمة

فقد اوتی خیراً کثیراط وما یذکر الا اولوا الالباب“(البقرۃ:۲۶۹) ہم نے جسے حکمت عطا کر دی اسے خیر کثیر عطا کر دی۔ مگر اہل ذکر کے سوا، اہل فکر کے سوا ہمیں کون یاد کرتا ہے۔ اور حکمت Execution of knowledge ہے۔

تمام تر حکمت Experties ہے، تمام حکمت Sciences ہے۔ اگر ایک قوم نے، ایک قسم کے لوگوں نے، اس پر زیادہ ریسرچ کی، محنت کی، تو یہ ان کی اپنی کوشش نہیں ہوتی۔ یہ خدا کی دین ہوتی ہے۔ اگر نیوٹن آٹھ سال تک ایک

ہی مسئلے پر غور کرتا رہا، اس کو جواب اپنی Effort سے نہیں آیا بلکہ اس انکشاف باری سے ہوا، اس الہام سے ہوا جو پروردگار نے ایک سیب کی صورت میں اس کی محنت کے صلے میں دیا۔ الیگزینڈر فلیمنگ بارہ سال تک ایک کلچر پر تحقیق کرتا رہا۔ اس کو اس کلچر سے کچھ نہیں ملا۔ مگر جب خدا نے اس کو اس کی محنت کا صلہ دینا تھا تو ایک ڈبل روٹی کے ٹکڑے پر وہ Fungus پیدا کر دیا جس سے Penicilline ایجاد ہو گئی۔ تمام سائنسز اسی طرح محنت اور بہت زیادہ غور و خوض کے بعد، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی محنت کے ثمر کے طور پر اس مقام تک پہنچی ہیں۔

آج ہم بھی اگر محنت کریں گے تو مجھے پورا پورا یقین ہے کہ اگر لوگ اللہ پر یقین رکھ کر تجسس اور محنت کریں گے تو اللہ ضرور اس کا ثمر دے گا کیونکہ خداوند کریم نے اپنے بندوں کی صرف دو پہچان رکھی ہیں:

”الذین یذکرون اللہ قیما وقعوداً وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموات والارض“ (العمران:۱۹۱)

(وہ جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں۔)

اور اللہ کے نزدیک علم کتنا قیمتی ہے، شعوری صلاحیتیں کتنی قیمتی ہیں کہ اس نے فضیلت کے تمام درجات علم پر رکھے ہیں:

”نرفع درجت من نشآءُ“ (کہ جس کے چاہتے ہیں ہم درجے بلند کرتے ہیں۔)

”وفوق کل ذی علم علیم“ (یوسف:۷۶) (اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔) اس کے برعکس جاہلانہ تعصب اور تقلید کو وہ کتنی بری طرح Hate کرتا ہے کہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ بہرے اور گونگے ہیں جو نہ بات سنتے ہیں، نہ بات سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اندھا دھند تقلید میں پڑے ہوئے ہیں اور ”لا یعقلون“ (ہماری دی ہوئی نعمتِ عقل کو استعمال نہیں کرتے۔) اسی طرح پروردگار عالم نے اہلِ کفر کو قرآن میں مسلسل طعنہ دیا کہ اے اہلِ کفر! تم آباؤاجداد کی تقلید پر ہو۔ تم میں اگر عقل و شعور ہوتا، سوچنے سمجھنے والے ہوتے تو ہماری آیات پر غور کرتے اور یقیناً ہمیں مان لیتے۔

یہ خدا کوئی Intellectual لگتا ہے، جو آپ کو Excite کرتا ہے کہ عقل و شعور کیوں نہیں استعمال کرتے؟ دانش کیوں نہیں استعمال کرتے؟ کیوں تم اندھا دھند تقلید کرتے ہو؟ کیوں تم آباؤاجداد سے ملی ہوئی ایک چیز پر قائم ہو؟ Why don't you think? Again and again he keeps on forcing the people to think...... اور پروردگار جو طعنہ اہلِ کفر کو دے رہے ہیں کہ یہ آباؤاجداد کی تقلید کر رہے ہیں۔ سوچتے سمجھتے نہیں ہیں۔ آیاتِ الٰہی پر غور نہیں کرتے۔ اگر یہ غور و خوض کرتے تو یہ ضرور بتوں کی پرستش کو ترک کر دیتے۔ یہ ضرور مجھے پہچان لیتے۔ اب خدا ناانصاف تو ہو نہیں سکتا۔ تو اے اہلِ اسلام! ذرا غور تو کریں کہ اگر آپ بھی اندھا دھند تقلید پر قائم ہیں۔ اگر آپ بھی آباؤاجداد سے آئے ہوئے روایتی مذہب کو لیے بیٹھے ہیں، اور کوئی غور و فکر کی صلاحیت اس کو عطا نہیں کر رہے، اور سوچ سمجھ کے، اللہ اور اس کی قوت و کارکردگی اور آیاتِ الٰہی پر غور و فکر کر کے آپ Convince نہیں ہیں، اور اندھا دھند

Faith کے مالک ہیں جو بت پرستی کے مترادف ہے، تو آخر اگر میں غور وفکر سے مسلمان نہیں ہوں تو ہندو کو کیا طعنہ دوں گا کہ وہ کیوں کر غور وفکر سے مسلمان ہو سکے۔ اگر میں ہی اسے صلاحیتِ فکر کی دعوت نہیں دے رہا، میں خود ہی اگر غور وفکر کی طرف مائل نہیں تو میں اسے کیا دلیل دوں گا۔ میں اس کو کس چیز کے لیے غور وفکر پہ مائل کروں گا۔ میں خود ہی اندھا دھند اعتقاد پر قائم ہوں، وہ بھی اندھا دھند اعتقاد پر قائم ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسی Reason نہیں رہ جاتی جس سے ہم کسی اور کو Convince کر سکیں۔ اس کے برعکس پروردگارِ عالم فرماتے ہیں:

"لیھلک من ھلک عنۢ بینۃ ویحیٰ من حی عنۢ بینۃ" (الانفال:۴۲)

(جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا اور جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا۔)

حضراتِ محترم! دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ فکری زمانے میں، اس Aggitated Mind کے زمانے میں، انتہا درجے کے So called progressive زمانے میں ایسا کوئی سوال ہے، جس کا جواب قرآن نہیں دے سکتا۔ کوئی ایسا سوال ہے، جو مذہب کے اعلیٰ فکری تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ کوئی ایسا تصادم ہے اس موجودہ ہمارے مذہب میں، جس کو ہم ایک اعلیٰ ترین Mental level کا Subject کہتے ہیں جو Beyond general kens ہے، جس کا صرف ایک واحد مقصد ہے۔ اگر زمین پر رہنے والے اپنے دینوی مقاصد سے اتنی عقل حاصل کر سکتے ہیں ...... یہ اصولِ عقل وعلم ہے کہ تمام Energy of intellect, purpose کو جاتی ہے۔ اگر ایک شخص کا Purpose ہی دنیا ہے تو اس کی تمام Capacity of intellect دنیا کو جائے گی۔ اگر ایک شخص کا مال کمانا ہی مقصد ہے تو اس کی تمام Capacity مال کے لیے ہوگی۔ اگر اس کا مقصد محبت ہے تو تمام Intellectual Capacity اس خاتون کو چلی جائے گی یا اس مرد کو چلی جائے گی جس سے انہیں انس ہے۔ اگر ان کا مقصد Status ہے تو تمام Physical اور Mental Abilities ادھر Converge کر جائیں گی۔ مگر اگر کوئی شخص ان چیزوں سے بالا ہوتا ہے اور خدا کو طلب کرتا ہے تو Obviously اسے بھی اپنے Mental اور Intellectual Level کو بڑھانا ہوگا۔ اسے بھی ان دینوی مقاصد سے آگے نکلنا ہوگا۔ اس کا دماغ بھی رفعت کا طالب ہوگا۔ اس کے ذہن میں بھی زیادہ وسعت وادراک آئے گا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک Muslim Intellectual کسی غیر مسلم Intellectual Calibre سے، Low ہو جائے۔ ضرور کوئی مصیبت آگئی اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے حضراتِ محترم! کہ ہم لوگ، جو صبح وشام در ودیوار کالے پیلے کرتے ہیں، اخباروں کے صفحات کالے پیلے کرتے ہیں: اسلام بہترین نظامِ حیات، اسلام بہترین نظامِ عدل، اسلام بہترین نظامِ آداب، اسلام بہترین نظامِ کلچر، اسلام بہترین نظامِ حکومت...... یہ سارے کا سارا اسلام مل کر ایک بندہ، خدا پیدا کرنے میں معذور ہے۔ Just one man of God is not available آپ میں سے کوئی ہے کہ جسے خدا کا بندہ ملے اور وہ اسے نہ مانے۔ کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ پورے معاشرے میں، پورے Islamic World میں ایک ایسا بندہ، ایک ایسا مردِ خدا، ایک ایسا رجالِ اسلام نہیں ہے جس پر اہلِ اسلام کی Opinion Converge کرے۔

یہ کوئی نیا بحران نہیں ہے، کوئی نئی اذیت نہیں ہے۔ اسلام پر ہر زمانے میں اس قسم کی Intellectual اذیتیں آتی رہی ہیں۔ ایسے بحران آتے رہے مگر کہیں حجۃ الاسلام محمد بن احمد الغزالیؒ پیدا ہو گئے۔ کہیں بغداد میں حضرت سیدنا شیخ

عبدالقادر جیلانیؒ پیدا ہو گئے ۔ کہیں برصغیر ہندوپاک میں سیدنا علی بن عثمان ہجویریؒ پیدا ہو گئے ۔ کہیں خواجہ معین الدینؒ آ گئے ۔ ہر زمانے میں بحران ہوا ۔ ہر زمانے میں کوئی مردِ خدا پیدا ہو گیا ۔ مگر اس زمانے کے بحران کو آپ کیا کہیں گے؟ اس زمانے کے بحران کو...... کہ پورے کا پورا اسلام کا، Edifice پورے کا پورا اسلامی نظام اور System, کیڑے مکوڑوں کی طرح چھوٹی چھوٹی کلاسوں سے بھرا ہوا ہے ۔ بے شمار چھوٹے چھوٹے فکری مجتہد پیدا ہو گئے ہیں ۔ Small sectarius groups, every where you go and find small pre-groups and groups. مگر ان تمام Groups پر مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے ۔ میں تو سب کو صحیح ماننے کے لیے تیار ہوں مگر حضراتِ محترم! ان Groups سے یہ تو آپ پوچھیں کہ ہم کوئی دس لاکھ گروپ میں اگر جمع ہوں، کسی اہل حدیث میں، یا بریلوی میں یا دیوبند میں، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے ۔ میں دس لاکھ سے تو جواب نہیں مانگوں گا ۔ مگر جب میں خدا کی شناخت طلب کروں، پروردگار کے قریب ہونا چاہوں ۔ میں ان سے یہ تو Request کر سکتا ہوں کہ اگر تم Pyramid کی طرح ہو، اہرامِ مصر کی طرح ہو تو Top پر تو کوئی خدا شناس بیٹھا ہوا ہو گا ۔ اگر تم نیچے مجھے خدا شناسی نہیں دکھا سکتے ۔ دس لاکھ میں نہ سہی، پانچ لاکھ میں سہی ۔ پانچ میں نہیں ایک لاکھ میں سہی ۔ ایک لاکھ میں نہیں تو ہزار میں سہی ۔ اگر ہزار میں بھی خدا شناسی نہیں تو اے خدا کے بندو! As posed, you are specialist in God. All these organizations present themselves to be specialists in God. تو اے سپیشلسٹو! تمہارے اندر کوئی ایک تو ایسا شخص ہونا چاہیے کہ جسے دیکھ کر مجھے خدا یاد آ جائے کہ جس سے میں خدا کا رستہ پا سکوں، جو کم از کم میرے شعور کو اتنی جلا بخشے کہ میں خدا کی محبت کو سمیٹتا ہوا اس کے راستے پر گامزن ہو سکوں ۔ But the methodist religion تمام تر Method نے ہم سے وہ تفکر چھین لیا جو خدا اور رسول کے بارے میں بے پناہ ضروری تھا ۔ وہ ترجیح اول جو اللہ کو جانی تھی، اللہ کو جانے کی بجائے سکول آف تھاٹ کو چلی گئی ۔ دیواریں Important ہو گئیں، سکول Important ہو گئے ۔ خدا Unimportant ہو گیا ۔ اب بھی مذہب کے اوپر خدا Nominal Head کی طرح ہے ۔ اصلی Head کی طرح نہیں ہے ۔ ایک Functional Head نہیں ہے ۔ لوگ اللہ کو بڑھنے کی آرزو نہیں رکھتے کسی سکول آف تھاٹ میں ۔

اور مذہب میں حضراتِ محترم! آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر محمد رسول ﷺ تک بہت Changes آ گئیں ۔ بہت ساری حدود میں تبدیلی ہے، بہت سارے Constitutions اُلٹے پلٹے گئے ۔ آدم کے زمانے میں اور ۔ شیث کے زمانے میں اور ۔ نوح کے زمانے میں اور ۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اور ۔ شریعتِ موسوی اور ۔ شریعتِ عیسوی اور ۔ تا آنکہ شریعتِ محمدیہ میں قانون کو مکمل کیا گیا ۔ مگر جب یہ شریعتیں Different تھیں تو شریعت مقصد نہیں تھی ۔ آدم سے لے کر محمد رسول اللہ تک مذہب کا ایک مقصد مسلسل، متواتر، مشہور رہا اور وہ تھا اللہ کا حصول، رضائے خداوند، سعادتِ قربِ خداوند، یہ ہمیشہ، ہر زمانے میں تھا ۔ جب کسی دل میں تڑپ، آرزو اور طلب پیدا ہوئی، جب کسی دل نے خداوند کریم کی قربت کی ہوس کی، جب انسان رنج و غم اور ابتلا میں آیا، جب اس کے دل نے کسی دوست کی آرزو کی، کسی مربی اور مشفق کی آرزو کی، جب اس نے خدا کو ڈھونڈنا چاہا تو اسے صرف ایک رستہ ملتا تھا اور وہ مذہب کا رستہ تھا، وہ دین کا رستہ تھا ۔ اس لیے آج بھی دین کا صرف ایک Primary مقصد ہے ۔ صرف ایک اور وہ اللہ

ہے۔ جب ایک مسلمان خدا سے ملنے کی آرزو نہ کرے گا، جب ایک مسلمان کے دل میں خدا کی محبت اور آرزو پیدا نہ ہوگی:

"ومن اراد الاخرة وسعی لها سعیها وهو مؤمن" (بنی اسرائیل:۱۹)
(اور جو آخرت چاہے اور اس کے لیے کوشش کرے اور ہو ایمان والا۔)

اگر اللہ ہی کا آپ نے ارادہ نہ کیا تو تمام مذہب شریعت ہے اور جس شریعت میں خدا کی آرزو مل جائے، خدا کی شناخت اور طلب مل جائے وہ طریقت ہے۔ دراصل طریقت شریعت کی نیت ہے۔ یہ کوئی دو الگ رستے نہیں ہیں۔ اگر آپ Method تک محدود ہیں تو آپ مسلم ہیں۔ اگر آپ نیت بھی طلب کر رہے ہیں تو آپ مومن ہیں۔ اسی لیے اللہ نے قرآن میں کہا کہ اے پیغمبر! اعراب پر زیادہ بھروسہ نہ کر! یہ اسلام میں تو داخل ہیں مگر مومن نہیں ہیں۔ مسلم کی حدیث ہے:

حضور ﷺ مالِ غنیمت بانٹ رہے تھے اور ایک صحابی کو حضور ﷺ نے کم دیا تو حضرت سعد بن وقاص نے کہا "یارسول اللہ ﷺ! میں گمان کرتا ہوں کہ یہ مومن ہے"۔ فرمایا "اے سعد! بلکہ مسلم ہے"۔ فرمایا سعد نے "یارسول اللہ! یہ مومن ہے"۔ فرمایا "اے سعد! یہ مسلم ہے"۔ تو جب تیسری مرتبہ سعد نے Insist کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مومن ہے تو فرمایا "اے سعد! تو مجھ سے اس بات پر لڑتا ہے جو میں تجھ سے بہتر جانتا ہوں بلکہ یہ تو مسلم ہے۔"

یہ صرف شریعت اور طریقت کا فرق ہے۔ جس شخص نے اپنے دل میں مذہب کو اس لیے چنا، اس لیے اختیار کیا، کہ وہ خدا تک پہنچے، اس کی قربت کا حصول کرے اور اس کے لیے احساس طلب کرے اور خدا اس کو جوابی Reponse دے۔ وہ تو یقیناً اپنے اللہ کو ضرور پائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ نظر نہیں آتا مگر ہوا بھی نظر نہیں آتی۔ تیز چلے تو اسے بادِ صرصر کہا جائے! آہستہ ہو تو بادِ نسیم! صبح چلے تو صبا ہے! صحرا میں چلے تو سموم ہے۔ کون سا ایسا طریقہ ہے ہوا کا، جو آپ کو محسوس نہیں ہوتا، اگرچہ نظر نہیں آتی۔ نظر آنے یا نہ آنے سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ Anti Proton بھی نظر نہیں آتا مگر اپنے Function سے پہچانا جاتا ہے۔ Anti Matter نظر نہیں آتا مگر اپنے Affect سے Visible ہے۔ ہزاروں، دنیائے سائنس میں ایسی چیزیں ہیں جو آج تک Visible نہ ہو سکیں کہ آلات اتنے باریک نہیں ہوئے کہ ان کو دیکھ سکیں مگر اپنے Function سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ تو جب پروردگار ہمارے اندر Function کرے گا، ہماری طلب اور آرزو کے مطابق، تو وہ ہمیں ضرور محسوس ہوگا۔ وہ ضرور ہمیں اپنے رگِ حیات میں اترتا ہوا محسوس ہوگا۔ اس نے مذاق تو نہیں کیا۔

"ونحن اقرب الیه من حبل الورید" (ق:۱۶)
(اور ہم رگِ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔)

وہ تو سچا ہے۔ وہ تو کہتا ہے کہ تم ایک قدم چلو، میں دس قدم آؤں گا، تم تیز چلو میں بھاگتا ہوا آتا ہوں۔ اب اس کا بھاگنا تو محسوس ہوگا۔ میں تو شاید اس قابل نہ ہو سکوں کہ مجھے تو میری اپنی یاد بھی محسوس نہیں ہوتی۔ میرا اپنا کمتر رجحان ہے۔ مگر خدا تو Perfect ہے۔ جب وہ آپ کی طرف بڑھے گا تو وہ ضرور آپ کو محسوس ہوگا۔ مگر محسوس کیسے ہوگا؟ بدقسمتی سے جہاں ایک طرف Academics کی فضا میں بڑی غلط فہمیاں ہیں۔ دوسری طرف تصوف کی فضا میں بھی بڑی غلط

فہمیاں ہیں۔ لوگ انوار کے چکروں میں پڑے ہیں۔ لوگ Miracles طلب کرتے ہیں۔ تمام Mysticism intoxicant power سے بھرا پڑا ہے۔ ہر توجہ، ہر انکشاف کے پیچھے کوئی نہ کوئی انسانی آرزو اور ہوس ہے اور کوئی چلہ اور وظیفہ ایسا نہیں ہے کہ جس کے پیچھے دس پندرہ پائیدار اور غیر پائیدار مؤکل نہ کھڑے ہوں اور تمام اصحابِ تصوف خدا کے بجائے مؤکلات کے چکر میں ہیں۔ مگر ایک صلہ تو پروردگار نے بھی رکھا ہے۔ اس صلے میں کوئی طاقت نہیں، اس صلے میں کوئی Promise نہیں کہ وہ آپ کو اٹھا کر کوچ ثریا تک پہنچا دے گا۔ سورہ واقعہ لوگ آج بھی پڑھتے ہیں مگر وہ اس کا مقصد شاید نہیں جانتے، سورہ واقعہ اس لیے ہے کہ رات آپ بھوکے نہ سوئیں۔ سورہ واقعہ اس لیے تو نہیں ہے کہ آپ کا پیٹ بھرا ہوا ہے اور آپ نوٹ طلب کر رہے ہیں۔ یہ مال و اسباب کی ہوس کے لیے تو نہیں ہے۔ تو اسی طرح پروردگار نے ایک علامت رکھی کہ جو میری طرف متوجہ ہوگا۔ جو میری طرف بڑھے گا، ایک صلہ میں اس کو ضرور دوں گا۔ "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" (یونس:۶۲) کہ یقین جانو، سن لو، خبردار! کہ میں اپنے دوستوں پر Fears اور Frustration نہیں رہنے دیتا۔ خوف اور حزن نہیں رہنے دوں گا۔ ذرا سوچئے تو سہی کہ There are two words which explain the modern world. آپ جہاں بھی چلے جائیں تختۂ دنیا پر، انہی دو لفظوں کی حکومت ہے: Fears and frustration اور پروردگار آپ کو کیا Promise کر رہا ہے کہ اے میرے اچھے بندو! میرے دوستو! جو تم میری طرف آؤ گے I promise you two things: freedom from fears, freedom from frustration یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ سچے دل سے اس کی طرف بڑھیں اور آپ کی یہ دو کیفیات کم نہ ہوں۔

حضراتِ محترم! میں بنیادی طور پر اسی ترجیحِ اول کی بات کرتا ہوں۔ جب ذہنی طور پر آپ پروردگار کو ترجیحِ اول سمجھ لیتے ہیں تو پھر ایک دوسرا سادہ سا سوال رہ جاتا ہے کہ کیسے اس کے قریب جائیں؟ تو حضراتِ محترم! پروردگار نے کہا کہ "اتل ما اوحی الیک من الکتاب" (کتاب کی تلاوت کرو)۔ "واقم الصلوة" (نماز قائم کرو)۔ "ان الصلوة تنھی عن الفحشآءِ والمنکر" (یہ تمہیں فحش اور منکر سے روک دے گی)۔ "ولذکر اللہ اکبر" (عنکبوت:۴۵) (اور ہماری یاد تو بہت بڑی بات ہے۔) بہت بڑی بات۔ جو قرآن حکیم بھی پڑھے، جو نماز بھی پڑھے۔ دونوں انتہائی اچھے کام ہیں۔ مگر اس کے باوجود پروردگار یہ کہہ رہے ہیں کہ "ولذکر اللہ اکبر" وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ تسبیح اور وظائف تو نماز کا بھی حصہ ہیں، اور اللہ نے قرآن میں کہا کہ نماز بھی میرے ذکر کے لیے قائم کرو۔ قرآن کے بارے میں بھی کہا کہ "نحن نزلنا الذکر" (ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا۔) قرآن بھی ذکر، نماز بھی ذکر، پھر بھی پروردگار Assert کر رہے ہیں کہ "ان الصلوة تنھی عن الفحشآءِ والمنکر ولذکر اللہ اکبر" کہ باوجود نماز کے قیام کے، باوجود تلاوتِ قرآن پاک کے، باوجود قیامِ نماز کے "ولذکر اللہ اکبر" (مگر ہمارا ذکر تو بڑی بات ہے۔) تو ہمارے پوچھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ذکر میں ایسی کیا بات ہے کہ تُو اس کو بڑا سمجھتا ہے۔ ایسی کیا بات ہے۔ تو فرمایا "فاذکروا اللہ قیماً وقعوداً وعلی جنوبکم" (کھڑے، بیٹھے، کروٹوں کے بل جیسے چاہو میرا ذکر کرو۔)

یہ وہ ذکر ہے جو کسی Pattern کا قیدی نہیں ہے بلکہ خداوند کریم یہ چاہتا ہے کہ مجھے ایسے یاد کرو جیسے "یونس بن

متیٰ" نے مچھلی کے پیٹ میں یاد کیا کہ نہ کوئی وضو کے Circumstances ہیں، نہ کوئی صفائی ہے، نہ لباس ہے، بدن بھی گل چکا ہے، انتہائی ظلمات کا عالم ہے، جسے خدا نے خود ظلمات کہا ہے، اور وہاں سے صرف آواز آ رہی ہے نبی کی، کہ

"لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین" (انبیاء:۸۷)

اگر آپ ترجمہ دیکھیں تو بڑی سادہ سی بات ہے You are Lord, almighty, you are right, I am worng. اگر آپ اس کا Practical ترجمہ دیکھیں تو بڑی سادہ سی بات ہے۔ پروردگار تو سچا ہے۔ تو صحیح ہے۔ میں غلط ہوں۔ I am sorry اتنا چھوٹا سا اعتراف---تو پروردگار کہتا ہے کہ "ونجینٰہ من الغم" (انبیاء:۸۸) (میں نے یونس کو غم سے نجات دی۔) یہیں ختم نہیں کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ جو بھی یہ سیدھا سادا سا اعتراف کر لے گا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، لیکن کرے گا دل سے۔ تو یہیں یونس پر میں نے بات ختم نہیں کی: "کذلک ننجی المؤمنین" (ایسے ہی ہر مومن کو نجات دوں گا۔) ہر مومن کو بخشش دوں گا۔ پھر پروردگار نے کہا کہ دیکھو! میں تمہیں چھوٹی موٹی بڑی مشقتوں میں ڈالوں گا لیکن یہ مشقتیں تمہاری Approach Test کرنے کے لیے ہوں گی۔

"ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقص من الاموالِ والانفسِ والثمراتِ"
(البقرہ:۱۵۵)

ہزار قسمیں ہیں خوف کی۔ تھوڑا سا تم پر خوف آئے گا Survival, زندگی، Future۔ آرزوؤں کے ٹوٹنے، اسباب کے چھن جانے کا۔ شیطان تمہیں ڈرائے گا افلاس کے ساتھ:

"انما یامرکم بالسوءِ والفحشآءِ وان تقولو علی اللہ مالا تعلمون" (البقرۃ:۱۶۹)
(وہ تو تمہیں بدی اور برائی کا ہی حکم دے گا اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو جس کی تمہیں خبر نہیں۔)

دیکھنا یہ بھی ہلکی سی آزمائش ہوگی۔ کل کیا کھائیں گے، پرسوں کیا کھائیں گے۔ کل کے لیے کچھ بچا نہیں ہے۔ پرسوں تو بہت دور ہے اس کے لیے تو بالکل کچھ نہیں بچے گا۔ تو بہت سارے تم پر خوف آئیں گے۔

حضرت عیسیٰ" کے ساتھ حضرت یوحنا چل رہے تھے، تو حضرت یوحنا کو حضرت نے دیکھا اور کہا۔ اے یوحنا! "یہ تیری پوٹلی میں کیا ہے" فرمایا "نبی اللہ! دو روٹیاں ہیں"۔ فرمایا یوحنا! "یہ دو کس لیے ہیں؟" فرمایا "ایک آج کے لیے اور ایک کل کے لیے ہے۔" تو حضرت عیسیٰ" نے فرمایا کہ اے یوحنا! تو نے ہمیں توکل میں پرندوں سے بھی گرا دیا ہے۔ کبھی کسی پرندے کے گھونسلے میں بھی دو وقت کا کھانا دیکھا ہے، ایک روٹی سمندر میں پھینک دے۔ یہ مچھلیوں کی خوراک بنے گی اور دوسری روٹی آدھی آدھی رکھ---یہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ بھوک سے نہیں ڈرتے تھے۔

ہمارے پیغمبر نے ہم پر بہت احسان فرمائے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ کبھی کبھی ایک سال کے لیے بھی غلہ ڈال لیا کرتے تھے۔ لیکن رہتا شاید دو دن بھی نہ تھا کیونکہ حفاظت تو کر چھوڑتے تھے لیکن اس خیراتِ مجسم کو کون روکتا، ان صدقاتِ جاریہ کو کون روکتا۔ ایک مرتبہ کچھ مہمان آئے تو گھر سے روٹی کا پتہ کروایا۔ پتہ چلا کہ صرف دو انگل روٹی کا ٹکڑا گھر میں موجود ہے۔ تو نبی پاک ﷺ نے اس ٹکڑے کو اپنی دو انگلیوں میں پکڑ لیا اور محدث کہتے ہیں کہ اس پر اللہ کے رسول نے پڑھا، جو پڑھا، تو چار سو مہمانوں نے اس میں سے کھایا۔ جب وہ کھا چکے تو پھر

حضور ﷺ نے اس میں سے کھایا۔

ایک بڑی خوبصورت حدیث حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ میرا دو تین دن کا کھانے سے ناغہ تھا اور میرا بڑا بُرا حال ہو رہا تھا۔ تو بھوک میں سُکر غالب آ جاتا ہے۔ میں گرتا پڑتا چلا، تو رستے میں باقی اصحاب نے مذاق کیا کہ آج ابوہریرہ شاید پی آئے ہیں کہ قدم نشے میں ڈگمگا رہے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کوئی تو ایسا اللہ کا بندہ ملے جو مجھ سے پوچھ لے کہ اے ابوہریرہ کھانا تو نہیں کھانا؟ کہنے لگے کہ مجھے حضرت عمرؓ نظر آئے تو میں بڑی توقع سے ان کی طرف بڑھا کہ شاید وہ پوچھ لیں، اے ابوہریرہ کھانا تو نہیں کھانا مگر حضرت عمر فاروقؓ نے دم سادھے رکھا۔ شاید ان پر بھی وہی حال گزر رہا ہو تو فرمایا۔ ابوہریرہ تمہیں حضور ﷺ یاد فرما رہے ہیں۔ تو میں آگے بڑھا اور مجھے حضرت ابوبکر صدیقؓ نظر آئے تو میں نے سوچا، یہ بڑے نرم دل ہیں۔ یہ ضرور پوچھیں گے کہ ابوہریرہ کھانا تو نہیں کھانا۔ جب میں ان کے پاس سے گزرا تو بڑی رکھائی سے بولے کہ اچھا اچھا حضور کے پاس جا رہے ہو نا! چلو! میں بھی آ رہا ہوں۔ میں گرتا پڑتا حضور ﷺ کے حضور میں پہنچا۔ جب رخِ انور پر میری نظر پڑی تو پوچھا۔ ابوہریرہ کیا بڑے زوروں کی بھوک لگی ہے۔ بہت بُرا حال ہے کیا؟ تو مجھے معلوم ہوا کہ حضور نے میرے خطرہ قلب پر آگاہی پالی ہے۔ میں جا کر بیٹھ رہا تو حضور کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا کھانے کو کہ اتنے میں ایک اعرابی دودھ کا ایک پیالہ لایا تو میں نے سوچا کہ حضور بیٹھے ہیں اور ان کو میرے عالم کی بھی خبر ہے تو وہ چھوٹتے ہی کہیں گے، ابوہریرہ پی اس میں سے جتنا پیا ہے پی لے۔ میں ابھی پر تول ہی رہا تھا کہ چار مہمان آ گئے اور جب وہ چار مہمان آ گئے تو میرا دل بیٹھ گیا۔ میں نے کہا ''ابوہریرہ تو پھر گیا'' تو حضور ﷺ نے اس پیالے پر ہاتھ رکھا اور پڑھا جو آپ ﷺ پڑھتے تھے۔ پھر اللہ نے اس میں برکت دی۔ پھر مہمانوں کو ایک ایک کر کے دعوت دی۔ پھر ان سب نے اس میں سے پیا۔ پھر میری طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا ابوہریرہ! اب تم آؤ اور پیو، تو میں نے اس میں سے اتنا پیا کہ میری سیرابی میرے ناخنوں تک پہنچ گئی۔ پھر جب میں بس کر چکا تو حضور نے وہ پیالہ لیا اور خود پیا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ وہ ہم سے بھی زیادہ بھوکے تھے۔

اس قسم کے توکل کی ہم بات تو کر سکتے ہیں، مگر ہم میں کم از کم احساسِ توکل تو ہو۔ اگر ہم ان کو Copy نہیں سکتے تو کم از کم یہ آرزو تو ہو کہ کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی امر میں ہم تھوڑا سا توکل کے قابل ہو جائیں، ایک ہزار فیصد کم سہی۔ ایک دن کے توکل کے قابل تو ہو جائیں۔

اسی لیے پروردگار نے کہا کہ میں تمہیں نقصان سے آزماؤں گا۔ بدقسمتی سے یہاں پچھلے پانچ برسوں میں جس کے بھی مال کا نقصان ہوتا ہے، وہ میرے پاس جب آتا ہے تو کہتا ہے کہ کسی نے جادو تو نہیں کیا ہوا۔ کسی نے سحر و تعویذ تو نہیں کیا ہوا اور جب میں کہتا ہوں کہ اللہ کی مرضی ہی یہی تھی تو کہتا ہے کہ نہیں جی! مجھے پکا پتہ ملا ہے۔ کسی نے مجھ پر سحر کیا ہوا ہے۔ اگر لوگوں کے نفع اور نقصان کے مالک ''لوگ'' ہو گئے تو میرا خیال ہے کہ پروردگار کو آسمان چھوڑ جانا چاہیے۔ پیچھے تو اس کا کوئی کام ہی نہیں ہے۔ ہماری تو توقع ہی اس سے اس لیے ہے کہ ''واللہ یقبض ویبصط'' (بقرہ:۲۴۵) (کہ جس کے چاہتا ہے قبض کرتا ہے جس کے چاہتا ہے کھول دیتا ہے۔) اگر اس کے بجائے لوگ ہی ہمارے مرجع و ماویٰ ہو گئے تو پھر ہمیں خدا کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

''ولنبلونکم بشیءِ من الخوف والجوع ونقص من الاموال''

کسی کا بیٹا لیا، کسی کی ماں لی، کسی کی بہن لی، اور صرف اتنی سی بات ہے کہ جب ہم تمہیں مصیبت میں آزمائیں گے۔ ''اذآبتھم مصیبة'' تو اتنی سی بات ضرور کہنا، جیسے پہلے لوگوں نے کہا: ''قالوانا لله وانا الیه راجعون'' (بقرہ: ۱۵۶) اب اگر بدقسمتی سے کسی کا بچہ بیمار ہو جائے۔ وہ مجھے کہے کہ دعا کریں، میں آگے سے کہوں کہ ''انا لله وانا الیه راجعون'' وہ آگے سے تلخ ہو کے کہتا ہے کہ صاحب! ابھی مرا تو نہیں! اور سچ پوچھیں تو یہ لفظ موت پر تو لگتا ہی نہیں ہے۔ اگر غور کریں تو موت ایک ایسے مقام کا سفر ہے جس سے پلٹنا ہی نہیں ہے تو یہ آیت تو یہ کہتی ہے کہ اس میں سے کچھ نہ کچھ پلٹنا ضرور ہے۔ ایک چیز جو اللہ کی طرف سے آئی ہے اور ادھر ہی پلٹ جائے گی۔ مصیبت میں، رنج میں، کلفت میں، بھوک میں، افلاس میں، دکھ میں، درد میں، ابتلاء میں، جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ''انا لله وانا الیه راجعون'' تو خداوند کریم کا خیال یہ ہے کہ وہ بڑا عقلمند انسان ہوتا ہے اور اتنا عقلمند ہے کہ ''اولٰئک علیھم صلوٰت من ربھم'' کہ اس پر اللہ کی طرف سے درود و سلام ''ورحمة'' (اور اللہ کی رحمت) ''واولٰئک ھم المھتدون'' (بقرہ: ۱۵۷) اور یہ اللہ کے اصل Intellectual ہیں۔ اصل ذہین آدمی ہیں۔ The first grade educated men in the sciences of God

حضرات محترم! تصوف دراصل ان Mental Approaches کا نام ہے۔ جب ہم Method سے Means کو جاتے ہیں۔ جب ہم شریعت سے نیت کو جاتے ہیں۔ اسی لیے حضرت ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری نے کہا کہ میں سارے اقوالِ رسول نقل کر رہا ہوں۔ حدیث کے بارے میں کہا کہ اے گروہِ اسلام! میں احادیث کے بارے میں لکھ رہا ہوں۔ یہ ساری احادیث تمہیں اس وقت تک مدد نہ دیں گی جب تک تم پہلی حدیث پر عمل نہ کرو اور جو پہلی حدیث ہے وہ مشہور و متواتر و حسن و صحیح ہے، اگرچہ مرسل و مرفوع ہے۔ ایک سلسلہ منقطع ہے مگر اتنی مشہور و متواتر ہے کہ اس ایک حدیث پر دارومدار ہے ساری کی ساری احادیث کی Understanding کا۔ ''انما الاعمال بالنیات'' کہ جب تک تمہارے اعمال کے پیچھے نیاتِ رسول کی کاپی نہ ہو۔ جب تک یہ سمجھنے کی کوشش نہ کرو گے کہ نبی پاک ﷺ کے افعال کے پیچھے وہ فکری محاکمہ کیا تھا؟ وہ سوچ کیا تھی؟ اگر حضور ﷺ کے پاس ہر وقت مسواک رہتی تھی، ہر وقت منہ صاف رکھتے تھے تو دیکھنا یہ ہوگا کہ کیا رسول ﷺ کی نیت مسواک کی تھی یا صفائی کی تھی۔ اگر آپ پیچھے نہیں جا سکتے تو آپ کو یہ غور کرنا ہوگا کہ حضور گرامی مرتبت نے کس چیز کی حفاظت کی۔ کیا صفائی کی حفاظت کی ہے یا خالی ایک لکڑی کی حفاظت کی ہے۔ ہمیں ان اقدامات تک جانا ہوگا اور اس میں کسی قسم کی تاویل نہیں ہے۔

بڑی بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ حضور گرامی مرتبت کے اس Aspect کو، اور نیاتِ رسول کے فہم و فراست کو کوئی کتاب Separately نہیں لکھ سکی۔ البتہ بہت سارے فقیہوں نے، بہت سارے بڑے فقہاء نے رسول اللہ ﷺ کی نیات کے Pattern پر بھی کچھ ایسے فیصلے دیے ہیں جو ہماری موجودہ زندگی میں Valid ہیں۔ اس لحاظ سے سب سے زیادہ کشادگی امامِ اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فقہ میں ہے۔ حضرت امام انس بن مالکؒ کسی بھی دوسرے قدم سے گریز کرتے تھے۔ یہی حال حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا تھا۔ وہ Strictly کسی Legal process کی Formality میں

قید رہتے تھے۔ امام ابو شافعیؒ نے کچھ جرأت فقہ فرمائی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی Approach میں آپ کو Difference بتاؤں کہ ایک دفعہ بغداد میں ایک شخص سیڑھی پر چڑھا تو سیڑھی پر اس کی بیوی سے اس کی لڑائی ہو گئی۔ لڑائی ذرا زیادہ ہو گئی تو اس نے سیڑھی کے اوپر سے Declare کر دیا۔ اگر میں اس سیڑھی سے نیچے اتروں تو تم پر طلاق ــــ اب کہہ تو بیٹھے حضرت! پر مصیبت گئی! تو حنابلہ کے امام اس وقت امام سفیان ثوریؒ تھے بغداد میں۔ اب مسئلہ یہ پڑ گیا کہ سیڑھی سے نیچے اترے تو طلاق وارد ہو جائے گی اور سیڑھی سے اترنا بھی ہے، بیچارہ ٹنگا تو نہیں رہ سکتا! تو لوگ ادھر اُدھر بھاگے اور امام سفیان ثوریؒ کے پاس گئے تو حضرت چونکہ حنابلہ میں سے تھے، مزاج کے ذرا سخت تھے، انہوں نے کہا، طلاق ہو گئی۔ حضور! کوئی گنجائش۔ کہا، کوئی گنجائش نہیں۔ ایسی غلطی ہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لوگ بھاگے بھاگے حضرت ابو حنیفہؒ کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا، اچھا، Situation دیکھوں گا۔ تو وہ Situation دیکھنے آئے۔ دیکھا کہ وہ سیڑھی پر اٹکا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا، ایسا کرو، ایک سیڑھی اور لاؤ، اس کے بالکل برابر میں رکھو، اس سے کہو، برابر کی سیڑھی سے ادھر چلا جائے اور نیچے اتر جائے، قسم ختم ہو جائے گی۔ تو محدث پر فقیہہ کو اس لیے ترجیح دیتے ہیں کہ انسانی پیچیدگیوں میں وہ کشادگی کے ایسے رستے کھولتا ہے اور محدث قرآن کی ایک آیت کا تابعدار ہے اور اس پر عمل کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ Basically پورے قرآن کی اللہ نے ایک نیت واضح کی اور فرمایا: "ما انزلنا علیک القرآن لتشقی" (طہٰ:۲) (ہم نے قرآن کو مشقت کے لیے نہیں اتارا۔) اب جو کوئی بھی قرآن فہمی کو آسان کرے اور پروردگار کے اصولوں میں عام انسان کے لیے فراغت رکھے، کشائش رکھے، وہ یقیناً ایک سمجھدار اور بہتر مسلمان ہے نسبتاً ان لوگوں کے جو فہم و فراست کے رستے بند کر دیں اور ہر ذہنی جدوجہد کو بدعت کا نام دیں۔

بدعت اصل میں وہ چیز ہوتی ہے جو اصول کو متغیر کرے۔ آپ حیران ہوں گے کہ مسلم بن حجاج نے جب اپنی کتاب Collect کی تو اس میں ایک قانون رکھا کہ وہ بدعتی جو کفر سے لاحق ہو جائے اس سے روایت نہیں لینی مگر وہ بدعتی جو شرک نہ ہو اور کفر نہ ہو مگر اس کی General باتیں ایسے لگیں کہ نئی نئی ہیں، تو اس سے روایت درست ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ حدیث لیتے ہوئے امام مسلم نے جو قانون وضع کیا وہ یہ تھا۔ وہ بدعت کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ وہ بدعت جو کفر کے مماثل ہو جائے اس سے روایت نہیں کرنی مگر وہ بدعتی جو کفر تک نہیں پہنچا ہوا مگر مشہور ہے کہ نئی باتیں کرتا ہے اس سے روایت ہم کر سکتے ہیں اور روایت درست ہے۔ اگر کوئی اشتباہ ہے تو آپ بھی المقدمۃ المسلم بن الحجاج میں سے یہ بات دیکھ لیں۔ مگر مصیبت کی بات یہ ہے کہ اگر ذہن کوئی ایسی بات نکالے جس سے Generally اصول متغیر ہوتا ہو تو وہ یقیناً بدعت نہیں کفر ہے۔ مثلاً اگر پانچ کو کوئی چھ نماز کر رہا ہے یا پانچ میں سے کوئی ایک دو کم کر رہا ہے۔ یعنی مذہب کے بنیادی اصولوں میں کوئی تبدیلی لا رہا ہے۔ مثلاً میں نے دیکھا کہ کئی لوگ ایسی تبدیلیاں لانے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً بہت سارے Amateur دانش ور یہ کہتے ہیں کہ حقوق العباد حقوق اللہ سے برتر ہیں۔ یہ Argument حقوق اللہ کو نہ پورا کرنے کا عذر ہوتی ہے۔ یہ کچھ Genuine Argument نہیں ہے کیونکہ کوئی حق بندے کا ایسا نہیں ہے جسے بندے نے اپنی طرف سے اسے دیا ہو۔ بلکہ حقوق العباد ہمیں اللہ کو ماننے کے بعد ملے۔ یہ نہیں کہ آپ اللہ کو Reject کر دیں اور اللہ کے حقوق اس کے بندوں کے حق میں پورا کریں۔ مثلاً اگر مجھے اللہ نے یہ کہا کہ "واما السائل فلا تنہر" (الضحیٰ:۱۰)

(سائل کو جھڑکو نہیں۔)تو وہ قانون جب بندوں میں جائے گا تو مجھے چونکہ پتہ ہے کہ یہ فقیر نہیں ہے۔ ڈھکوسلہ ہے، یہ فراڈ ہے، اور Professional ہے، تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی ''عمر'' کی طرح جوتا اتاروں ...... جیسے حضرت سیدنا عمر فاروقؓ نے دیکھا کہ ایک فقیر مدینہ میں خیرات مانگ رہا ہے تو انہوں نے کہا کہ اسے بلا کر لاؤ، اس کی خورجین چیک کرو۔ جب انہوں نے چیک کیا تو بے شمار روٹی کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اسے کوڑے مارے جائیں اور مدینہ سے باہر پھنکوایا جائے اور فرمایا کہ جس کے پاس کھانے کو ہے اور اپنی خوراک جمع رکھتا ہے اور مزید طلب کر رہا ہے وہ فقیر نہیں ہے۔ لیکن آپ دیکھیں کہ وہ امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین عمر بن خطابؓ تھے۔ ان کے پاس judgement بھی تھی اور اختیار بھی تھا۔ اگر آج مجھے ایسا کوئی Professional ملتا ہے، اور میں اسے خیرات نہیں دے سکتا تو میرا یہ حق نہیں بنتا کہ میں ایک High Pedestal سے اتروں۔ پھر اسے بڑا سا لیکچر دوں۔ پھر اسے دو چار صلواتیں سناؤں اور آخر میں کہوں کہ دفع ہو جا! میں تجھے خیرات نہیں دوں گا۔ وہاں یہ قانون ضرور لگے گا کہ اگر آپ خیرات نہیں دینا چاہتے تو نہ دیں۔ کوئی پرابلم نہیں ہے مگر ''واما السائل فلا تنہر'' جھڑکو نہیں کہ کیا پتہ کوئی فقیر آپ کی آزمائش نہ بن جائے۔ بظاہر کوئی فراڈ ہو اور اندر سے اصلی فقیر ہو کیونکہ تمام حضرتِ مخلوق اندر سے فقیر ہے اس لیے کہ پروردگار کا یہ حکم ناطق ہے کہ:

''واللہ الغنی وانتم الفقرآءُ'' (محمد:۳۸) (اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج۔)

تو مجھے پتہ ہے کہ خدا کے کہنے کے مطابق میں بھی فقیر ہوں تو فقیر، فقیر کو کیا جھڑکے گا۔ تو کہیں نہ کہیں سے ہمیں ایسی Interpretation کرنی پڑے گی۔

جو آپ کا موجودہ زمانہ اللہ کے علم میں ہے، یہ انوکھا نہیں ہے۔ قرآن کریم میں قیامت تک کی خبر دینے والا پروردگار، بیسویں صدی سے بہت آگے گزر چکا ہے۔ وہ بیسویں یا اکیسویں صدی کا قیدی نہیں ہے۔ اس کے پاس کوئی حال اور مستقبل نہیں ہے۔ اس کے پاس کوئی ماضی نہیں ہے، وہ تمام زمانے پر ایک ہی یونٹ کی طرح نظر کرتا ہے اور تخلیقِ دنیا سے پچاس ہزار سال پہلے، وہ مقسومِ دنیا لکھ کر فارغ ہو بیٹھا۔ جس پروردگار نے Constellation کے بارے میں یہ کہا کہ ''کل یجری الی اجلِ مسمی'' (لقمٰن:۲۹) تمام کائنات میں سیارگان ہیں، تمام چل رہے ہیں ایک وقت مقرر تک۔ اس کائناتِ بسیط میں کچھ بھی ساکت نہیں ہے۔ ہر شے متحرک ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ''الی اجلِ مسمی'' (ایک وقت مقرر تک۔) اب دیکھئے! بدقسمتی صرف یہ ہے کہ Sciences وقتِ مقرر متعین نہیں کر سکتیں۔ پروردگار نے وہ وقتِ مقرر متعین کیا ہوا ہے۔ خدا آپ کو اس وقت کی خبر دیتا ہے جس میں فنا ہے۔ ''کل من علیہا فانٍ'' (الرحمٰن:۲۶) میں نے ایک وقت فنا رکھا ہے۔ وہ خواہ Bang Big کے پلٹنے سے ہو یا شاید Big Bang کے بکھرنے سے۔ شاید کسی وقت Centripetal اور Fugal Forces ختم ہو جائیں۔ خدا انہیں کائنات کے ذرے ذرے میں بکھیر دے۔ تو جو ابتدائی حادثہ کائنات ہوا ہے، جب وہ پلٹے گا، جب اس کی سپیڈ اور زمانہ ختم ہو جائے گا: ''کل یجری الی اجلِ مسمی'' تو وہ دوبارہ پلٹتے ہوئے پوری کائنات کو سمیٹ لے جائے گا اور قیامت کے وقت کی اللہ نے نشان دہی بھی کر دی اور قرآن میں اس کے آثار بھی لکھ دیے اور آثار میں اللہ نے فرمایا: ''اذا الشمس کورت'' (تکویر:۱) (جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔) اس میں روشنی نہیں رہے گی: ''واذالنجوم انکدرت'' (تکویر:۲) (ستارے ماند پڑ

جائیں گے۔) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: "وجمع الشمس والقمر" (قیامۃ:۹) (ہم سورج اور چاند کو بھی جمع کر دیں گے۔) Everything will go back to the origin تمام چیزیں آپس میں ٹکرا کر ختم ہو جائیں گی، ایک بہت بڑا دھماکہ: "القارعة ما القارعة" (القارعۃ:۲۱) "یوم یکون الناس کالفراش المبثوث وتکون الجبال کالعھن المنفوش" (القارعۃ:۵) ہر چیز اس حادثے کی نذر ہو جائے گی۔ تو پروردگار Is not decadent

حضرات محترم! یہ Advertisement کا زمانہ ہے۔ ہر چیز Advertisement میں بک رہی ہے۔ مصیبت یہ ہے But the advertisers for God are very dull, they are not good agents. کہ پروردگار تو بڑا ماڈرن ہے مگر جو اس کو Agent for sale ملے ہوئے ہیں، وہ بڑے گھٹے ہیں، بڑے Decadent ہیں۔ وہ اپنے مال کو خود ہی فرسودہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ پروردگار کی Presentation کا حق نہیں رکھتے۔ It's you people, the modern men, if you take interest in this ultimate reality and truth, only you can adjust with, the modern gust. وہ شخص جو تعلیمی معیار کے قابل نہیں تھا، جو میٹرک نہیں کر سکا، ایف اے نہیں کر سکا، بی اے نہیں کر سکا، جسے اولاد میں سے بیکار پایا گیا تو اس کی روٹی کا بہانہ بناتے ہوئے اسے قرآن حفظ کروا دیا گیا۔ وہ مسجد میں کچی پکی روٹی، تفسیر جلالین وغیرہ پڑھ کر فارغ ہوا تو اب اس کے پاس زمانے کا علم ہی گیارہویں اور بارہویں صدی کا تھا۔ You make a mistake. اگر وضو کا مسئلہ پوچھنا ہو تو ضرور مسجد کے عالم کے پاس جائیں۔ اگر جنابت کا پوچھنا ہو تو جائیں۔ اگر آپ نے زکوٰۃ کا حصہ پوچھنا ہو تو ضرور جائیے But if you are really interested in higher questions about truth and reality of God. تو اس کے لیے آپ کو محنت کرنی پڑے گی۔ کم از کم اتنی محنت جو ایک Post Graduate ڈگری کے لیے چاہیے۔ It's a knowledge. it's a total knowledge علوم کا علم۔ خدا کا ایک علم نہیں ہے۔ کائنات میں بکھرے ہوئے بے شمار علوم اسی کے ہیں۔ اگر خدا کو جاننا ہے تو پھر علم کی وسعت اور ادراک اور بصیرت سے کام لینا ہوگا اور اس کی شناخت اس کے بغیر محال ہے۔ وما علینا الا البلاغ

سوالات وجوابات

سوال: تصوف پر ایک بنیادی الزام یہ ہے کہ اس کا اسلام سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں ہے بلکہ یہ یونانی تصوف اور ہندو مذہب کی پیداوار ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: حضرات محترم! یہ الزام تصوف پر نیا نہیں ہے اور جب سے Methodist Religion کا عروج ہوا ہے عموماً تصوف میں یہ اعتراض وارد رہا کہ

؎ بہانہ بے عملی کا بنی شراب الست

کبھی حافظ اور عمر خیام کے Reference سے اس کو عمل گریزاں سمجھا گیا۔ کبھی تصوف کو یونانی فلسفۂ اشراک

کی تاویل خیال کیا گیا مگر مسلمان کے لیے تصوف کا صرف ایک مطلب ہے اور وہ ہے ’’جہادِ اکبر‘‘۔ جب جنگِ تبوک سے حضورِ گرامی مرتبت پلٹے تو فرمایا اصحابِ رسول سے کہ اب ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کو پلٹتے ہیں تو پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! شمشیر و سناں سے، جنگ و جدل و اہلِ کفر کو قتل کرنے سے بڑا بھی کوئی جہاد ہے۔ فرمایا ’’ہاں! جہاد بالنفس......‘‘

دراصل تصوف اس بڑی جدوجہد کا نام ہے۔ اتفاق سے اشفاق احمد اور بانو قدسیہ نے ایک سوال لاہور میں پوچھا تھا کہ تصوف کی Simplest Possible تعریف کیا ہے؟ میں نے ان سے عرض کی کہ تصوف ایک صحیح عمر میں صحیح ترجیح کے انتخاب کو کہتے ہیں۔ ایک صحیح عمر پر اگر ایک شخص نے ترجیحِ اول کے طور پر خدا کا انتخاب کر لیا ہے تو وہ صوفی ہے۔ ایک ایسی عمر میں Choice نہیں کہا جا سکتا جب آپ کی قوت، ارادہ اور ذہن ختم ہو چکا ہو اور صوفی کا لفظ تین چار مشتق میں موجود ہے۔ بعض لوگ اس کو اصحابِ صفہ کی طرح کے لباس اور ان کی طرح کے اعمال کو، صفہ سے نکلا ہوا کہتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو اس لیے صوفی کہتے ہیں کہ عموماً نادار اور غریب لوگ جو تھے وہ اونٹ کے پشم کا لباس (لباسِ صوف) پہنتے تھے مگر صوفیاء کے نزدیک لفظِ صوفی کا مطلب صفائے قلب سے ہے۔ ہر وہ شخص جو اپنے دل و دماغ کی صفائی کے لیے قرآن اور رسول کے احکامات پر چل کر خدا تک پہنچنا چاہتا ہے۔ جیسے قرآنِ حکیم نے فرمایا کہ ظاہری گناہ سے بچو اور باطنی گناہوں سے بھی، تو ظاہرہ گناہ بعض اوقات بڑے واضح ہوتے ہیں اور باطنی گناہ انسان ترغیب سے سرانجام دیتا ہے۔ مثلاً بہت سارے ایسے لوگ جو چوری نہیں کرتے، ڈاکہ نہیں ڈالتے، شریف لوگ ہیں، مال کی خیانت نہیں کرتے، اگر دیکھا جائے تو کبھی غیبت سے Avoid نہیں کرتے بلکہ اس چیز کو اتنے ہی شوق سے کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اب اگر اس مثال کی کراہت دیکھیں تو اتنی بڑی ہے مگر، اگر غیبت کے عمل کا ہم جواز دیکھیں تو ہم بڑی خوشی سے اس میں Participate کرتے ہیں۔

تصوف میں ایک اصول ہے کہ ظاہرہ گناہ وقتی ہوتے ہیں۔ عمل کے گناہ کسی بھی وقت بدلے جا سکتے ہیں مگر ذہنی خطا برس ہا برس تک ساتھ رہتی ہے کیونکہ اس کی غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ ہماری ترغیبِ نفس کی طرح ہے اور چونکہ اس میں نفس کی پوری پوری Participation ہوتی ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ ایک انتہائی متقی شخص، ایک انتہائی فضول باطنی گناہ قبر تک کرتا ہوا چلا جائے۔ اس لیے تصوف میں زیادہ تر جدوجہد ہوتی ہے کہ اعمال کے ساتھ ساتھ نیات کے Process کو بھی درست کیا جائے اور ان تمام باتوں پر عمل کیا جائے اور اس کے لیے ہمارے پاس جو واحد Practical مثال ہے کسی بھی صوفی کے لیے، جسے آپ فنا فی الرسول کہتے ہیں۔ اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ ہم رسولِ اکرم ﷺ کی صفاتِ عالیہ کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کریں۔ یہ اصول ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو پسند کرتا ہے تو اس کی عادات و خصائل کا اثر بھی اس پر کسی نہ کسی طریقے سے ضرور ہوتا ہے۔ مرشد کا تصور بھی یہی ہے اور حبِ رسول کا تصور بھی یہی ہے اور خداوندِ کریم کی محبت کا تصور بھی یہی ہے کہ ہم آہستہ آہستہ اپنی ذاتی صفات کو ترک کر کے ان صفاتِ عالیہ تک پہنچنے کی کوشش کریں جو ہمارے کسی اچھے استاد میں یا سرکارِ رسالت مآب ﷺ میں ہیں اور حتیٰ کہ جسے ہم فنا فی اللہ کہتے ہیں، اس میں صوفی یہ کوشش کرتا ہے کہ صفاتِ انسانی سے گریز کرتے ہوئے صفاتِ الٰہیہ کو اختیار کیا جائے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ صوفی اگر یہ جانتا ہے کہ اس میں غصہ بہت زیادہ ہے اور صوفیاء کے علم میں سب سے بڑی Important چیز اپنے آپ

کو جانا ہے:

"ومن عرف نفسہ فقد عرف ربہ"

(جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔)

جب وہ یہ جان لے کہ اس میں ایک کوتاہیِ عمل موجود ہے اور ایک غلطیِ فکر موجود ہے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ وہ اس غلطی کو اپنے اجتہادِ فکر سے دور کرے، محبتِ خداوند سے دور کرے، محبتِ رسول سے دور کرے، محبتِ شیخ سے دور کرے اور خدا کی یاد کے ساتھ ساتھ ان Processes پہ چلنے والے کو صوفی کہتے ہیں۔ ایک بڑے سے بڑا دلیر مجاہد بھی جب میدانِ جنگ میں کھڑا ہوتا ہے تو بڑی آسانی سے جان دے سکتا ہے مگر اپنے کرب کو Face کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ اسی لئے خالد بن ولیدؓ جب ایڑیاں رگڑتے ہوئے اپنے بستر پر فوت ہوئے تو وہ کہا کرتے تھے "میں نے ایک سو پچیس معرکوں میں حصہ لیا اور ہر جگہ میں خطروں کے انتہائی نازک حالات میں پہنچا کہ کاش مجھے میدان میں شہادت نصیب ہو مگر میرے اس حال کو دیکھو کہ میں اپنے آپ سے لڑتا ہوا مر رہا ہوں اور بے چین و مضطرب ہوں۔

سوال: تخلیقِ آدم سے خدا کو کیا مقصود تھا۔ اس ضمن میں ہمیں مطالعۂ قرآن سے معلوم ہوا کہ ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ اولادِ آدم کے بارے میں وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اولادِ آدم لاکھوں سالوں سے منشائے خداوندی پر پوری نہیں اتری۔ انسان کی پوری تاریخ میں الوہی روشنیاں زمین کے ایک محدود حصے کو منور کرتی رہیں اور پھر نامعلوم تاریک صدیوں کے سایے چھائے رہے اور لاکھوں انسانوں کی نسلیں فسق و فجور کے اندھیروں میں سرگرداں رہیں۔ ابنِ آدم کی تاریخ اس سلسلے میں بڑا ہولناک منظر پیش کرتی ہے۔ یہاں تک کہ حکیم الامت کو بھی کہنا پڑا کہ

؎ تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ارزانی

کیا آدم کی تخلیق کا یہی مقصد تھا تو کیا "یوم الدین" کے موقع پر خدا کھربوں انسانوں کو نامعلوم مدت کے لیے جہنم میں ڈال دے گا اور صرف چند کو جنت کی ابدی مسرتیں دی جائیں گی۔ کیا اللہ تخلیقِ آدم اور تخلیقِ کائنات کے معاملے میں اتنا فوز المرام واقع ہوا ہے؟

جواب: سوال تو اچھا ہے مگر بڑا Local ہے۔ یہ ہماری ایک بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہم کائنات کے بہت بڑے رب کو صرف ایک Smaller human angle سے دیکھتے ہیں۔ سب سے پہلی جو بات ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں ایک حدیثِ قدسی کی مدد سے اس تخلیقِ کائنات کا سب سے پہلا جو مقصد ملتا ہے وہ بڑا سادہ سا ہے کہ: "کنت کنزا مخفیا" میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ "ما احببت" مجھے اپنی ذات سے انس پیدا ہوا: "عن عرف" میں نے چاہا کہ جانا جاؤں: "فخلقت خلق لیعرفون" تو میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ آج تک بدقسمتی یہ ہے کہ کوئی تخلیق یہ حق نہیں رکھتی کہ خالق کی کارکردگی یا اس کی تخلیق، یا اس کے کسی Pattern پر اپنے کسی Question کو وارد کرے۔ مثلاً ہم بڑی بے بسی سے بہت برے شعر کسی شاعر کے سنتے ہیں مگر اس بیچارے شعر کو یہ توفیق نہیں ہو سکتی کہ پوچھے، کم بخت! تو نے مجھ کو اتنا بدذائقہ کیوں لکھا؟

تو بدقسمتی سے تخلیق کے Pattern میں ہی خالق کو Question کرنا نہیں لکھا گیا۔ ہم صرف اس غرض و غایت پر غور کر سکتے ہیں جو، خالق نے ہمیں خود بتایا۔ اب اس تمام پروگرام میں خالق جو ہمیں واحد غرض و غایت دے رہے ہیں کہ جب اپنے جلال و جمال کے Pattern کو اس نے دیکھا اور اس نے چاہا کہ وہ ایک خوبصورت ”خلاقِ عالم“ کی حیثیت سے تعریف کیا جائے تو اس نے ایک ایسی مخلوق پیدا کرنی چاہی، جو اس کی تعریف کرے۔ اب یہاں ایک اور بہت بڑا المیہ واقع ہوا کہ جس مخلوق کو بھی وہ پیدا کرتا تھا وہ پہلے سے Ordiained تھی۔ وہ تخلیقِ آدم سے پہلے بے شمار تخلیقات کر چکا تھا۔ ہزاروں اور لاکھوں ارواح کو تخلیق کر چکا تھا۔ ملائکہ، جنات، شیاطین اور پتہ نہیں کیا کیا۔ جس کا ہمیں علم نہیں ہے یا جس کی گواہی ہمارے پاس موجود ہے لیکن علم نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملائکہ، عالم کو تخلیق کرنے کے بعد، ایک پاک، باز ہت، مقدس مخلوق کو Create کرنے کے بعد انسان کو پیدا کرنا کیوں مقصود تھا؟

ایک ”صلصالٍ کالفخار“ (کھنکتے ہوئے کیچڑ) کے نیچے سے، زندگی کا پہلا Cell پیدا کرنے کے بعد اس نے اسے Progress دی اور رفتہ رفتہ آگے بڑھاتا ہوا اس منزل تک لے گیا، کہ پہلے تو انسان کوئی قابلِ ذکر شے بھی نہ تھا۔ پھر میں نے اسے Double Cellular بنایا۔ ”انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج“ (میں نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا۔) اب بھی اس قابل نہ ہوا کہ میں اسے Judge کروں، میں اسے پرکھوں ”نبتلیه“ (الدھر:۲) (میں نے چاہا کہ اس نئی مخلوق کو آزماؤں۔) ”فجعلنه سمیعاً بصیرا“ (الدھر:۲) (میں نے پہلے اسے سماعت دی، پھر رفتہ رفتہ اسے بصارت دی۔) یہ سارے سسٹم مکمل کرنے کے بعد جب Biologically انسان پورا ہو گیا، تو اب بھی خدا کا مقصد پورا نہیں ہو رہا تھا' تو اس نے کہا کہ اب میں نے آخری عمل اس کے ساتھ کیا کہ ”انا ھدینه السبیل“ (الدھر:۳) (میں نے اسے عقل و شعور بخشا) اور Choice اس پہ چھوڑ دیا۔ یعنی ہمارے پاس وہ Instrument تھا کہ جس میں Choice اللہ کے پاس نہیں، انسان کے پاس تھی اور میں نے اب اس میں وہ صفت پیدا کر دی:

”اما شاکراً و اما کفورا“ (الدھر:۳)
(چاہے تو مجھے مانے، چاہے تو میرا انکار کر دے۔)

اب پروردگار کو تمام تخلیقات کے بعد اس انسان کا پیدا کرنا اس لیے مقصود تھا کہ وہ ایک لگی بندھی عبادت سے تنگ آ چکا تھا۔ میں نے ہی اگر آپ کو کہہ کر اپنی تعریف کرانی ہے اور اگر آپ میرے زور و جبر کے سایے میں ہی میری تعریف کرتے جائیں گے تو کسی بھی، Master Mind کو تسلی نہیں ہوتی بلکہ خدا یہ چاہ رہا تھا کہ کوئی ایسی مخلوق ہو کہ جسے یہ Choice ملے، مجھے جاننے پہچاننے کی۔ مجھے ماننے کی، اور میری تعریف و توصیف کرنے کی۔ اسی حدیث کے ساتھ ایک اور حدیث وابستہ ہے جہاں تھوڑا سا لفظ بدل گیا۔ دونوں حدیثیں صحیح ہیں مگر تھوڑا سا لفظ بدل گیا اور وہ حدیث یہ کہتی ہے:

”کنت کنزا مخفیا ما احبت عن عرف فخلقت محمد“

میں نے جب چاہا کہ میری تعریف وتوصیف ہو تو میں نے اس مخلوق (آدم) کو تخلیق کیا تو میں نے خاص طور پر ''محمد ﷺ'' کو تخلیق کیا اپنی تعریف وتوصیف کے لیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب Choice دی جائے گی---اگر 500 بندوں کو بھی Choice دی جائے گی، تو پھر بھی Pattern میں کوئی کمی بیشی رہ جائے گی اور پروردگارِ عالم کو پھر بھی اپنی تعریف کے لیے ایک Best possible appreciator کی ضرورت پڑے گی تو نسلِ انسان میں سے جس انسان نے اس کی تعریف وتوصیف کا پورا حق ادا کیا، وہ محمد ﷺ تھے اور چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ اس Pattern پر چلے گئے جو پروردگار کو پسند تھا، اس لیے آسمانوں پر ان کا نام ''احمد'' رکھا گیا تھا، He is the one who can really have the right to appriciate me. مگر جب اُن کو اجاگر کرنا چاہا، جب ان کو تعریف وتوصیف کرنے والا بنایا، تو ساتھ ہی یہ بھی Urge پیدا ہوئی کہ جو میری اتنی تعریف کر رہا ہے تو خلق اس کی بھی تعریف کرے اور یہی اس آیت کا مقصد ہے ''فاذکرونی اذکرکم'' (بقرہ:۱۵۲) کہ جو میرا ذکر کرے گا اور میری تعریف کرے گا تو میں نے بھی جوابًا اس کی تعریف کرنی ہے۔ تو جو پروردگار کی تعریف کے لیے بہترین خلق چنی گئی، اس کی تعریف کے لیے پھر باقی خلق چنی گئی۔ Now it is problem that God is not a democrate. وہ انسانوں کی تعداد پر فیصلے نہیں دیتا۔ اس نے ایک پوری نسلِ انسان میں سے چناؤ کرتا ہے۔ اس کے عوض انسان کی کمزوریاں اور حماقتیں دیکھتے ہوئے اس نے ایک Major Advantage نسلِ انسان کو دیا۔

اگر آپ مسلمان نہ ہوتے تو پھر میری Argument مختلف ہوتی۔ مگر چونکہ مسلمان ہیں اس لیے آپ کو یہ Argument دے رہا ہوں کہ جب پروردگار نے یہ کہا کہ ''الحمد للہ رب العلمین'' کہ تمہارا رب تمام جہانوں کا پالنے والا ہے تو اس میں خالی انسان نہیں آتے، بلکہ اس میں جاندار، غیر جاندار، ذی حیات، بغیر حیات کے تمام اشیاء آتی ہیں جن کا خدا رازق ہے۔ ایک سورج اٹھارہ ہزار ایٹم فی سیکنڈ استعمال کر رہا اور پھٹ رہا ہے، یہ آگ اور روشنی سورج کا رزق ہے۔ چاند جو سورج سے ادھار مانگ رہا ہے، یہ اس کا رزق ہے۔ اسی طرح بہت سارے قحط وافلاس میں گھرے ہوئے بے شمار لوگ مرتے ہیں تو کبھی کبھی، موت کو بھی کھلا کھانا مل جاتا ہے کیونکہ موت کا رزق ہی زندگی ہے۔ اکثر بیچاری جب وہ ایک دو آدمی لے جاتی ہے، تنگ ہوتی ہے، گلہ کرتی ہے کہ مجھے کبھی پیٹ بھر بھی ملے گا، تو کسی بڑے قحط میں ہزاروں، لاکھوں لوگ مار دیے جاتے ہیں اور کبھی کبھی اس کا بھی رزق کشادہ کیا جاتا ہے۔ ہر چیز کا رزق اس کی ضرورت ہے، اگر دماغ کا رزق خیال ہے اور دل کا رزق اطمینان ہے اور پیٹ کا زرق اس کا بھرا رہنا ہے اور خون رگوں کا رزق ہے تو رزق کو ہمیں Wider معنوں میں استعمال کرنا ہوگا۔ اگر ایک Battery ایک سیل سے چلتی ہے تو اس Battery کا رزق وہ سیل ہے۔ جب پوری کائنات میں رزق کی وضاحت کی جائے گی تو اس وقت یہ لفظ استعمال ہوگا: ''الحمد للہ رب العلمین'' اور وہ جو ''رب العلمین'' ہے، جو پورے آفاق وکائنات و Galaxies کا پالنے والا ہے۔ جب پروردگار کو اتنے بڑے پھیلاؤ میں ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اس نے ایک چیز اپنے اوپر لازم کر لی کہ تمام تخلیقات کو اتنا تحفظ مہیا رہے کہ خدا کسی صورت میں بھی ان پر قہر نازل نہیں کرے گا، کسی صورت میں بھی ان پر عذاب نہیں کرے گا، کسی صورت میں بھی ان کو کسی ناجائز تنگی کا شکار نہیں کرے گا۔ تو اس نے ایک Written معاہدہ لکھا جو ہمارے پاس قرآن میں

موجود ہے۔ تمام تخلیقات کے لیے اپنی طرف سے ایک رعایت اور معاہدہ لکھا:

“کتب علی نفسہ الرحمۃ” (الانعام:۱۲)

کہ اے میری تخلیقات! (میں نے تمہارے لیے ایک چیز اپنے اوپر لازم کر لی ہے کہ میں ہر حال میں تم پر رحم کروں گا)۔ اب اس کے بعد کسی مخلوق کو اس سے گلہ نہیں ہونا چاہیے مگر صرف ایک قسم کی مخلوق کو، جو سرے سے اسے خالق نہیں مانے گی۔ جو سرے سے اسے تسلیم ہی نہیں کرتی۔ جو اسے رحم والا ہی نہیں مانتی، جو اسے سرے سے رب ہی نہیں مانتی، اس لیے جو سب سے بڑا گناہ گنا گیا۔ تو حضرت لقمان نے کہا کہ تمام تاریکیوں میں سب سے بڑی تاریکی اور تمام ظلموں میں سب سے بڑا ظلم صرف ایک ہے کہ ”ان الشرک لظلم عظیم“ پھر پروردگار نے کہا کہ تم سارے گناہ کرنا اے نسلِ آدم! تم کرو گے۔ مگر خبردار! میرے سامنے کبھی تقوی کا دعویٰ نہ کرنا۔ یہ سختی سے منع کیا کہ میرے سامنے کبھی نہ کہنا کہ تم متقی ہو۔ میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کتنے متقی ہو۔ ”ھو اعلم بمن اتقی“ (النجم:۳۲) (میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کتنے پاکباز ہو)۔ خبردار! کبھی تقدس کا دعویٰ نہ کرنا۔ تم میں کمزوریاں رہیں گی۔ تم میں گناہ رہیں گے مگر ایک بات سن لو! اگر تم بڑے گناہوں سے بچے، اگر تم نے حدود اللہ سے گریز کیا تو تم چھوٹے گناہ تو کرو گے ہی۔

آپ نے دیکھا کہ پروردگار از خود کچھ Limitations مقرر کر رہا ہے کہ اگر تم ”ان تجتنبو اکبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم“ (النساء:۳۱) بڑے گناہوں سے بچے رہو تو چھوٹوں پر تو تم رکو گے ہی، وہ تو تم نے ضرور کرنے ہیں۔ تو ایک بات یاد رکھنا کہ تمام گناہوں سے بڑا ایک گناہ نہ کر بیٹھنا، اے بندگان خدا! اے میرے پیغمبر! ان سے کہہ دو:

“قل یعبادی الذین اسرفو اعلی انفسھم لاتقنطو من رحمۃ اللہ” (الزمر:۵۳)

(اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر اسراف کیا میری رحمت سے مایوس نہ ہو جانا۔)

یہ سب سے بڑا گناہ ہے اس لیے کہ رحمت سے مایوسی کا مطلب کفر ہے۔ اب ذرا غور کریں کہ میں جو بھی گناہ کروں گا اس کی ایک عمر ہے۔ چنگیز و ہلاکو کا ایک زمانہ تھا، ہٹلر کا ایک وقت تھا، نپولین نے ایک وقت لیا۔ تمام فاسق و فاجر ایک عمر لے کر آئے۔ اس سے آگے نہیں جا سکے۔ انسان ان کو Suffer کرتا، برداشت کرتا ہے۔ مگر ان کو اچھی طرح پتہ ہوتا ہے کہ کبھی نہ کبھی یہ ضرور مریں گے اور کسی نہ کسی نسل کی ان سے جان چھوٹ جائے گی۔ ہر ایک چیز کی ایک Limit ہے۔ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں آج کا زندہ انسان، ایک Limited Self جس کے گناہ بھی Limited ہیں--- یہ میرا دعویٰ ہے کہ میری ایک عمر کے ساتھ میرے گناہ ہیں۔ مگر آپ خدا کی طرف سے سوچیں۔ وہ بے پایاں اور انتہائی وسیع قدرت و کردگار کا مالک، وہ لاانتہائی کائنات کا مالک جو بذاتِ خود اپنے اندر ہر صفتِ بے کراں رکھتا ہے۔ اس کی رحمت کتنی بے کراں ہو گی اور اگر میں ایک Limited گنہگار، اس سے اٹھ کے یہ کہوں کہ اے Unlimited God تیری رحمت اتنی بڑی نہیں ہے کہ میرے Limited گناہ سمیٹ سکے تو اس سے بڑی توہین پروردگار کی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس لیے خدا Assert کر رہا ہے، کہ تم کتنے بھی گنہگار رہی مگر لوٹنے میں دیر نہ کرنا، پلٹنے میں دیر نہ کرنا، مجھے اچھی طرح پہچانے رکھنا، اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے۔ ”لاتقنطو من رحمت اللہ“ اس کی وجہ یہ

ہے کہ قرآن میں "جمیعاً" کا لفظ جہاں بھی آتا ہے وہاں ایک Law بیان کیا جاتا ہے، ایک قانون مطلق بیان کیا جاتا ہے۔ فرمایا "ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً" (بے شک تمہارا پروردگار مطلق گناہ معاف کرتا ہے۔) "انہ ھو الغفور الرحیم" (الزمر: ۵۳) (وہ بے پناہ بخشش اور بے پناہ رحم والا ہے۔) شرط صرف اتنی سی ہے کہ کبھی تم اس کی طرف پلٹنے کا سوچو۔ یہ **بات** یاد رکھیے! کہ تمام گناہوں سے Last degree گناہ کی "نہ پلٹنا" ہے۔ "**صم م بکم عمی فھم لایرجعون**" (البقرہ: ۱۸) وہ لوگ جو پلٹتے نہیں ہیں یعنی "پلٹاؤ" کو اللہ نے آخری ڈگری پر رکھا کہ اندھے ہو جاتے ہیں۔ بہرے ہو جاتے ہیں۔ گناہوں میں غرق ہو جاتے ہیں لیکن خدا کی طرف پلٹتے نہیں ہیں۔ اقبال کا ایک بڑا ہی **خوبصورت** شعر ہے اور انہوں نے اس میں اس پلٹاؤ کی کیفیت واضح کی ہے۔

چو آں مرغے کہ در صحرائے ہر شام
کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

کہ اس پرندے کی طرح جو صحرا میں بہت دور نکل جاتا ہے دانہ دنکا چگنے اور زندگی گزارنے کے لیے، مگر جب شام پڑتی ہے جب اندھیرا آتا ہے تو وہ دوبارہ اپنے آشیانے کے لیے اپنے پر کشادہ کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان، جب زندگی کی شام ہو جائے تو، تب تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پروں کو پلٹائے۔ مگر جب وہ اپنے پر کشادہ کرے گا تو اس کے پاس خدا کی رحمت کے سوا اور کوئی آشیانہ نہیں ہوگا۔ تو پروردگار نے اپنی اتنی بڑی نعمت کو، اتنی بڑی رحمت کو، انسان کے ساتھ معاہدے کے لیے لکھا۔ ہر تخلیق کے معاہدے کے لیے لکھا۔ اب ذرا دوبارہ ان آیات کو غور سے پڑھیے:

الحمد للہ رب العلمین (فاتحہ: ۱)

وکتب علی نفسہ رحمۃ (الانعام: ۱۲)

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین (الانبیاء: ۱۰۷)

اب اگر ان کو Compare کریں تو آپ کو احساس ہوتا ہے کہ جہاں جہاں "رب اللعلمین" ہے۔ وہاں وہاں ساتھ "رحمت اللعلمین" بھی ہیں اور اتنا بڑا رحم و کرم صرف ایک، وجودِ انسانی میں مرتکز کر دیا گیا اور خدا کے پاس Positive لفظ نہیں رہا اپنے پیغمبر کی حرص کو بیان کرنے کے لیے تو اس نے ایک Negative لفظ سے اس کو بیان کیا۔ یعنی قرآن کے پاس Positive لفظ نہیں رہا یہ کہنے کو کہ یہ میرا پیغمبر تمہارے لیے کتنا شوق رکھتا ہے مغفرت و رحمت کا، بلکہ ایک Negative لفظ سے اس کو Enlarge کر دیا:

"حریص علیکم" (توبہ: ۱۲۸) یعنی اس کو اتنی زیادہ امتِ مسلمہ سے محبت ہے کہ وہ مبالغے کی حد تک آگے بڑھ جاتا ہے امت کی خیر خواہی اور بھلائی کے لیے۔

اور یہ صاحبان جو Question کر رہے ہیں کہ دورِ حاضر میں عذاب و ثواب کی کیفیات کا ٹل جانا --- آج اگر وہی پہلی قوموں والا Process of elimination جاری رہتا تو As i told you, that God is not a democrate اور جو اصول Pick and Choose کا انسانوں میں ہے، وہی اصول Pick and Choose کا باقی تخلیقات میں بھی ہے۔ اگر آپ پچاس ہزار درخت لگاتے ہیں۔ تو اگنے والے لگ گئے ہیں۔ سارے نہیں اگتے اور بہیں

اور تیس ہزار درخت ضائع ہو جاتے ہیں۔ تو پوری تخلیقات میں ایک Law، ایک Cosmic law exist کرتا ہے، جسے ہم Law of wastage کہتے ہیں۔ ہر تخلیق میں Wastage ہے۔ Heavy degree wastage ہے اور انسان میں جو Wastage ہے وہ Purpose کے ساتھ منسلک ہے کہ وہ انسان جو اس Purpose کو پورا کرے گا وہ بہتر ہے اور جو پورا نہیں کرے گا وہ Wastage میں ہے۔

اب اسی کو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں دیکھیے! کہ جب معاشرہ ترقی کے ایسے معیار پر پہنچا جہاں ان کی عقل و شعور بلوغت تک پہنچ گئی، مگر اس کے باوجود خدا کو پہنچانے پر قادر نہ ہوئی اور انہوں نے شرک کیا تو پروردگار نے اس پوری کی پوری امت کو Wash out کر دیا۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس کی پہچان کے قابل تھے۔ آج آپ اللہ سے تب گلہ کر سکتے ہیں اگر آپ بھی یہی Process نہ کرتے ہوں۔ All scientists, all people, every body does the same thing. کہ جس چیز سے اس کا مطلب ہے اسی کو وہ اپنے لیے کارآمد سمجھتے ہوئے رکھتا ہے اور باقی ساری چیز Waste ہو جاتی ہے۔ پہلے زمانے میں God has used to have total wastages اور ان کو تباہ کر کے دو چار آدمیوں کو بچا لیتا تھا جب حضور گرامی مرتبت آئے اور رحمتِ مجسم انسانوں میں موجود ہوئی اور پروردگار نے اپنا عہد نامہ انسانوں کو منتقل کر دیا تو اس کے بعد جب اہل کفر نے کہا کہ اگر تم سچے نبی ہو تو خدا سے ہمارے لیے ایسا عذاب کیوں نہیں مانگتے جیسے عاد و ثمود کو یا جیسے قوم نوح کو پہنچا تو اللہ نے کہا کہ اے پیغمبر! یہ جلدی تو بہت کرتے ہیں۔ مگر مجھے بتاؤ کہ میں ان کو کیسے عذاب کروں۔ تم جو ان کے بیچ موجود ہو——

"وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم" (الانفال:۳۳)

(اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک تم ان میں موجود ہو۔)

تو اب Total عذاب اور Elimination کو معطل کر دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نسلِ انسان کی Wastage اب چھ بلین تک آ پہنچی ہے۔ اس بارش کی طرح جو بہت کم اصلی کھیت پر گرتی ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ نے اس کی مثال دی کہ وہ پتھر پر بھی گرتی ہے، اینٹ پر بھی گرتی ہے، ناقص زمین پر بھی گرتی ہے اور تھوڑی سی کسی کارآمد زمین پر بھی گرتی ہے جہاں سے وہ فصل لیتی ہے۔ اس لیے Wastage should not be a matter of concern, for any body who believes in God or intend to go back to God. The total wastage is only meant for those people who don't believe in God as God.

سوال: اگر انسان کے تمام معاملات پہلے سے طے شدہ ہیں تو سعیٔ انسان کا کیا مقصد ہے؟ میری دلیل سورۃ یوسف کی آیت نمبر 67 ہے کہ جب حضرت یعقوب نے کہا: "اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور جدا جدا دروازوں سے جانا۔ میں تمہیں اللہ سے نہیں بچا سکتا۔ حکم تو سب اللہ ہی کا ہے؟"

جواب: اصل میں حضرت یعقوبؑ کی تعریف کی اللہ تعالیٰ نے، اور ساتھ ہی ان پر ہلکا سا طنز بھی فرمایا۔ تو اللہ نے کہا کہ یعقوب سیانا بندہ تھا۔ جب بھی بیٹے اکٹھے بھیجے، کوئی نہ کوئی حادثہ ہو گیا۔ تو جب ان کو مصر بھیج رہے تھے تو ان سے

کہا کہ اکٹھے نہ چلنا، لوگوں کی نظر لگ جاتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں پھر نظر لگ جائے اور میں پھر کسی بیٹے سے محروم ہو جاؤں۔ تو خدا نے کہا، وہاں بدتعریفی نہیں کی بلکہ کہا کہ یعقوب سیانا بندہ تھا۔ اس نے یہ بات سوچ سمجھ کر کہی۔ مگر ہم تو کسی اور چیز کا ارادہ کیے بیٹھے تھے اور ہماری مرضی تو یہ تھی کہ ان سب کو بہتر کریں، بھائیوں کو ملائیں، یعقوب کو بیٹے سے ملائیں۔ تو بظاہر جس چیز کو وہ نقص سمجھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کا اصل باطن جانتے تھے اور وہ جو کچھ کر رہے تھے حضرت یعقوب کی Favour میں کر رہے تھے یعنی بنیامین کو چھڑانا تھا۔ ان بھائیوں سے پہلے دو سگے بھائیوں کو اکٹھا کرنا تھا۔ پھر اس کے بعد ایک نئی Dimension سے پھر ان پر الزام لگنا تھا۔ ان لوگوں نے روتے ہوئے جانا تھا۔ پھر یعقوب نے آنا تھا اور اس طرح یہ وصال کی گھڑی سب پر آئی تھی۔

یہ قرآن کی ایک آیت ہے۔ ”وعسی ان تکرھو شیاء وھو خیر لکم“ (کسی چیز سے تم کراہت کھاتے ہو اور اس میں تمہارے لیے خیر ہوتی ہے۔) ”وعسی ان تحبو شیاء وھو شر لکم“ (اور کسی چیز سے تم محبت رکھتے ہو اور اس میں تمہارے لئے شر ہوتا ہے۔) ”واللہ یعلم وانتم لاتعلمون“ (بقرہ:۲۱۶) اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہ تو اس Local سوال کا جواب تھا جو آپ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی مثال میں کیا مگر دراصل آپ کا سوال جبر و قدر پر ہے اور اس کا جواب بھی خاصا مختلف ہوگا جو میں ابھی آپ کو بتانے والا ہوں۔

خداوند کریم نے کوئی جبر انسان کی مخاصمت کے لیے استعمال نہیں کیا اور تقدیر کا مطلب اندازہ ہے۔ یہ کام خود آپ بھی کرتے ہیں۔ جب آپ کو کسی نئی اور اوپری جگہ جانا ہو اور جب آپ کو کسی جگہ Stay کرنا ہو تو اس کے مطابق وہاں پہلے سے اپنا بندوبست کرتے ہیں اگر وہاں پہلے سے بندوبست نہ ہو تو جیسے جب امریکن آرمی الجزائر میں اتری تو بڑے تفاخر سے اس کے Defence Secretary نے کہا کہ ہم نے اپنے فوجیوں کی ضروریاتِ زندگی کا اتنا خیال رکھا ہوا ہے کہ اگر ایک سوئی کی بھی انہیں ضرورت پڑے گی تو ان کے اپنے Bags میں انہیں مل جائے گی۔ اب ذرا غور کریں کہ پروردگار نے ایک انتہائی اہم شخصیت کو ایک بالکل اوپری اور انوکھی جگہ بھیجنے کا ارادہ کرلیا۔ اس انسان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اس میں اس نے کھانا کیا ہے، کیا نہیں کھانا، اس میں سبزی کیا ہے، فروٹ کیا ہے، جانور کیا ہیں۔ انسان کو اس کا پورا تخلیقاتی پروٹوکول دیا گیا۔ اس کے ٹھہرنے کی جگہ، اس کی خوراک کا بندوبست، تمام چیزیں گن چن کر اس کے لیے مہیا کر دی گئیں And now the question is why? یہ تو ہوا مقدر۔ پھر اگر یہی کچھ انسان ہے تو انسان کو کس لیے بھیجا گیا ہے؟ اس کی مثال ایسے ہے کہ میں نے کسی صاحب کو راولپنڈی بھیجنا ہے اور میرا کام یہ ہے کہ میں نے ایک Letter deliver کرنا ہے پنڈی کسی صاحب کو۔ تو میں ایک خادم کو بلاتا ہوں۔ میں اسے کہتا ہوں کہ یہ تیرا آنے جانے کا کرایہ ہے، یہ تیرا T.A/D.A ہے۔ یہاں تو رکے گا، یہاں کھائے گا۔ دیکھو! اس کو Letter دے کر آنا ہے، خواہ تین دن لگ جائیں اور دیکھو! اگر بور ہو گئے تو بے شک فلم وغیرہ بھی دیکھ لینا، انجوائے کرنا، گھوم پھر لینا، لیکن Letter دے کر آنا اور پھر تین دن بعد وہ صاحب دوبارہ میرے پاس آجاتے ہیں کہتے ہیں۔ پروفیسر صاحب! I enjoyed a lot, I ate very good, فلاں Cook تو بے مثال تھا اور وہ جو سیروز میں فلم لگی ہے، اس کا تو جواب ہی نہیں تھا۔ I enjoyed fully اور میں کہتا ہوں Letter? وہ کہتا ہے Sorry! I couldn't deliver it اب آپ میرا غصہ جان سکتے ہیں۔ میرا قہر جان سکتے ہیں......

انسان کے لیے مکمل پروٹوکول خداوندِ کریم نے اس لیے مہیا کیا کہ اگر میرے کھانے پینے کی ذمہ داری مجھ پر ہوتی تو اس سے بہتر میرے پاس کوئی Excuse نہیں تھا کہ جب اللہ مجھ سے پوچھتا کہ میں کون ہوں تو میں کہتا اللہ بابا! کوئی ٹائم مجھے ملا ہوتو میں تجھے بتاؤں۔ میں تو روٹی کے چکر میں پڑا رہا اور پھر تم نے اوپر سے مجھے بیوی دے دی، میں تو اس کے معاملے میں اٹکا رہا۔ پھر بچے دے دیے، میں کرتا کیا۔ مجھے تو ٹائم ہی نہیں ملا کہ اس سوال کا جواب ڈھونڈتا کہ ''مَنْ رَبُّکَ؟'' سو، خدا نے یہ عذر انسان سے چھین لیا۔ خدا نے ہر چیز کو اس کے لیے Higher degree of understanding پر پورا مرتب کیا۔ اس کے Sources مقرر کر دیے۔ اس کے اندازِ محنت مقرر کر دیے۔ اس کی زندگی کا ذرہ ذرہ اس کے مقسوم میں لکھ دیا اور پروردگار نے قرآن حکیم میں یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے نہ صرف انسان کا مقام لکھا:

"مستقرها ومستودعها'' (کہاں ٹھہرنا ہے، کہاں سونپا جانا ہے۔) بلکہ ''وما من دآبة في الارض الاعلى الله رزقها'' (ھود:٦) (اور زمین پر کوئی ایسا ذی حیات نہیں کہ جس کا رزق ہمارے ذمہ نہ ہو۔) آیئے اس آیت کو زمین کے معاملے میں چیک کر لیتے ہیں۔

ایک انسان کا یہ دعویٰ ہے کہ میں فلاں ہوں، سوچنے والا ہوں، رزق کمانے والا ہوں، میں رزق کما رہا ہوں مگر اس مخلوق کے بارے میں کیا کہیں گے کہ جس کے پاس یہ سارا شعور، محنت اور کوشش نہیں ہے۔ یہ Professions نہیں ہیں۔ Billions of creations of God on earth are such. کہ جن کا کوئی کسی قسم کا، اگلے دن کا، اگلے وقت کا، ایک لمحے کا بھی رزق ان کے علم میں نہیں ہے۔ جن کے پاس اتنا شعور بھی نہیں ہے کہ وہ اگلے وقت کے رزق کا حساب لگا لیں۔ کیا آپ انہیں Provide کرتے ہیں؟ جیسے پرندے ہیں، جیسے چیونٹیاں ہیں، جیسے وہ بے شمار مخلوقاتِ ارضی ہیں کہ جن کا کوئی کھانے، کمانے کا ایک Pattern اور ڈھنگ اللہ نے نہ لکھ دیا ہو۔ جب تک ان کو رزق ملنے کی جگہ تک نہ پہنچائے وہ نہیں پہنچ سکتے۔ ان کے پاس تو Ability ہی نہیں۔ اب آپ حضرتِ انسان کے بارے میں تھوڑا سا غور کر لیں۔ کیا آپ بچپن سے لے کر بلوغت کی عمر تک اپنا رزق خود کمانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ کیا بڑھاپے کے آخری وقت آپ اپنا رزق کمانے کے قابل ہوتے ہیں؟ خال خال چند ایک لوگ اس قابل ہوتے ہیں۔ کیا درمیان کا پانچ، دس یا بیس سال کا عرصہ آپ کو یہ Convince کرتا ہے کہ آپ اپنا رزق خود کماتے ہیں۔ مگر ذرا انصاف کیجیے۔ آپ تین سو آدمی بیٹھے ہیں۔ کیا آپ اپنے Profession سے Satisfied ہیں۔ Every body feels himself in the worng shoes. Everybody is dissatisfied اگر آپ اپنے Profession اور مقام سے Dissatisfied ہیں تو پھر یہ کام کیوں کر رہے ہیں؟ کیا آپ کو اپنی پسند کا کوئی جاب ملتا ہے؟ It never happens, You are forced into a pattern, into a profession which you ultimately have to do, why it is done so. تا کہ Friction پیدا نہ ہو، تا کہ Social Friction نہ پیدا ہو، تا کہ لوگوں میں High degree of resistances نہ پیدا ہوں، اور مخلوقاتِ عالم کا کام تواتر اور ترتیب سے چلتا رہے، تا کہ ہر بندہ

اپنے مقررہ رزق تک پہنچے۔

حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر ہر بات مقدر ہے تو پھر ہم کیا کریں؟ تو فرمایا، اللہ نے جب کسی سے کوئی کام کرانا ہوتا ہے تو اس کے مطابق اس کا خیال، اس کا Motivation Strong کر دیتا ہے، اور اس طرح وہ شخص بہر حال وہیں پہنچتا ہے اس لیے کہ پروردگار کے پاس دو کنٹرول ہیں۔ ایک کو ہم Total Control کہتے ہیں۔ ایک کو ہم Remote Control کہتے ہیں Remote Control کے بارے میں پروردگار نے ایسے نشان دہی کی "ما من دآبة الا هو اخذٌ بنا صيتها" (ھود:۵۶) (زمین پر ایسا کوئی ذی حیات نہیں ہے جسے ہم نے اس کے ماتھے سے نہ تھام رکھا ہو۔) اتفاق دیکھیے کہ ہمیں تمام ماڈرن Researches یہ بتاتی ہیں کہ دماغ کا وہ حصہ جو افعال کو حکم کرتا ہے وہ ماتھے کے پیچھے ہے۔ وہ حصہ جو آپ کو حرکت، قوت و ارادہ اور خیال دیتا ہے وہ ماتھے کے پیچھے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس Computer کو خداوند کریم Remote Control سے کنٹرول کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کوئی ایکسیڈنٹ نہ ہو، کوئی بچھو کسی کو نہ کاٹے، کوئی سانپ اپنی بل سے نہ نکلے، کوئی شیر نہ غرائے، اس لیے کہ پروردگار نے حوادث کی ترتیب میں، واقعات کی ترتیب میں، جو، جس سے کام لینا ہے یا وہ Willingly کرتا ہے یا Unwillingly کرتا ہے۔ جیسے اللہ نے زمین و آسمان کو بنایا تو اس سے کہا کہ چاہے تو خوشی سے میرے احکام کو مانو اور چاہے تو ناخوشی سے۔ نہ کرو گے تو تمہیں جبراً کرنا پڑے گا۔ تو زمین و آسمان نے کہا کہ ہم تیرے مطیع ہوئے، ہم نے اطاعت کی اور پوری Willingly ہم تیرے تابع فرمان ہوئے۔ "ذلک تقدیر العزیز العلیم" (یٰس:۳۸) (اور یہی تقدیر عزیز و حکیم ہے۔)

سوال: اگر ہوتا وہی ہے جو انسان کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے تو پھر انسان کی سعی کا کیا مقصد کیونکہ Remote Control تو خدا کے ہاتھ میں ہے؟

جواب: انسان کی تمام تر Efforts اس کی Probabilities کا سیٹ ہوتی ہیں اور انسان نے اپنی Probabilities کو ضرور Touch کرنا ہوتا ہے جیسے ایک شطرنج کے سولہ اور سولہ بتیس مہرے ہوتے ہیں مگر جب کمپیوٹر ان کی چال ریکارڈ کرتا ہے تو یہ ایک بلین سے زیادہ ہیں۔ اسی طرح انسان کے اعمال و افعال ایک General Probability میں جاتے ہیں۔

انسان کے نزدیک بہت ساری Probabilities Alive ہو سکتی ہیں کیونکہ اللہ نے اسے نعمتِ شعور بخشا ہے تو وہ بہت سارے Function ایسے کرے گا جو ان Probabilities میں واقع ہوں گے، مگر پہنچے گا اسی نتیجے تک، جس تک پہنچنا اللہ نے اس کے مقدر میں لکھا ہے۔ تو بہت ساری کوششوں کے ناکام ہونے کا یہ قطعاً مطلب نہیں ہے کہ انسان کی سعی رائیگاں جائے گی بلکہ وہ تمام سعی اس کے لیے ایک Probable امکان ہے اور ایک سیٹ میں وہ جا رہا ہے، جس میں سے بالآخر وہ حتمی طور پر اپنے نتیجے کی تکمیل کرے گا۔ تو میں نے جیسے آپ سے کہا، اللہ نے ہر چیز میں Wastage کی ایک Limit رکھ دی ہے۔ جیسے ہم بہت سارے پودے لگائیں اور بہت سارے پودے ضائع ہو جائیں گے، جیسے بارش گرے اور بہت ساری بارش ضائع ہو جائے تو Construction اور Creativity تھوڑی ہے اور Wastage

زیادہ ہے۔ اسی طرح انسان کے اعمال میں بھی ایک Certain degree of wastage ہے۔ انسان کی پیدائش میں بھی یہی Wastage ہے۔ اس کو Cosmic Law کہتے ہیں۔ ہزاروں لوگ اگر صحیح پیدا ہوئے ہیں تو Certain degree of wastage کئی لولوں لنگڑوں وغیرہ کی صورت میں ہوگی۔ مگر جب ہم خدا پر غور کرتے ہیں تو ہمیں Individual category سے ہٹ کر ایک Cosmic creater پر بھی غور کرنا ہوتا ہے جس نے بہت ساری چیزوں کے بہت سارے اصول بنائے ہیں اور ان میں سے ایک Law of wastage بھی ہے اور ہماری بھی بہت ساری کوششیں Wastage کا شکار ہوتی ہیں مگر ان Wastages کے بعد ہم اپنے مقدرات کو پا لیتے ہیں۔

سوال: اللہ کی قربت اس کے احکام کی تعمیل میں مضمر ہے۔ قرآن کا حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو۔ اس میں حضور ﷺ کی وضع قطع کی پیروی کا حکم شامل ہے۔ آپ کی ذات بطور شارحِ قرآن Disputed ہو جاتی ہے جبکہ آپ ایک سنت مؤکدہ سے محروم ہیں۔ یعنی داڑھی سے فارغ ہیں۔ یہ ایک مثال ہے کہ میں یہ سمجھوں کہ حضور ﷺ کی مکمل پیروی کرنے میں آپ کا نفس ہنوز مانع ہے؟

جواب: صاحب! سوال کرنے والے نے ایک تو اس کو سنتِ مؤکدہ لکھا ہے اور میں نے اسے ایسا کہیں دیکھا نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں ذرا پیچھے جانا پڑے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ میں اس پر کوئی عذر پیش نہیں کروں گا کہ میں نے داڑھی کیوں نہیں رکھی۔ کوئی عذر نہیں ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سنتِ رسول ہے اور میں ایک سنت کی متابعت نہیں کر سکا تو واقعی اس میں میری کوتاہی ہے لیکن اگر آپ تھوڑا سا غور کریں، بخاری اور مسلم کو دیکھ لیں تو کہیں چار ہزار سات سو بہتر متواتر احادیث میں جو ہمیں مستقل اور مکمل سنتیں ملتی ہیں، وہ کوئی چار ہزار سات سو کے قریب ہیں۔ وہ افعال و اعمال جو مسلسل حضور ﷺ دہراتے رہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں نے ایک ظاہری سنت کو پورا نہ کیا ہو مگر شاید میں جدوجہد کر رہا ہوں کہ چار ہزار میں سے بہت ساری کو پورا کر لوں۔ ہو سکتا ہے کہ سوال کرنے والے نے وہ ایک ظاہری پوری کی ہوئی ہو اور وہ باقی چار ہزار خالی ہوں۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہوگی کہ ہم ایک ہی سنت پر اساسِ علم اور زندگی کی بنیاد کر بیٹھیں۔ اب میں آپ کو تھوڑا سا Technical جواب دے دوں کہ داڑھی کیوں آئی؟ کس وقت آئی اور کس وجہ سے آئی؟ مجھے یہ اچھی طرح علم ہے کہ سائل کے علم میں یہ بات نہیں ہے۔ اگر ہے تو میں اسے سننا پسند کروں گا۔ تو دراصل بات یہ ہے صاحب! کہ شروع میں مسلمان اور کافر دونوں داڑھی منڈواتے تھے۔ پھر یہ سلسلہ چلتا رہا اور تلوار کے بلیڈوں سے لوگ داڑھی منڈاتے تھے۔ اس وقت ایسے چھوٹے چھوٹے بلیڈ تو ہوتے نہیں تھے۔ پھر حضورِ گرامی مرتبت ﷺ کو ہمیشہ یہ شوق رہا کہ چونکہ ہماری مشابہت اہلِ کفر سے زیادہ ہے تو انہوں نے اصحابِ رسول سے پوچھا کہ اس بارے میں اہلِ کتاب کا کیا رویہ ہے تو کہا کہ یا رسول اللہ! عیسائی ”راہب“ اور بنو اسرائیل کے ”ربی“ داڑھی رکھتے ہیں تو فرمایا کہ پھر ہمیں اہلِ کتاب سے مشابہت پسند ہے۔ تب مسلمانوں نے داڑھی رکھنی شروع کر دی۔ اتفاقاً عربوں میں داڑھی ہوتی ہی بہت کم ہے۔ دو چار بال، دس بال۔ بہت سارے لوگوں نے رکھ لی۔ پھر یہ سلسلہ چلتا رہا اور ایک طریقے سے یہ شناخت کرنے والی بات سنتِ رسول ہو گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں رہا۔ یہ Process جب آگے بڑھا تو دیکھنا یہ ہے کہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کیا کافر اور مسلمان میں Differentiate کرتی ہے یا اب مسلمان اور مسلمان میں Differentiate

کر رہی ہے؟ اگر آپ ایک اور آیت قرآن پر غور کریں تو خداوند کریم کہتے ہیں کہ:

”ان الذین فرقو دینھم و کانو اشیعا لست منھم فی شی ء“(الانعام:۱۵۹)

(کہ جن لوگوں نے اپنے اپنے دین میں فرق کر لیا اور وہ گروہ بن گئے تو اے پیغمبر! تو ان میں سے نہیں ہے۔)

اب اگر آپ اپنے ملک میں ہی تھوڑا سا غور کر لیں تو بڑی عجیب سی بات یہ نظر آتی ہے کہ جب لوگوں نے اپنے اپنے مسلک میں فرق کیا تو داڑھی واحد ایک ایسی چیز تھی کہ جو Symbol of groups بن گئی۔ یعنی آپ دور سے دیکھ کر ایک تبلیغی جماعت کے فرد کو کہہ سکتے ہیں کہ یہ تبلیغی ہے۔ تبلیغی جماعت کی داڑھی کا اپنا ایک سٹائل ہے۔ اسی طرح ایک جماعت اسلامی کے فرد کو دور سے ہی دیکھ کر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ Special Cut ہے۔ یہ ضرور جماعت اسلامی سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح کچھ عرصہ پہلے اگر آپ غور کریں تو مرزائیہ کو دور سے دیکھ کر یہ کہا جا سکتا تھا کہ یہ جو اتنی چھوٹی سی داڑھی بیچ میں گی ہوئی ہے یہ ضرور مرزائیہ کی ہے۔ تو بدقسمتی سے برصغیر میں Overall تمام تر داڑھی جو ہے۔ وہ گروہی مسلکوں کا نشان بن گئی اور ان کو ایک دوسرے سے Differentiate کرنا شروع کر دیا۔

میں نے ایک تبلیغی جماعت کے صاحب سے پوچھا کہ آپ داڑھی اتنی کیوں بڑھاتے ہیں کہ وہ بدزیب ہو جائے تو انہوں نے کہا کہ اس کو ہم نے بلیڈ نہیں لگانا، یہ نجی ہے۔ تو میں نے کہا کہ یہ بھی کوئی سنت ہے؟ یہ بھی کوئی آپ کے علم میں ہے کہ نجی داڑھی کو بلیڈ نہیں لگانا، یا اس کو قینچی نہیں لگانی حالانکہ ہمارے پاس روایت موجود ہے کہ جب ایک بدو نے بڑی خوفناک داڑھی رکھی ہوئی تھی، جھاڑ جھنکار رکھے ہوئے تھے، تو حضرت عمرؓ نے جب دیکھا تو سختی سے اسے بلایا، اس کا سر گھٹنوں میں دیا اور اسے کٹوایا۔ تو حضرت! اس کے بارے میں میری تشخیص یہ ہے کہ اب داڑھی کافر اور مسلم کے درمیان پہچان نہیں رہی بلکہ الٹا یہ گروہی علامات بن گئی ہیں اور بدقسمتی سے مجھ میں ایک تعصب بحیثیت امت رسول ﷺ کے بڑا سخت موجود ہے کہ میں کسی بھی گروہ میں کہلوانا پسند نہیں کرتا، کیونکہ جب قرآن نے یہ کہا کہ ”لست منھم فی شیء“ (جن لوگوں نے دین میں فرق کیا اور گروہ بن گئے۔ اے پیغمبر! تو ان میں سے نہیں ہے)۔ تو میں اپنا بنیادی تشخص بحیثیت ایک مسلمان کے کرتا ہوں، اور کرنا چاہتا ہوں اور اسی طرح مرنا چاہتا ہوں۔ بدقسمتی سے جن بارہ کروڑ لوگوں کو میں مسلمان سمجھتا ہوں ان میں سے اکثر میں یہ علامات نہیں۔ I am more approachable to them. دس دس یا پانچ پانچ لاکھ کے لوگ تو امت نہیں بنیں گے۔ امت تو یہ بنیں گے جسے آپ اجماع کہتے ہیں۔ خواہ وہ مصر میں ہیں، خواہ وہ پاکستان میں ہیں، خواہ وہ کہیں بھی دنیا میں موجود ہیں۔ If you count Muslims as one billion تو ان میں یہ گروہی Religious attitude اور Pattern نہیں آئیں گے۔

اب ایک Personal بات بھی آپ سے کہوں، بڑی معذرت کے ساتھ کہ ہر شاگرد کا استاد سے تعلق ہوتا ہے اور Mentally میں تصوف میں ”جنیدؒ“ سے تعلق رکھتا ہوں اور میرے شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ نے بھی ایک فتویٰ دیا ہوا ہے، وہ میں حجت نہیں سمجھتا، آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن مجھے وہ فتویٰ بڑا بہتر لگتا ہے۔ حضرت عثمان بن ہجویریؒ نے فرمایا کہ:

”جس سنت پر فسق و فجور کا گمان ہونا شروع ہو جائے اس کا ترک کرنا اس کے اپنانے سے بہتر ہے“

میرا خیال ہے کہ میں اس کی وضاحت نہیں کروں گا۔ میرے بہت سارے معزز دوستوں نے ماشاءاللہ تعالیٰ العزیز

سنتِ رسول اپنے چہروں پر سجا رکھی ہے اور میں ان کی قدر کرتا ہوں۔ میں اب بھی یہ کہتا ہوں کہ میں یہ وضاحت بحیثیت عذر کے نہیں دے رہا ہوں۔ میری اپنی ایک Understanding ہے۔ As a teacher, I approach to millions of people who can listen to me. اگر میری داڑھی ہوتی تو میں اتنا Approachable نہ ہوتا۔ مجھے زیادہ تعصب اپنے رسول کے دین سے اور اپنی بنیادی شناخت سے ہے۔

سوال: What are the superatural forces required by the mankind to fulfil the duration of his life. What were the processes through which a mystic undergoes for a long time with psychological or biological processes?

جواب: سوال یہ ہے جی! کہ ہمزاد کیا ہیں، روح، فرشتے، موکل، جنات، رجالِ غیب وغیرہ یہ Super Natural کا حصہ بنتے ہیں اور پوچھا یہ جا رہا ہے کہ ان Super natural Processes پر قابو پانے کا کوئی Special Processing ہے، کوئی وظائف ہیں، چلّے ہیں، یا کس قسم کی چیزیں ہیں؟ اصل میں ہمزاد کا جو Concept ہے، یہ تو صرف ہمارے برصغیر میں پایا جاتا ہے۔ یہ سحر کے علوم کا ایک حصہ ہے۔ یہاں اب آ کے بہت سارے Arts of concentration والے جو سکول ہیں، وہ بھی سمجھتے ہیں کہ We are in different auras, اور ان auras میں ایک physical aura ہے، ایک spiritual aura ہے، ایک acto plasm کا aura ہے، ایک endo plasm کا aura ہے۔ Infrared cameras کی مدد سے لی گئی تصاویر میں پتہ چلا کہ heat سے ہمارے اردگرد ایک خاکہ سا بنتا ہے۔ اسی طرح بہت ساری روایات جو Life there after کی ہیں، اس میں انسان کے جسمانی خاکے اور pattern کے علاوہ جو اس کا spiritual pattern ہے یا inward pattern یا endoplasm یا actoplasm کے auras سمجھے جاتے ہیں ان کو لوگ ہمزاد کی شکل دیتے ہیں۔ ایک Russian سائنس دان نے جو سائنٹفک توجیح دی ہے کہ جب ہم کسی تصور پر بے پناہ Concentrate کرتے ہیں، اور چونکہ ہمارا پورا برین ایک Light electric charge پر چلتا ہے، اگر وہ چارج دوسرے Cells کو نہ جائے اور ایک ہی Concept کو جانا شروع کر دے اور ایک ہی Picture کو، تو کچھ عرصے کی Concentration کے بعد انسان کا وہ Cell اتنا Activate ہو جاتا ہے کہ جو Figure اور جو Process اسے دیا جاتا ہے وہ اتنا Powerful ہو جاتا ہے کہ وہ انسان کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے اور فائدہ بھی۔ اگر اس پورے Activated Cell کو Human Brain کوئی Figure یا Face دے دے تو یہ ہمزاد کی ترتیب بن جاتی ہے۔

ابھی Genetic Engineering مصروف ہے مختلف Replicas بنانے میں اور ہمارے پاس قرآن اور رسول ﷺ کی شہادت موجود ہے کہ In the end زمانۂ دجال میں انسان ایک Exact Replica of a human nature بنانے کے قابل ہو جائے گا، اور Genes چونکہ ڈبل ہیں تو From any gene of a human body اس کا کوئی بھی ہم شکل Create ہو سکتا ہے۔ تو ہمزاد ایک تو نہیں، کروڑوں بھی پیدا ہو سکتے ہیں اور بعض اوقات پہلے زمانے کے لوگ جو ہیں، جیسے تبت کا لاما، افریقہ کا شامان اور ہندو یوگی High Concentration کے

ذریعے اپنے Self سے گزرنے کے Process اختیار کر کے فضا سے گزر کر Levitational سطح تک پہنچ جاتے تھے۔ But practically we have not such proof about that.

باقی رہا روح کے بارے میں تو اس میں میری اپنی ایک Personal Definition ہے۔ جب حضرت آدمؑ کو "ذریتِ آدم" دکھائی گئی تو حدیث ہمیں یہ بتاتی ہے کہ وہ باریک ترین ذرات کی صورت میں تھی۔ انتہائی چمکتے ہوئے باریک ترین ذرات---ورنہ Billions Of مخلوقات حضرت آدمؑ کو شاید ایک لمحے میں دکھائی نہ جا سکتیں۔ مگر وہ اتنے باریک ترین ذرات پر مشتمل تھی، کہ تمام "ذریت" آدم کی مٹھی میں سما گئی۔ I think this is one of the most sophisticated work of God. اور یہ وہ Chips ہیں جو ہر بندے میں ڈالے جاتے ہیں۔ چونکہ اس کا نکلنا، اس کا اخراج اور بعد کی شہادت جو ہمیں مہیا ہوتی ہے کہ روح یا تو ایک گندے کپڑے پر نکالی جاتی ہے یا ایک ریشمی اور ملائم کپڑے پر نکالی جاتی ہے اور روح کا بدن سے نکلنا ایسے ہی ہے جیسے چادر کو کانٹوں پر سے گھسیٹنا Now where it is placed and from where the angels dig it out ..... تو روح ایک اس "چپ" کی طرح ہے جو بنیادی طور پر ایک انسان کا پورے کا پورا امر ہے اور اسی لیے پروردگار نے انسان کی تخلیق اور اس کے ڈیزائن کے بارے میں جو احکامات دیے ہیں وہ اس روح میں موجود ہوتے ہیں۔ وہ ایک Finest possible electronic chip کی طرح ہوتا ہے اور جب اسے عالم برزخ میں ڈالا جاتا ہے، تو وہاں اسے Shape دی جاتی ہے۔ اسے عالم برزخ کبریٰ کہا جاتا ہے۔ اور عالم ناسوت اسے کہتے ہیں جہاں اسے وزن دیا جاتا ہے۔ روح کے آنے اور جانے کا Process ایک ہے، یعنی اس روح کو ایک Shape دی جاتی ہے۔ پھر اسے وزن اور باڈی دی جاتی ہے۔ جب رخصت ہوتا ہے تو باڈی پہلے کٹتی ہے پھر روح کی Shape میں جاتی ہے، پھر اس کی روح کو، جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ شہید کی روح پرندوں کے پوٹوں میں رکھی جاتی ہے جو جنت میں آویزاں ہوتے ہیں تو In any case it is one of the finest and smallest possible creation of God. اور اسی لیے جب پروردگار کو پوچھا گیا: "ویسئلونک عن الروح"

کہ روح کیا ہے۔ تو فرمایا کہ "قل الروح من امر ربی" (بنی اسرائیل: ۸۵) کہ یہ اللہ کا حکم ہے "وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً" (بنی اسرائیل: ۸۵) (مگر اس علم سے آپ کو کچھ کم دیا گیا ہے۔) اس لیے جتنا میرے فہم و فراست میں تھا وہ آپ کو پیش کر دیا۔

باقی رہے جنات، فرشتے، موکلات، یہ تمام اللہ کی مخلوقات ہیں البتہ انسان سے نیچے Degree of Creations ہیں۔ انسان سے اوپر بھی Degree of Creations ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات نہیں ہے بلکہ انسان "احسن تقویم" ہے۔ یعنی نیچے سے جبلی اور ارضی مخلوقات کی Best of the Averages ہیں اور اسی طرح اوپر سے ذہنی اور روحانی مخلوقات کی بھی Averages ہیں۔ تو بیچ میں انسان کو رکھا گیا۔ کہ جیسے نیچے کی Averages کا بہترین انسان ہے ایسے ہی اوپر کی Averages کا بہترین انسان ہے۔ اسی لیے پروردگار نے انسان کے بارے میں کہا: "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" (التین: ۴) کہ میں نے اسے بہترین تناسب میں رکھا۔ تو ہمارے اوپر جو مخلوقات ہیں۔ ان

میں جنات بھی ہیں، فرشتے بھی ہیں، شیاطین وغیرہ بھی ہیں۔ البتہ آخری لفظ جو پوچھا گیا ہے "رجال الغیب" یہ بڑا Special ہے۔

"رجال الغیب" کے بارے میں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ہر زمانے میں، کائنات میں، زندگی میں، ایسی مخلوقات موجود ہیں اللہ کی، اور ایسے بندگانِ خدا موجود ہیں جو اللہ کے کام سرانجام دیتے ہیں۔ مصیبت میں انسانوں کے لیے کام کرتے ہیں، جو بچھڑے ہوؤں کو ملاتے ہیں، جو گمراہوں کو راہ دکھاتے ہیں، جو بھٹکے ہوئے مسافروں کو رستے پر لاتے ہیں۔ ان کو "رجالِ غیب" کہتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی جو بہت بڑے محدث تھے، جو اب بھی اہل حدیث کے سرتاج ہیں۔ فوت ہو چکے ہیں۔ وہ یہ حدیث لائے ہیں۔ انہوں نے اس حدیث کو صحیح اور سندیافتہ قرار دیا ہے اور حدیث یہ ہے کہ "جب تم کہیں کھو جاؤ، تمہیں رستہ نہ ملے اور اکیلے ہو تو ضرور یہ دعا مانگو: اے اللہ کے بندو! اے رجال اللہ! میری مدد کو آؤ۔ مجھے رستہ دکھاؤ۔" تو نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں دریائے نرملا پار کر رہا تھا تو میری بہلی دریا میں پھنس گئی اور کسی طریقے سے نہیں نکلتی تھی تو میں دریا سے باہر آیا۔ کنارے پر کھڑا ہو گیا اور میں نے آواز دی: "اعینونی یا عباد اللہ" کہ ! اے اللہ کے بندو میری مدد کو پہنچو، کچھ دیر میں کھڑا رہا۔ جب میں نے پلٹ کر دیکھا۔ میری جو بہلی تھی وہ دریا سے نکل کر دریا کے کنارے پر آ چکی تھی تو میں نے اس حدیث کو لفظاً، سبقاً، تالاً، عملاً درست پایا۔ انہی کو ہم رجالِ غیب کہتے ہیں۔ انہی رجالِ غیب میں ابدال بھی ہیں اقطاب بھی ہیں، اغیاث بھی ہیں، نجیب بھی ہیں، نقیب بھی ہیں اور General اولیاء اللہ تعالیٰ جو "طے فی الارض" کے مالک ہیں وہ بھی ہوتے ہیں۔

سوال: مذہب اور دین میں کیا فرق ہے؟ آپ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے دودھ پر کچھ پڑھا تو کیا آپ یہ بتا سکیں گے کہ انہوں نے کیا پڑھا؟

جواب: یہ برکت کے الفاظ ہیں "اللھم بارک لی فیہ" احادیث میں یہ برکت کے الفاظ درج ہیں۔ حضور ﷺ کا یہ فرمانا ہی تمام قوتوں کے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر آپ کو "حصنِ حصین" کتاب مل جائے جسے حضرت امام بن محمد بن ادریس الشافعی الجزریؒ نے نقل کیا اور اس میں حضور ﷺ کی تمام دعائیں نقل کیں اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے اسے اردو ترتیب میں مرتب کیا۔ یہ بڑی خوبصورت حدیث کی کتاب ہے۔ جس میں رسول اکرم ﷺ کی تمام دعائیں موجود ہیں۔ جو مختلف مواقع پر مختلف چیزوں کی برکت کے لیے حضور ﷺ نے مانگیں۔ اگر احادیث سے ان دعاؤں کو Collect کرنا مشکل ہو تو اس کتاب سے Collect کرلیں۔ حصنِ حصین کا مطلب ہی ہے مضبوط ترین قلعہ، اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ دعا مومن کا قلعہ ہے اور اسی نام سے شیخ جزریؒ نے دعاؤں کو نقل کیا۔

دوسری بات جو آپ نے پوچھی: مذہب چلنے کے رستے کو کہتے ہیں اور رستے کے سارے قواعد کو دین کہتے ہیں۔ مذہب کا مطلب ہی چلنے کا رستہ ہے۔ It's a way to God. اور دین اس تمام طریقِ کار کو کہتے ہیں، جو کسی مذہب میں آپ وصول کرتے ہیں۔ اسی لیے دین کا مطلب ہے پورا پورا دینا۔ اسی لئے قیامت کے دن کو "یوم الدین" کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی آپ کر چکے ہوں گے اس کا صلہ پورا پورا ملے گا تو دین اس کو کہتے ہیں جو پورا پورا ملے۔ چونکہ پروردگار نے اسلام کے بارے میں پہلے ہی سے یہ کہہ دیا تھا کہ: "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی"

(مائدہ:۳)(آج ہم نے جو کچھ تمہیں دینا تھا وہ پورا پورا دے دیا ہے۔) یعنی جو System ہم نے آپ کے لیے ضروری سمجھا، جو Function کرنا ہم نے آپ کے لیے ضروری سمجھا وہ تمام، ہم نے آپ کو پورا پورا دے دیا اور System کے ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ خالی دین نہیں ہے بلکہ "واتممت علیکم نعمتی" یہ نعمت ہے جو ہم نے آپ کو دے دی۔ اب دین چاہیے کس کے لیے؟ مذہب کے لیے، اور مذہب کا صرف ایک مقصد ہے اور وہ خدا تک پہنچنا ہے "ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً" (اگر اسلام کے سوا کوئی کسی اور دین پر چل کر میرے پاس آیا) "فلن یقبل منہ" (آل عمران:۸۵)(تو میں قبول نہیں کروں گا۔) تو اسلام چلنے کا رستہ ہے اور جو Processing ہے اسلام کی، وہ دین ہے اور پورا پورا آپ کو دیا تا کہ اگر دس ارب انسان مسلمان ہو جائیں اور وہ Functionary طریقہ اسلام پر چلیں، تو ان میں سے کوئی نہ کوئی تو ضرور خدا تک پہنچے گا۔ کوئی نہ کوئی تو اس پانچویں جماعت سے ضرور آگے بڑھے گا۔ اسلام میں داخل ہونا، نماز پڑھنا، قرآن پڑھنا، روزے رکھنا، یہ ابتدا ہے۔ خدا تک پہنچنا، یہ انتہائے مقصدِ زندگی ہے۔ We start with it and we move on to God. عبادت جھکنا اور جھکانا نہیں ہے۔ عبادت Mode اور Attitude کا نام ہے۔ قرآنِ حکیم میں عبادت سے مراد پوری کی پوری Identification لی گئی ہے: "صبغة الله" (اللہ کا رنگ) "ومن احسن من الله صبغة" (البقرہ:۱۳۸) (اور اللہ کے رنگ سے بھی کوئی رنگ بہتر ہے، جس میں وہ رنگتا ہے۔) "ونحن له عبدون" (اور ہم عبادت کرنے والے ہیں۔) تو یہاں عبادت ہے: "صبغة الله" (اللہ کا رنگ) یہاں اس کے پورے مفہوم میں خدا کے رنگ میں رنگا جانا عبادت ہے۔ Identification with the properties of God. اسی لیے تصوف میں صفاتِ الٰہیہ کو صفاتِ انسانیہ کی جگہ اختیار کرنے کو "فنا فی اللہ" کہتے ہیں۔ مثال اس کی یہ ہے کہ اگر میں غصے میں ہوں تو میرا غصہ میرے اور خدا کے بیچ میں حائل ہے تو میں ایسے Processes اختیار کروں گا جو میرے غصے کو کم کریں اور جب میرا غصہ کم ہوگا تو اس کی جگہ اللہ کی شانِ رحیمی داخل ہوگی اور میں صفاتِ انسانی سے گزر کر صفاتِ رحم و کرم تک پہنچوں گا۔

وما علینا الا البلاغ

اسلام میں علمیت اور عملیت

اعوذ باللہ السمیع العلیم ؕ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
رب ادخلنی مدخل صدقٍ و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا

”اسلام میں علمیت اور عملیت“ یہ موضوع کوئی نیا موضوع نہیں ہے بلکہ جب سے سلطنتِ اسلامیہ کو زوال شروع ہوا اور جب سے مسلمانوں نے غور و فکر اور سوچنا سمجھنا بند کر دیا اور جب سے ملتِ اسلامیہ زوال پذیر ہوئی۔ اس کا نقطۂ عروج ہی اس کا نقطۂ زوال ہے اور سولھویں صدی کا وہ وقت کہ جب مسلمان نقطۂ عروج کو چھو چکا تھا اور دنیا کی بہت بڑی بڑی قوتیں مسلمانوں کی باجگزار ہو چکی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک وقت مسلمانوں پر ایسا آیا کہ وہ یہ بھول گئے کہ سادہ اور Simple طاقت کبھی بھی دنیا میں عروج کا باعث نہیں بنتی اور مسلمانوں کے لیے تو بالکل ہی نہیں بنتی۔ ایک اندھی طاقت اور ایک ایسا فخر و غرور جو مسلمانوں میں سولھویں صدی کے انجام تک پیدا ہو چکا تھا، وہ ان کے زوال کا پیش خیمہ بنا اور یہ ایک ایسی قوم تھی کہ جس کے چہرے تو بدلتے رہے، جس کے بادشاہ تو بدلتے رہے، جس کے اراکین اور افسران تو بدلتے رہے مگر جب سے محمد رسول ﷺ نے خلافتِ ارضی کی اہلِ اسلام کو بشارت دی تب سے لے کر سولھویں صدی تک یہ ہمیشہ غالب رہی۔

خواتین و حضرات! پوچھا یہ جاتا ہے کہ اسلام آج کیوں رسوا و ذلیل ہے؟ اسلام پہلے کیوں بلند مرتبہ اور عزت والا تھا؟ سوال یہ پوچھا جاتا ہے کہ آج وہ کیا نقص واقع ہو گیا کہ یہ ملتِ اسلامیہ دن بدن روبہ زوال ہے؟ ایک بڑا خوبصورت سوال کسی نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اگر اسلام بہترین مذہب ہے۔ اگر اسلام بہترین نظامِ حیات ہے۔ اسلام ہی بہترین نظامِ اخلاق ہے اور اس میں ہر شے ہی بہترین ہے تو یہ پست ترین حالت میں کیوں ہے اور آج یہ دنیا کے دوسرے نظام ہائے سلطنت کے مقابلے میں کم تر کیوں ہے؟ اور آج اس کی پستی کا یہ عالم کیوں ہے کہ دنیا کا ہر سسٹم اس پر فوقیت اور عزت کا دعویٰ رکھتا ہے۔

خواتین و حضرات! ایسا تو نہیں تھا۔ تاریخ ایک فیصلہ کن امر ہوتی ہے۔ تاریخ ہی دنیا کے بہت سارے مسائل اور امور پر فیصلہ دیتی ہے۔ آنے والا وقت ہی گئے ہوئے اوقات کی اصل نوعیت بتاتا ہے۔ یہ دنیا کا وہ واحد نظام ہے جو بارہ سو سال مسلسل غلبے میں رہا اور یہ واحد نظام ہے دنیا کا، جس نے کبھی اپنے تسلسل میں طاقت کو خیرباد نہیں کہا۔ دنیا کا اور

کوئی نظام ایسا نہیں ہے، نہ تو Greek democracy نہ Roman Imperialism نہ سوشلزم، نہ کمیونزم کوئی نظام ایسا نہیں رہا جس نے دنیا پر بارہ سو سال حکومت کی ہو۔ دنیا کے حقائق اور Data کو دیکھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ ایک Permanent غلبے کی حیثیت اگر کسی System کو اس دنیا میں حاصل رہی، ایک ایسی دنیا میں، جسے ہم صرف Data اور اعداد سے پرکھتے ہیں تو سب سے حیرت انگیز بات جو ہمارے علم میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ تمام کے تمام System فیل ہو گئے۔ کوئی سو برس میں فیل ہو گیا، کوئی ڈیڑھ سو برس میں فیل ہو گیا۔ حتیٰ کہ آج کا سب سے مقبول ترین سسٹم جسے ہم Democracy کہتے ہیں، یہ بھی پہلی دفعہ نہیں آیا اور Periclese کی Democracy جو یونانیوں کے عصر میں تھی اور جو اپنی نوعیت اور انداز میں مختلف تھی، اس کا بھی Failure ہوا۔ آج کا سوشلزم بھی نیا نہیں ہے بلکہ جیسے اقبال نے کہا کہ:

؎ مزدکیت فتنۂ فردا نہیں امروز ہے

کہ مزدک کے زمانے میں جب ایران میں پہلی سوشلسٹ کمیونسٹ تحریک شروع ہوئی اور یہاں Equal Distribution کا Concept آیا تو وہ بھی دو، چار، بیس سالوں سے آگے نہیں بڑھی۔ اسی طرح Greek Democracy آگے نہیں بڑھی اور وہ Imperialism جو Rome نے تخلیق کیا اور جہاں روم کے لوگ اپنی تعریف و توصیفِ نظام میں اتنا آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے اپنے Caesars کو God کہنا شروع کر دیا۔ وہ نظام بھی دو تین سو سال سے آگے نہ بڑھا۔ مگر ایک نظام، جو آقا و رسول ﷺ نے قائم کیا۔ ایک میثاق، جو مدینے میں لکھا گیا۔ ایک نظام، جس کی بنیاد چند درویشوں نے رکھی وہ، بارہ سو سال تک دنیا میں فاتح و غالب رہا اور اتنی طویل مدت کسی اور نظام کو اپنے نفاذ میں نصیب نہیں ہوئی۔

خواتین و حضرات! یہ تو کہا جاتا ہے کہ اسلام اپنے نفاذ کے فوراً بعد ہی کچھ اختلافات کا شکار رہا، کچھ بحرانوں کی زد میں آیا مگر اس کا جو بنیادی Core تھا، اس کی بنیاد جس انصاف اور Equality of Chances پر قائم تھی، وہ بنیاد جن میں justice تھا، وہ بنیاد جس میں لوگوں کو زکوٰۃ و صدقات کے ذریعے کبھی ایسی فاقہ زدگی نصیب نہیں ہوئی اور یہ دنیا کا واحد نظام ہے جس میں کبھی کوئی Mass Revolution نہیں ہوئی اور خواتین و حضرات! یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ اس میں کوئی Mass Revolution کیوں نہیں ہوئی؟ بادشاہ بدلتے رہے ایک کی جگہ دوسرا بادشاہ آتا رہا مگر نظام نہیں بدلا۔ لوگوں نے بغاوت نہیں کی۔ بھوک کے ہاتھوں عاجز آ کر، غربت و افلاس کے ہاتھوں عاجز آ کر، کمیابیوں کے ہاتھوں عاجز آ کر کوئی Mass Revolution اسلام کے ان پندرہ سو سال میں Exist نہیں ہوئی اور صرف یہی نہیں ہوا بلکہ Equal Oppourtunities کا یہ حال تھا کہ وہ بحث جو کارل مارکس نے Das Capitas(1) میں کی، وہ جو غلام اور آقا کی جنگ کے بارے میں ہے— کہ غلام ہمیشہ آقا کے پس منظر میں رہا اور آقاؤں نے ہمیشہ لوگوں کو غلام رکھا۔ یہ ایک ایسا Synthesis صرف اسلامی حکومتوں میں Build ہوا کہ تاریخِ اسلام میں کم از کم تین بادشاہ خاندان ایسے جانے جاتے ہیں جنہیں خاندانِ غلاماں کہا جاتا ہے۔ ویلمیہ، مصر میں غلاموں کی حکومت اور ہندوستان میں خاندانِ غلاماں اور پھر پوری کی پوری تاریخِ اسلام ان غلاموں کے ذکر سے مزین ہے کہ جنہوں نے عالمِ اسلام میں آزاد لوگوں سے بھی زیادہ

عزت و حرمت پائی۔ ان کا اقتدار لوگوں کے دلوں پر قائم تھا۔

امیر عبدالملک بن مروان ایک دفعہ مدینے کی سیر کو گیا۔ حج کا موقعہ بھی تھا تو اس نے اپنے ایک مصاحب سے پوچھا کہ مدینے کا بڑا فقیہہ کون ہے؟ اس نے کہا ''اعمش'' اس نے پوچھا کہ مکہ میں فقیہہ کون ہے؟ تو اس نے کہا ''انس بن مالک'' اس نے کہا کہ کوفہ کا بڑا فقیہہ کون ہے؟ اس نے کہا ''نعمان بن ثابت'' اس نے پوچھا کہ بصرہ کا بڑا فقیہہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا ''خواجہ حسن بصری'' اس نے پوچھا کہ اعمش کون ہے؟ اس نے کہا کہ غلام زادہ ہے۔ اس نے پوچھا ''انس بن مالک کون ہے؟'' اس نے کہا کہ آقا! آزاد کردہ غلام ہے۔ اس نے کہا کہ ابوحنیفہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ آزاد کردہ غلام ہے۔ اس نے پوچھا کہ حسن بصری کون ہے؟ اس نے کہا کہ آزاد کردہ غلام ہے۔ تو عبدالملک بن مروان نے کہا ''ہائے افسوس! کہ آزاد لوگوں کے ہاتھ سے حکومت نکل گئی''۔ اور اس کا اشارہ حکومتِ علمیہ کی طرف تھا کہ باوجود اس دنیاوی بادشاہت کے ہمارے ہاتھوں سے دلوں کی حکومت نکل گئی۔ ہمارے ہاتھ سے لوگوں کی باگ دوڑ چھن گئی۔ اس لیے کہ یہ وہ حکمران ہیں، یہ وہ غلام ہیں کہ جن کو اللہ نے اتنی عزت بخشی ہے۔ ''حسن از بصرہ بلال از حبش صہیب از روم'' یہ اتنے اتنے بڑے غلام کہ جن کو آزاد لوگوں نے اپنا آقا سمجھا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ بلال حبشیؓ سے ناراض ہوئے اور اسے غلام زادہ کہہ دیا۔

حضرت بلال حبشی رسول اللہ ﷺ کے حضور آئے اور شکایت کی کہ اے اللہ کے رسول! آج عمرؓ بن خطاب نے مجھ پر طنز کی اور مجھے غلام زادہ کہا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر! ابھی تک تم میں سے عصبیت کی راہیں گئی نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ اتنے پریشان اور شرمندہ ہوئے، اتنے خاسر و خائب ہوئے کہ اپنا منہ زمین پر رکھتے تھے اور بلال کو کہتے تھے کہ اے اللہ کے بندے میرے منہ کو اپنے پاؤں سے مَسل تا کہ اس عربی سردار کو ایک غلام زادے کی حقیقت معلوم ہو، تو یہ انقلاب، یہ Revolution یہ انداز فکر کسی طاقت سے نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ محض اعمال سے نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ یہ انداز فکر ایک انتہائی گہری سوچ، ایک بہت بڑے Moral انقلاب سے پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسا Moral انقلاب، ایسی گہری فکر، ایسی ذہنی تبدیلی اور ایسا اخلاص اپنی Committment کے ساتھ..... جہاں Accountability کے Centre کا علم نہ ہو، جہاں احتساب کا کوئی Centre نہ ہو، جہاں غور و فکر کی کوئی اساس نہ ہو، جہاں جواب دہی کے لیے کوئی معیار نہ ہو وہاں انسانوں میں اس قسم کا کردار پیدا نہیں ہو سکتا۔

خواتین و حضرات! یہ وہ اسلام تھا جو زوالِ سلطنتِ عثمانیہ کے بعد مسلسل بحرانوں میں آیا۔ آخر اس کی وجہ کیا تھی؟ اگر آپ غور کریں تو ان تین سو برسوں میں جہاں کچھ طاقت ور لوگ مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔ کچھ بادشاہ رہے۔ کوئی ایسا بڑا عالم نہ پیدا ہوا۔ کوئی ایسا بڑا Mystic نہ پیدا ہوا۔ کوئی ایسا بڑا خدا شناس نہ پیدا ہوا کہ جو لوگوں کو دوبارہ ان کی Sense of priority دیتا۔ جو لوگوں کو دوبارہ ان کی ترجیحات بتاتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اور زمانے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے نشۂ فتح نے، ان کے غرور و تکبرات نے جس چیز سے ان کو ناآگاہ کر دیا، وہ ان کی ترجیحِ اول کا احساس تھا۔ وہ انکسارِ علمیہ کھو گیا، وہ تلاش و جستجوئے حقیقتِ خداوند کھو گئی، وہ محبت اور اخلاق کھو گیا جس سے ایک آغاز ہوا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا اور نہ اس کا رسول تمام زمانے سے ایک جیسی وجاہتِ علمیہ کے طلب گار نہ تھے اور جب حضور ﷺ نے یہ

فرمایا کہ سب سے بہتر زمانہ میرے اصحاب کا زمانہ ہے اور اس کے بعد میرے اصحاب کے اصحاب کا زمانہ ہے۔ پھر اس کے بعد ان کے اصحاب کا زمانہ ہے۔

خواتین وحضرات! تو آخر اصحاب میں ایسی کیا بات تھی کہ ان کا بہترین زمانہ تھا۔ آخر ان میں ایسی کیا بات ہو گی؟ صرف اس لیے کہ انہوں نے ایک انتہائی محترم اور مکرم ہستی کو دیکھا تھا۔ کیا کسی مکرم اور محترم ہستی کو دیکھنے کے بعد وہ سارے کا سارا زمانہ تہذیب پا جاتا ہے؟ کیا محمد رسول ﷺ کے زمانے میں ہی، وقت کا سب سے بڑا جاہل ’’ابوجہل‘‘ موجود نہ تھا؟ کیا اگر ایک طرف ’’عمرؓ بن خطاب ؓ‘‘ تھے تو دوسری طرف ’’عمر بن ہشام‘‘ نہ تھا؟ کیا رسالت کی خوبیاں باقی قریش کو نظر نہ آتی تھیں؟ آخر یہ اصحاب رسول اس لحاظ سے کیوں ممتاز تھے؟ آخر یہ کس لحاظ سے اتنے بڑے تھے؟ اتنے معزز تھے کہ فرمایا، ’’میں ایک ایسا آفتاب ہوں کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں اور جہاں بھی ان کو پاؤ، ان سے ہدایت حاصل کرو۔‘‘ تو تمام اصحاب رسول کی جو ایک مکمل اور کامل صفت تھی، جو انہوں نے اپنے پیغمبر سے سیکھی تھی کہ ہر حال میں ترجیحِ اول، اللہ ہے۔

خواتین وحضرات! جب کوئی بڑا استاد بلند ہوتا ہے۔ جب کوئی بڑی یونیورسٹی تخلیق ہوتی ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ یونیورسٹیاں عام استادوں سے نام نہیں پاتیں۔ یونیورسٹیاں بڑے استادوں سے نام پاتی ہیں۔ جب کسی یونیورسٹی کو اپنے Academics پر فخر کرنا ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ اس استاد کا نام ضرور لیتی ہیں جو اس درسگاہ سے یا تو پڑھ کر گیا ہو یا اس نے وہاں پڑھایا ہوتا ہے۔ آج بھی یورپ کی تمام بڑی یونیورسٹیوں کو دیکھ لیں۔ کسی کا کریڈٹ یہ ہوگا کہ اس میں آئن سٹائن نے پڑھا ہوگا اور کسی کا کریڈٹ یہ ہوگا کہ اس میں ہاپکنز نے اپنی پی ایچ ڈی مکمل کی ہوگی۔ کسی کا کریڈٹ یہ ہوگا کہ یہاں Watson نے Genetics میں Research کی ہوگی۔ London school of economics میں Adamns گیا ہوگا۔ تمام یونیورسٹیاں ان عظیم ناموں سے، ان بڑی مشعلوں سے روشنی پاتی ہیں جو کبھی ان درسگاہوں کو مزین کرتی ہیں۔ مگر کائنات میں ایک ایسی درسگاہ بھی پیدا ہوئی، ایک ایسا استادِ عظیم بھی پیدا ہوا کہ جن کو بدترین کلاس عطا کر دی گئی۔ جو پڑھنے کے لیے بھی نہیں آئے تھے۔ جو اتنے بدتمیز اور بدخلق تھے بحیثیت شاگرد کے کہ اپنے استاد کو کانٹوں پر گھسیٹتے تھے۔ جو ان کی گردن میں جانوروں کا گوبر ڈال دیتے تھے۔ جو ان کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتے تھے۔ جو صبح و شام ان کی زجر وتوبیخ کیا کرتے تھے۔ ایک ایسے استاد کو ایسی بدترین کلاس دے دی گئی مگر خواتین وحضرات! آقا ورسول کا جو سب سے پہلا اور آخری بڑا منصب تھا، وہ ایک استاد کا منصب تھا۔ ایک ایسا استاد جس نے اس بدترین کلاس کو کوئی چھڑی نہیں ماری۔ کوئی طعنہ نہیں دیا۔ کسی پر اپنی ذاتی ناراضی کا بوجھ نہیں ڈالا۔ اس عظیم استاد نے اس بدترین کلاس کو اپنی تعلیمات سے اصحاب رسول میں بدل دیا۔ اتنے بڑے لوگوں میں بدل دیا۔ مگر آخر وہ کیا تعلیم تھی کہ اصحاب ہم سے بہتر تھے اور آج بھی بہتر ہیں۔ آج بھی کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کو وہ Certificate حاصل ہے، جو اس جماعت کو اللہ کی طرف سے ان کی زندگیوں میں ہی عطا کر دیا گیا تھا۔ کسی کو عشرہ مبشرہ کا ٹائٹل دیا گیا۔ کسی کو کہا گیا کہ ان کے اگلے اور پچھلے سارے گناہ معاف کیے۔ اصحاب بیعتِ رضوان کو کہا گیا کہ یہ سب جنت کے لوگ ہیں اور تمام اصحاب کو من جملہ کہا گیا کہ رضی اللہ عنہم ورضی عنہ کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ (مجادلہ: ۲۲) آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی

ہے؟ وہ وجہ کہ جس کو تمام تر جدوجہد کے باوجود ہم حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ وجہ کہ جس میں وہ اتنے ڈوبے ہوئے تھے کہ ان پر اس کے سوا اور کسی قسم کے سبق کا اثر نہ ہوا تھا۔ یہ ان کی ترجیحِ اول تھی۔ انہوں نے جس استاد سے یہ سبق سیکھا تھا۔ اللہ کے رسول نے ان کو اپنی ذاتی زندگی سے یہ سبق دیا تھا کہ کائنات اِدھر کی اُدھر ہو۔ اپنی پوری زندگی میں، اپنی تمام ذہنی، عقلی اور جسمانی زندگی میں تم نے سب سے پہلے ترجیح جسے دینی ہے، وہ اللہ کو دینی ہے۔ مذہب تمام اللہ کے لیے اور تمام مذہب کا مقصد خدا کا عرفان ہے۔ خدا کی شناخت ہے۔ ایسا مذہب جس میں خدا کی طلب و جستجو اور آرزو نہ ہو، محض رسم و رواج کا ایک مجموعہ، محض ایک ڈھکوسلہ ہے۔

خواتین و حضرات! یہ وہ اصحاب تھے، جن میں سے ہر فردِ واحد جانتا تھا کہ میری ذہنی، علمی اور قلبی ترجیح صرف اللہ ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ ہم ایک برائی کا شکار ہوتے ہیں۔ ہم پہ ایک المیہ گزرتا ہے، ہم اپنی ایک خامی جانتے ہیں مگر اس کو چھوڑتے چھوڑتے، اس کو ترک کرتے کرتے سالہا سال گزر جاتے ہیں۔ کیا یہی طریق تھا اصحاب کا؟ مگر ادھر آواز آتی ہے اور یاد رکھیے! کہ اہلِ عرب Alcoholic ہو چکے تھے۔ کثرتِ شراب ان کی گھٹی میں تھی۔ مگر ادھر سے آواز پڑتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب حرام قرار دے دی ہے اور ادھر تمام اصحابِ رسول، دوسرے لمحے کا توقف نہیں کرتے۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے لمحے کا انتظار نہیں کرتا۔ اتنی Quick, اتنی تیز واپسی ہے ان کی، احکامِ پروردگار کی طرف کہ وہ سال اور مہینہ نہیں لگاتے۔ وہ غور و فکر کی لاتعداد ساعتوں میں نہیں پڑتے۔ ان کو یہ اچھی طرح علم ہے کہ ان کی Priority کیا ہے؟ ان کی محبتوں اور توجہات کا مرکز کون تھا۔ وہ کس کے لیے جی رہے تھے؟

”قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمینO“ (الانعام:۱۶۲)

(کہہ دو کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔)

ان کو یہ سبق پڑھایا تھا اس استادِ عظیم نے کہ زندگی، موت، قربانی، ہمارے تمام تر Choices اللہ کے لیے ہیں۔ خواتین و حضرات! ہمارے یہ Chioces کھو گئے۔ ہماری ترجیحات کھو گئیں۔ ہم علمیت کے اس مقام سے، غور و فکر کے مقام سے گر گئے۔ ہمارا علم محض ان حدود تک رہ گیا جو دنیاوی تھیں۔

علم کے تین مقاصد گنے گئے ہیں۔ تمام دنیا میں علم کے چار Sources اور تین مقاصد ہیں:

علم برائے خدا
علم برائے علم
علم برائے سہولتِ دنیا

ذرا غور فرمائیے کہ علم برائے خدا کا نام و نشان مٹ گیا۔ علم برائے علم کی گنجائش تک نہیں چھوڑی ہمارے لوگوں نے۔ تمام کی تمام صلاحیت صرف اور صرف دنیا کے لیے وقف ہو کر رہ چکی ہے۔ ہمارے تمام علوم کی تحصیل کا صرف ایک مقصد ہے کہ ہم دنیوی وجاہتیں اور مرتبے حاصل کریں۔ ہم نے اپنے لیے کسی اور مقصد اور مرکز کو چنا ہی نہیں۔ آج آپ کسی ماں سے پوچھ لو۔ کسی باپ سے پوچھ لو، کہ بچے کو کیا بنانا ہے؟ بچہ Engineer بنے گا۔ بچہ ڈاکٹر بنے گا۔ بچہ

Specialist بنے گا۔ بچہ فوجی بنے گا مگر بچے کو اچھا مسلمان بنانا کسی ماں باپ کا مقصدِ حیات نہیں ہے اور کچھ ذہنی الجھنوں کے مارے ہوئے جو اپنے Guilt کو چھپاتے پھرتے ہیں۔ خود تو ان کو قرآن سے مَس نہیں ہوتا، انہوں نے خود تو کوئی تعلیماتِ مذہبی نہیں لی ہوتیں، وہ اپنی اس کم فہمی کا بدلہ اپنے بچوں کو حافظِ قرآن بنا کر لیتے ہیں۔ وہ مجبور بچے، جب اپنے ماں باپ کو دیکھتے ہیں کہ ان کی تعلیمات کی روش اور ہے، ان کا اندازِ فکر اور ہے تو وہ یہ سوچتے ہیں کہ ہم نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم حفظِ قرآن میں پڑ گئے ہیں اور باقی مشاغلِ دنیا سے ہمیں دور کر دیا گیا اور یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ تمام کا تمام قرآن ایک غلامانہ ذہنیت کے تحت پڑھا جا رہا ہے۔ آج کا بچہ، آج کی مساجد اللہ کیا اس لیے وقف ہیں کہ قرآن پڑھانے کے لیے بچے بلائے جائیں اور بچے جب گھر سے قرآن پڑھنے نکلتے ہیں، ان مساجد اللہ سے نکلتے ہیں تو ان کے ذہن میں نہ تالیفِ قلب ہوتی ہے، نہ کسی مردے کی اذیت کم کرنی ہوتی ہے، نہ کسی کے لیے ثواب کمانا ہوتا ہے، صرف چاول کھانے ہوتے ہیں۔ صرف اس صلے کے انتظار میں کہ جو بعد میں انہیں قرآن پڑھنے کے بعد ملے گا، وہی ان کے مطمحِ نظر ہوتا ہے۔

خواتین و حضرات! ایسے قرآن پڑھانے کا کیا فائدہ؟ جو تمام تر آپ میں صرف مغلوبیت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ کیا خوب بات کہی تھی اقبال نے:

از غلام لذتِ قرآں مجو
گرچہ باشی حافظِ قرآن مجو

غلام سے لذتِ قرآن مت طلب کر، اگرچہ وہ حافظِ قرآن ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ جس کا ذہن آزاد نہیں، جس کی طلب آزاد نہیں جس کی توجہ کے مرکز میں الٰہیات کی کوئی صورت نہیں، اس نے خدا کو سمجھنے کے لیے قرآن یاد نہیں کیا، نہ پڑھا، اس نے حکمتِ الٰہیہ کے رازوں کو پرکھنے کے لیے قرآن نہیں پڑھا، نہ سمجھا۔ اس نے محض اپنے ہی رزق کے لیے، جب اور کوئی کام نہ ملا، جب وہ اچھا Computer کا Specialist نہیں ہو سکتا تھا۔ جب وہ میٹرک پاس نہیں کر سکا تو میرا خیال یہ ہے کہ جو بچا کھچا علم تھا وہ قرآن رہ گیا اور اسے مسجد میں ڈال دیا گیا کہ چلو قرآن حفظ کر کے دو چار وقت کا کھانا تو بنا لے گا۔

خواتین و حضرات! اس عظیم ترین علم کے ساتھ یہ ہوا، اس کو ایک اعلیٰ ترین Academics سے نکال کر اس پست ترین حالت میں ڈال دینا۔ اس کو میں کس کی سازش کہوں؟ کیا میں اسے اہلِ یورپ کی فکر و دانش کا کمال کہوں یا اپنے لوگوں کا تساہلِ فکر کہوں کہ جنہوں نے قرآنِ حکیم کو، اس عظیم ترین کتابِ علم کو اتنا کمتر Rank دیا، اتنا حقیر درجہ دیا کہ وہ دنیا کے تمام علوم سے پست تر ترجیح میں آ داخل ہوتا ہے اور جب آپ کا بچہ اور آپ کی بچیاں کسی اور بہتر علم کے حصول میں اپنے آپ کو ناکام پاتی ہیں تو ایک بچا کھچا طریقہ یہ ہے کہ ان کو قرآن پڑھا دو۔ قرآن حفظ کروا دو۔ یہ حفظ کرنے والے آپ کو کیا صلاحیتِ فکر دیں گے؟ کیا علمیت دیں گے؟ کیا دانش دیں گے؟ کیا قرآن اسی standard کی کتاب تھی؟ کیا یہ اسی درجے کا علم تھا؟ مگر خواتین و حضرات! یہ تو بڑی عجیب و غریب سی کتاب ہے۔ یہ تو پروردگارِ عالم کا ایک ایک لفظ ہے۔ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خیالِ خدا ہے اور حرفِ رسول ہے ان کو بڑی غلط فہمی ہوگی۔ اللہ کہتا ہے کہ اس لفظ کو نازل کرنے سے پہلے میں نے اسے بہت سوچا، بہت پرکھا۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ آپ نے قرآن و حدیث میں ایک فرق پایا ہوگا کہ قرآن

کی علامات آفاقی ہیں۔ جو کل سچ تھا وہ آج بھی سچ ہے۔ قرآن کی Language عجیب Language ہے کہ پندرہ سو برس پہلے کی Language آج بھی بعینہٖ اسی طرح درست ہے جس طرح پہلے دن تھی۔

ایک عجیب واقعہ آپ کو Language کی Development کا سناتا چلوں۔ کوئی دنیا کی Language اتنا طویل عرصہ اپنا فصاحت و بلاغت کا Standard Maintain نہیں رکھ سکتی۔ ابھی میں آپ کو پندرھویں صدی کی انگریزی سناؤں اور آج کی انگریزی سناؤں کہ تین سو برس پہلے کی انگریزی اور آج کی انگریزی میں کتنا فرق ہے تو ذرا غور کریں۔ ایک دو Sentenses آپ کو سناتا ہوں۔ پہلے آپ کو ماڈرن انگریزی سنالوں تاکہ وہ انگریزی آپ کو عجیب نہ لگے:

When that April with its showers sweeth, hath pierced into the roots.

یعنی جب وہ موسم بہار آئے اور موسم بہار میں برسات کے قطرے درختوں اور پودوں کی جڑوں تک چلے جائیں۔

اب ذرا پرانی انگریزی سنیئے:

Whan that Aprille with its showers soote the droughte of March hath perced to the roote.

کیا آپ کو یہ وہی انگریزی لگتی ہے؟ یہ صرف تین سو برس کا فرق ہے کہ انگریزی کی ماہیت، اس کی نوعیت، اس کا لہجہ اور اس کی Graphics تک بدل گئی ہیں، مگر قرآن حکیم کو دیکھئے کہ پندرہ سو برس سے اس Language میں ایک Dot کا بھی فرق نہیں پڑا۔ ایک زیر اور زبر میں فرق نہیں پڑا۔ اس کی معلومات میں فرق نہیں پڑا۔ انداز تخاطب میں فرق نہیں پڑا۔ اس کی Tone میں فرق نہیں پڑا۔ اس کے تحکم میں فرق نہیں پڑا۔ نہ پہلے اس کو کوئی Challenge تھا۔ نہ اب کوئی Challenge ہے۔ ذرا دیکھئے! Challenge کیسے ہوتے ہیں؟ پہلے خدا کہتا تھا کہ اگر تم میں سے کسی کو زبان دانی کا دعویٰ ہے تو پھر ایسے کرو کہ:

”فاتو بسورۃ من مثلہ“ (البقرۃ:۲۳)

تو اس جیسی ایک سورۃ لا دو۔

خواتین و حضرات! اس عرب قدیم میں جہاں بڑا بڑا لسان موجود تھا۔ ”امراء القیس“ موجود تھا۔ ”زھیر“ موجود تھے۔ ایسے بڑے پائے کے شاعر تھے۔ عرب جو لسانیت پہ جیتے تھے، جو دعویٰ زبان رکھتے تھے، جو ہر غیر کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے۔ ایسے بڑے بڑے لسان کو قرآن کہتا ہے کہ تم میں سے ہے کوئی جو اس جیسی کوئی سورت لا دے۔ دعویٰ برحق رہا۔ کسی نے جواب دعویٰ داخل نہ کیا اور آج کے زمانے میں بھی قرآن دعویٰ کرتا ہے:

”اولم یر الذین کفروا“

تم میرا انکار کیسے کر سکتے ہو؟

یہ ذرا انداز کا استحکام دیکھئے!

اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنھما (۲۱:۳۰)(الانبیاء)

تمہیں پتہ نہیں ہے کہ زمین وآسمان سب پہلے اکٹھے تھے۔ پھر ہم نے دفعتاً جبراً انہیں جدا کیا۔ خواتین و حضرات! قرآن انفارمیشن دے رہا ہے کہ تمہیں نہیں پتہ؟ مگر آج کا انسان کہتا ہے کہ مجھے پتہ ہے۔ مجھے پتہ ہے اے اللہ! تو شاید غلط نہ کہہ رہا ہو۔ پہلے زمین وآسمان اکٹھے نہ تھے۔ کوئی کہتا ہے۔ آج کے دن، کوئی قرآن کے اس دعوی کو توڑتا ہے؟

"اولم یر الذین کفروا"

یہ زمین وآسمان پہلے اکٹھے تھے پھر ہم نے جبراً ان کو پھاڑ کر الگ کر دیا۔

"وجعلنا من الماءِ کل شیءٍ حی" (الانبیاء ۲۱:۳۰)

اور پیدا کیا پانی میں سے تمام حیات کو۔

تم کیسے مجھ پر ایمان نہیں لاؤ گے؟ تم کیسے مجھے ربِّ کائنات نہیں مانو گے؟ پندرہ سو برس پہلے جب Sciences کی ابتدا بھی نہیں ہوئی تھی۔ آج تمام Cosmological نظریات جب غلط ہو چکے ہیں۔ آج تمام Findings Improve ہو چکی ہیں۔ تمام نتائج بدل چکے ہیں مگر وہ نتیجہ جو قرآن دیتا ہے وہ نہیں بدلا۔ آج کے دن بھی کوئی سائنس دان، کوئی ہاپکنز، کوئی Watson، کوئی آئن سٹائن جرأت نہیں کرتا کہ سامنے کھڑے ہو کر اس کتابِ علم سے کہے۔ اس علمیت کے سامنے کھڑا ہو کر کہے کہ یہ خدا غلط کہتا ہے۔ یہ علم نہیں ہے۔ یہ پرانے لوگوں کے انگل پچو ہیں۔ یہ ڈھکوسلہ ہے، یہ سچ نہیں ہے، یہ روایات اور خرافات ہیں۔

مگر خواتین وحضرات ذرا دیکھیے! سچ کہاں ٹپکتا ہے؟ Ptolemy نے کہا کہ زمین مرکزِ کائنات ہے، ساکن ہے اور باقی سیارے اس کے اردگرد چلتے ہیں۔ 1542ء میں Copernicus نے مخالفت کی۔ اس نے کہا Ptolemy is wrong سورج کھڑا ہے، باقی ستارے چل رہے ہیں۔ Galeleo نے پھر اس میں مزید اختراع کرنے کی کوشش کی۔ اب دیکھیے کہ Ptolemy اور Galeleo کے درمیان قرآن آیا۔ اصولاً وہ سائنس کی دنیا کے لوگ تھے۔ یہ کتاب علم وفضل تھی۔ یہ قرآن کتاب سائنس نہیں تھی۔ اس میں تو جوابات کہی گئی تھی وہ خالق کے ضمن میں تھی۔ براہ راست انہیں سائنسی تعلیم نہیں دی جا رہی تھی۔ ان کو صرف Information دی جا رہی تھی کہ یہ اس طرح ہے۔ تو قرآن نے کہا:

"والشمس والقمر والنجوم مسخرتٌ بامرہ" (الاعراف: ۵۴)

(اور سورج اور چاند اور تارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔)

مگر یہ کھڑے ہیں یا چل رہے ہیں؟

"کل یجری لاجل مسمی" (الرعد: ۲)

(یہ وقت مقررہ تک تمام، چل رہے ہیں۔)

خواتین وحضرات! یہ محکم آیات نہیں ہیں۔ یہ اس وقت متشابہ آیات تھیں۔ اس وقت ان کے ثبوت وجواز مہیا نہیں تھے۔ اس وقت کے مسلمان کو شاید ماننے میں دشواری ہوتی۔ آپ پوچھیں گے کہ معجزہ پہلے کیوں تھا، اب کیوں نہیں ہے؟ پہلے پیغمبر کیوں تھے؟ اب کیوں نہیں ہیں؟ خواتین وحضرات! اب معجزات اس لیے نہیں ہیں کہ پہلے معجزہ ایک دلیل کی

صورت میں ہوا کرتا تھا۔ معجزہ سب سے بڑی دلیل ہوا کرتا تھا۔ یہ ایک ایسی دلیل تھی کہ اگر آپ ایک غیر معقول اور حیرت انگیز خارق عادت واقعہ مان لیں تو دوسرا واقعہ ماننے پر بھی ذہن تیار ہو جاتا تھا۔ جب اللہ پندرہ سو برس پہلے یہ کہتا تھا کہ:

”وجعلنا من الماءِ کل شی حی“ (الانبیاء: ۳۰)

کہ میں نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا تو اس عرب کو، اس حضری کو اور اس بدو کو تو اس کی کوئی سمجھ نہ آتی۔ اس کو مجبوراً یہ ماننا پڑتا تھا۔ اس کے پاس نہ ٹیکنالوجی تھی، نہ شناخت تھی، نہ Research تھی، نہ Biological Centers تھے۔ وہ مجبور تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بات کو ویسے ہی مان لیتا مگر اعتراض تو اس کے ذہن میں اٹھ سکتا تھا تو وہ جواباً اللہ کے رسول کو کہتا تھا کہ اگر تم یہ ثابت کر دو۔ کوئی ایسا ہی عجیب و غریب واقعہ مجھے اور دکھا دو تو میں یہ بھی مان لوں گا۔ اگر میں نے قرآن کی اس بات کو ماننا ہے کہ ملائکہ ہیں تو پہلے ایک ایسا واقعہ میری آنکھوں کو دکھا دو کہ جو ظاہراً کوئی دلیل نہ رکھتا ہو۔ تو معجزہ خارق عادت کو کہتے ہیں۔ جب رسول اللہ کی انگلیوں سے پانی پھوٹے گا تو لوگ یہ جان جائیں گے کہ اگر یہ خارق عادت ممکن ہے تو وہ دلیل بھی صحیح ہوگی جو قرآن میں اللہ نے دی۔ مگر جب وقتِ قرآن آگے بڑھا اور رسولِ گرامی مرتبت رخصت ہو گئے اور کسی نبوت کی ضرورت نہ رہی اور کسی پیغمبر کی ضرورت نہ رہی تو مسئلہ یہ تھا کہ اللہ انہی معمولات کی تحقیقات کے لیے کیا طریقہ استعمال کرتا ہے تو خدا نے انسان کو اتنا عقل و شعور اور علم بخشا کہ وقت کے ساتھ ساتھ وہ تمام متشابہ آیات جو قرآن حکیم میں تھیں، محکم ہوتی چلی گئیں اور آج ایک ایسا دن ہے خواتین و حضرات! کہ سوائے حروفِ مقطعات کے قرآن کی ایک ایک بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔ دیکھیے! ابھی کچھ آیات Practical Scientific ثبوتوں میں نہیں آئیں مگر ان کے Options موجود ہیں۔ جب اللہ نے یہ کہا۔ جب کتابِ علم نے یہ کہا:

”اللہ الذی خلق سبع سموت و من الارض مثلھن“ (۱۲:۶۵)

(اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور سات زمینیں۔)

”یتنزل الامر بینھن“ (۱۲:۶۵)

(اور ان زمینوں میں ہمارا حکم اترتا ہے۔)

تو آج تک کوئی دوسری زمین دریافت نہیں ہوئی۔ مگر کسی بڑے سے بڑے علم ہیئت کے فلسفی اور دانش ور سے پوچھیے کہ کیا کسی دوسری Life Belt کا امکان موجود ہے یا نہیں۔ ان میں سے ایک بھی آپ کو انکار نہیں کرے گا۔ مگر ربِ کعبہ کی قسم ہے! قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کم سے کم ایک اور زمین کا سراغ آپ کو نہیں مل جائے گا۔ اس لیے کہ زمین اسی وقت تک ہے جب تک کہ پورے کا پورا قرآن Explain نہیں ہو جاتا۔ جس پروردگارِ عالم نے قیامت کا وقت آپ کو بتایا۔ دیکھیے! قیامت بھی Option ہے سائنس دانوں کے قریب۔ ذرا اس Option کو جو سائنس دانوں نے قیامت کے لیے رکھا ہے اور اس حقیقت کو جو اللہ نے قرآن میں بیان کی ہے Match کر کے دیکھیں۔ اگر ابتدائے کائنات کا ذکر قرآن میں ہے تو انتہائے زندگی کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے:

”واذا الشمس کورت“ (تکویر: ۱)

(جب سورج ماند پڑ جائے گا۔ ستارے گدلے ہو جائیں گے۔)

"القارعۃ ہ ماالقارعۃ" (القارعۃ: ۱،۲)

(جب پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے۔)

انجام اتنا Picturesque ہے۔ قرآن حکیم نے قیامت اتنے Picturesque انداز میں پیش کی ہے کہ بڑی سے بڑی Movie Documentary بھی یہ انداز نہیں رکھتی۔ ایک ایک چیز کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ Celestial World کو بیان کیا، کششِ ثقل کے ٹوٹنے کو بیان کیا۔ "وجمع الشمس والقمر" سورج اور چاند کے اکٹھا ہونے کا ذکر کیا۔ زمین کی بیلٹ کو اتنا کشادہ بیان کیا کہ جب اس پر دونوں طرف سے کششوں کا اثر پڑے گا تو روئی کی طرح چپٹی ہو جائے گی۔ ایک ایک منظر واضح تھا۔ کوئی سنی سنائی کہانیوں سے نہیں۔ پچیتر ین احادیث کی مدد سے اور قرآن حکیم کی آیات ہی کافی تھیں پورے کے پورے اس انجام کو Explain کرنے کے لیے کہ اگر کوئی مصور ہوتا تو قرآن کی طرف سے اتنا علم اور خیال موجود تھا کہ وہ یقیناً اس کو Easily اور Picturesquely Draw کر سکتا تھا اور روزِ حشر کا تصور اس کے لیے کسی الجھن کا باعث نہ بنتا۔

مگر خواتین وحضرات! یہ تو اللہ نے کہا اور اللہ نے اور بھی بہت ساری باتیں کہیں اور یقین نہ کرنے والوں کے لیے اس میں اور بھی بہت سارے اسباق ہیں۔ مگر آیئے! Sciences کو دیکھ لیں، وہ ابھی قیامت تک نہیں پہنچیں مگر ان کے فہم وادراک میں کوئی ایسی Probability اور Possibility موجود ہے تو آپ حیران ہوں گے کہ وہ جو واحد Probability ان کے ہاں موجود ہے: ستاروں کا ٹکرا جانا، سورج کا ٹھنڈا پڑ جانا اور اس ٹھنڈک کی وجہ سے زندگی کا مردہ ہو جانا اور یہی ان کے ہاں بھی وہ Option ہیں۔ یہ جو پندرہ سو برس پہلے اس کتاب میں لکھا گیا، وہ ایک ماسٹر پلان ہے۔ اس ماسٹر پلان کی Discovery میں، اس کتاب کی وضاحت میں، انسان اپنی زندگی کے باقی سال بھی گزار رہا ہے اور اس وقت تک یہ نسلِ انسان چلے گی اور اس وقت تک یہ قافلۂ تحقیقِ انسان چلے گا جب تک قرآن کی ایک ایک آیت پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچ جاتی۔

آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے آئن سٹائن نے Relativity کے ذریعے Fission کو دیکھا اور پھر اس پر مزید Ruther Ford نے کام کیا اور پھر E=mc2 کے ذریعے بالآخر آپ Fission کے اصول تک جا پہنچے، ایٹم کو توڑنا سیکھ لیا، اس کو Blast کرنا سیکھ لیا مگر اس کا دوسرا حصہ ممکن نہ ہوا جسے ہم آج Fusion کہتے ہیں۔ انرجی کا اتصال ممکن نہ ہوا اور آج ڈیڑھ سو سال کے بعد بھی اس کا یہ دوسرا حصہ ابھی تشنۂ تکمیل ہے۔ اصولاً دریافت ہو جانے کے بعد ابھی تک انسان کی Fusion پر گرفت نہیں آئی مگر ذرا قرآن کو دیکھیے اور علم تو دیکھیے! کہ کیا قرآن اس Fission اور Fusion کی کوئی مثال دیتا ہے کہ نہیں۔ ذرا حضرت سلیمان کا دربار دیکھیے کہ ملکہ سبا کے تخت لانے کی بات تھی:

"عفریت من الجن" (النمل: ۳۹)

ایک جن اٹھا، اس نے کہا کہ اجازت ہو اے نبی اللہ تو میں یہ تخت آپ کو اتنے وقت میں کہ جب تک آپ دربار سے اٹھتے ہیں لا دیتا ہوں۔ ابھی حضور منتظر تھے کہ ایک دوسرے صاحب اٹھے اور قرآن اس کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ جسے کتاب کا علم دیا گیا تھا۔ حضرت آصف بن برخیہ جنہیں کتاب کا علم دیا گیا تھا۔ انہوں نے عرض کی کہ یا نبی اللہ اگر

اجازت ہو تو میں پلک جھپکنے میں تخت آپ کے سامنے پیش کر دوں تو خواتین و حضرات! ملکہ سبا کا تخت لایا گیا۔ آصف بن برخیہ اس کو لائے اور آپ کو اچھی طرح علم ہے کہ پلک جھپکنے میں، پہلے تو تخت کو ایک شعاعی وجود میں ڈھالا گیا اور ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی رفتار سے سفر کرتا ہوا وہ تخت دوبارہ اپنے میٹریل وجود میں پلک جھپکنے میں لایا گیا اور قرآن کا یہ قانون ابھی آدھے رستے میں ہے اور میں پورے یقین سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگلے دس برسوں کی سب سے بڑی Discovery فیوژن ہوگی۔ We are not far sure کہ Fusion دریافت ہو چکی ہے مگر اس کا Making Plant اتنا Costly ہے کہ لاکھوں بلین ڈالر صرف اس کی لاگت آتی ہے جس کی وجہ سے اسا نے اسے اب تک معطل کیا ہوا ہے(1)۔ مگر آنے والے وقتوں کا کوئی پتہ نہیں۔ اب بھی آپ اور آپ کے بچے ٹی وی پر کارٹون مووِیز میں Transmogrification دیکھتے ہیں۔ یہ Possibility بڑی مضبوطی سے انسان کے ذہن میں قائم ہے کہ ایک دن ہم فاصلہ Aeroplane کی جگہ شعاعی سفر سے طے کریں گے اور پلک جھپکنے میں ایک انسان ایک Flying Station میں داخل ہونے کے بعد فاصلے طے کر لے گا۔ ایک پلک جھپکنے میں Stations بن جائیں گے۔ یہاں سے آپ Travel کر کے لندن پہنچ سکیں گے۔ امریکہ پہنچ سکیں گے۔ And the distance will be reduced to maximize.

خواتین و حضرات! یہ قرآن آپ سے ہمیشہ ایک درجۂ علمیہ کا تقاضا کرتا رہا۔ وجہ یہ نہیں تھی کہ قرآن بدل گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ قرآن کے سمجھنے والے اس درجۂ علمی پر متمکن نہ ہوتے تھے۔ اس کے برعکس ایک نئی رو چلی، ایک نیا بحران پیدا ہوا۔ فلسفۂ عمل وجود پذیر ہوا۔ معاشرے کے بحران کو عقلی اور غیر متوازن رجحان نہ سمجھا گیا بلکہ یہ سمجھا گیا کہ معاشرہ عمل سے بیزار ہے۔ آج تک کسی دانشور نے نہیں سوچا کہ کوئی عمل بغیر کسی ذہنی Committment کے پیدا نہیں ہوتا۔ آج تک کسی عالم نے جو عملیت کا فلسفہ لے کر دنیا میں چلے تھے، انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ Fore Brain کے اور ذہن کے ایک مستقل آرڈر کے بغیر آپ انگلی بھی نہیں اٹھا سکتے۔

خواتین و حضرات! ذہن کو اگر ہلکی سی بھی چوٹ آ جائے تو تین تین سال تک لوگ ایک Brain Comma میں رہتے ہیں۔ ان میں زندگی موجود ہوتی ہے، عمل کے لیے ہاتھ پاؤں، سب کچھ موجود ہوتا ہے۔ بظاہر ان کے وجود میں کوئی تغیر پذیر نہیں ہوتا مگر اس کے باوجود وہ اس پر قادر نہیں ہوتے کہ کوئی عمل کر سکیں۔

خواتین و حضرات! بغیر نیتِ اعمال کے، بغیر اس Nervous آرڈر کے، بغیر اس Fore Brain کے حکم دینے والے حصے کے، کوئی شے بھی عمل پذیر نہیں ہو سکتی اور عمل والوں کو یہ پتہ ہی نہیں تھا کہ عمل کی بنیاد ایک ذہنی اعتقاد پر ہے، ذہنی صلاحیت پر ہے اور بغیر اس صلاحیت کے تمام اعمال ایک Lesser Category کی Follow Ship میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ایک کولھو کے بیل کی طرح بغیر غور و فکر وہ لوگ جو اپنے آپ کو یا اپنے اعمال کو Question نہیں کرتے۔ جو کسی مخصوص نیت اور Committment اور علمی احساس کے بغیر اعمال کرتے ہیں، وہ صرف مذہب کو Follow کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کو اللہ سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

بہت عرصہ یہ کہا گیا کہ طریقت طرزِ فرار ہے۔ یہ کہا گیا کہ طریقت یونانی فلاسفر کی Copy ہے اور بہت عرصے یہ کہا گیا کہ طریقت نوفلاطونیت نظریوں کی پیداوار ہے۔ خواتین و حضرات! ایسا تو نہ تھا۔ اگر ایک کتابِ علم کے بنیادی

حامل بھی تھے اور اس کے درمیان اسکالرز بھی تھے اور اس کے آخری حروف کے عالم بھی تھے۔ یہ تو مسلسل کلاس کی تعلیم تھی۔

اگر قرآنِ حکیم ایک واحد کتاب ہے کہ جسے ایک مکمل اور حامل استاد کے ذریعے ستائیس سال میں پڑھایا گیا۔ یہ کتاب نہ ایک دن میں اتری نہ ایک دن میں پڑھائی گئی۔ اس کتاب کی صفت یہ تھی کہ ہر حکم نیت اور عمل کے تابع ہوتا تھا۔ اسی لئے جب کسی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ حضورِ گرامی مرتبت کا اخلاق کیسا تھا تو فرمایا کہ تم قرآن نہیں پڑھتے؟ ہر آیت حاملِ قرآن پر پوری اترتی تھی اور حاملِ قرآن کا ہر انداز قرآن کی کسی آیت کی تفسیر کرتا تھا۔ استاد میں اور Subject میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ایک مکمل Identification جو علم اور عالم میں تھی، اس کائنات میں پہلی مرتبہ محمد رسول اللہ ﷺ میں دیکھنے میں آئی اور قرآنی تعلیمات میں دیکھنے میں آئی۔

خواتین و حضرات! اتنی مکمل Identification اور اتنا مکمل احساسِ علم رکھنا اور پھر اسے آگے بڑھانا اور اگر ہم نے اس کی غرض و غایت نہ سمجھی تو پھر وہی استادِ محترم ہمیں بتلاتے ہیں کہ سنو:

"انما الاعمال بالنیات"

کہ کوئی بھی عمل تمہیں بغیر نیت کے درست نہ لگے گا، نہ بہتر لگے گا، نہ پست تر لگے گا۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اگر تمہیں کوئی کام کرنا ہو اور یہ دیکھنا ہو کہ کس کے لیے کر رہے ہو تو پہلے اس کام کی نیت کر لو۔"

یہ تمام اعمال کا بنیادی فلسفہ ہے۔ This is the psychology of the deeds. تمہیں خود بخود پتہ لگ جائے گا کہ تم کوئی کام کیوں کر رہے ہو۔ یہ جو Confusion of actions in deeds ہے، یہ ختم ہو جائے گا۔

خواتین و حضرات! بہت سے علماء ایسے پیدا ہوئے کہ جنہوں نے مسلم امہ کی Lathargy اور مسلم امہ کی اس بے راہ روی کا باعث اعمال کی کمی کو سمجھا جو بالکل غلط تھا اس لیے کہ اعمال کی کمی کی وجہ سے مسلمان کبھی گمراہ نہیں ہوا بلکہ بعض اوقات کثرتِ اعمال سے گمراہ ہو جاتا ہے۔ ایک حیرت کی بات ہے کہ مسلمانوں میں زیادہ تر گمراہی ایک Schizophrenic Idealism کی وجہ سے ہوئی۔

پہلا دور دیکھئے! جنگِ حنین پر ذرا غور کیجیے! ذرا دیکھئے کہ اعمال پسند کیا کرتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ذوالخویصرہ قریب آیا۔ لمبی سی داڑھی، پچکی ہوئی آنکھیں، ابھرے ہوئے گال، یہی حدیث میں نقش لکھا ہوا ہے۔ پتلا سا جسم تو اس نے کہا "اے محمد! انصاف کر"۔ حضورِ گرامی مرتبت کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا بلکہ محدثین کہتے ہیں کہ اتنا غصہ آیا کہ سیاہ پڑ گیا۔ فرمایا "میں انصاف نہیں کروں گا تو پھر اس کائنات میں کون انصاف کرے گا"۔ اور پھر جب اٹھ کر چلا تو حضورِ گرامی مرتبت نے کہا کہ یہ اور اس کے بعد اسی کی طرح کے لوگ آئیں گے کہ جو اتنا قرآن پڑھیں گے کہ تم اپنی تعلیمِ قرآن سے شرمندہ رہو گے۔ اتنی نمازیں پڑھیں گے کہ تمہاری نمازیں ان کے سامنے حقیر لگیں گی مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔

خواتین و حضرات! یہ وہ لوگ تھے کہ جن کو ہم نے پہلے دور میں خوارج کے نام سے یاد کیا۔ خوارج کے تقویٰ کا یہ عالم آیا ہے کتابوں میں، کہ اگر ایک Urine کا قطرہ بھی ان کے لباس کو چھو جاتا تو وہاں سے گوشت کاٹ دیا کرتے

تھے۔ اتنے متقی تھے، اتنے پرہیزگار تھے۔ اس کے باوجود حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو خلیفۂ برحق تھے۔ جو اپنے وقت کے ایک Recognized, امتِ مسلمہ کے سردار تھے۔ ان کے فتاویٰ کے مطابق ان کو خوارج اس لیے کہا گیا کہ یہ خارج از اسلام تھے۔

خواتین و حضرات! وجہ صرف سادہ سی ہے کہ خالی عمل یا عملیت پسندی اگر علم سے خالی ہوگی تو وہ ہمیشہ آپ کو کمتر ترجیحات کا شکار کر دے گی۔ علم سے خالی بندہ عمل کے رجحانات میں اپنے ان خیالات کو تقویت دیتا ہے جو تقویٰ کی طرف جاتے ہیں اور کیا انسان کا اپنے ذہن کو یا اپنے جسم و باطن کو متقی سمجھنا بہتر ہے؟ اس کا جواب قرآنِ حکیم دیتا ہے کہ خبردار! غرور سے رہنا:

"فلا تزکوا انفسکم"
(اپنے آپ کو متقی نہ کہنا، اپنے آپ کو پاکباز نہ کہنا۔)
"هو اعلم بمن اتقى" (النجم:۳۲)
(میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کتنے متقی ہو۔)

مختصراً یہ کہوں گا کہ عمل سے گریز نہیں مگر جس عمل کے پیچھے فکر نہیں، طلب نہیں، اللہ کی محبت نہیں، آرزو نہیں، جستجو نہیں، وہ محض صحراؤں میں خاک چھاننے کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم و عمل کی توفیق بخشے۔ اللہ ہمیں یہ برکت دے کہ ہم مذہب کی غرض و غایت سمجھیں۔ اللہ سے انس رکھیں اور اعمال اسی کے مطابق کریں۔

وما علینا الا البلاغ

سوالات و جوابات

سوال: انسان کس حد تک تقدیر پر قادر ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! سب سے پہلے ایک بہت بڑی غلط فہمی کو رفع کر دوں کہ لفظ تقدیر ہمارے ہاں بہت ہی کم علمی سے استعمال ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تقدیر کے معنی صرف یہی سمجھے جاتے ہیں کہ مقدر میں یہ لکھا ہے اور یہ نہیں لکھا ہے اور جب کوئی بات باوجود آپ کی بہت ساری کوشش کے نہ ہو تو ایک جملہ عموی طور پر سنا جاتا ہے کہ مقدر میں یہی لکھا تھا --- اتفاق کی بات یہ ہے کہ ہو جانے پر بہت کم یہ کہا جاتا ہے کہ میری سنی گئی تھی۔ میرے مقدر میں یہ فتح لکھی ہوئی تھی۔ زیادہ تر یہ کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنے ہوش و شعور، ذہانت اور اپنے کمال سے یہ مقصد حاصل کر لیا ہے مگر ناکامی کی صورت میں Invariably یہ کہا جاتا ہے کہ میرے مقدر میں یہ لکھا تھا۔

خواتین و حضرات! تقدیر اندازے کو کہتے ہیں۔ ایک ایسا اندازہ، ایک ایسا حساب کتاب، جس پہ انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی تخلیقات کا وزن قائم ہے۔ سورج اور چاند کا بنانا، زمین و آسمان کو تخلیق کے لیے تیار کرنا، آنسانی آبادیاں بسانا، انسانی آبادیوں کے بنانے سے پہلے اس میں اسبابِ حیات رکھنا، جیسے خداوند کریم نے فرمایا:

"ومان دآبة فی الارض الاعلی الله رزقها" (ھود:٦)
(زمین پر کوئی ایسا ذی حیات نہیں ہے کہ جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔)

Obviously کوئی ایسی Haphazard Technique تو یہ نہیں کہ اللہ نے جیسے ہم مرغیوں کے لیے دانہ بکھیرتے ہیں، ایسا تو نہیں بکھیرا ہوا۔ ایک بہت بڑی دنیا کے بندوبست جو پہاڑوں میں ہے، زمینوں میں ہے، دریاؤں میں ہے، ان کا گننا، چننا، ان کو اندازے سے رکھنا، سورج اور چاند کا مسخر کرنا اور اس سورج کی روشنی کو اس زمین کی اس پیداوار کا مقدر کرنا، جس سے اس نے گنا ہے، پکنا ہے، سڑنا ہے یا اس نے بیکار رہ جانا ہے، تو تقدیر کے معنی بہت وسیع ہیں۔ یہ وہ Pattern ہے جس کے تحت اشیاء اور Professions تخلیق کیے گئے ہیں۔ ان کو انتخاب سے، اختیار سے کوئی دخل نہیں۔ ایک بچہ جب عالم بالا سے زمین پر بھیجا جاتا ہے تو اس کا تقدیر پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ وہ کس ماں کا دودھ پئے گا، کس باپ کے گھر پیدا ہوگا، کتنے ہی برسوں تک اسے تقدیر سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس کا قطعاً کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ نہ اسے ذہنی شعور ہوتا ہے، نہ اسے عقلی اختیار ہوتا ہے، نہ اسے کوئی اپنے معاملات کا بدنی اختیار ہوتا ہے۔

اگر ایک General انسانی History دیکھیں تو دنیا کے وہ علاقے بھی جو بڑے مہذب اور تعلیم یافتہ ہیں وہاں بھی سولہ سال تک بچے کی ذمہ داری Parents پر ہوتی ہے اور سولہ برس تک جب ایک آدمی کو اپنے مقدر کا خالق نہیں سمجھا جاتا یا اس میں اس کا تصرف کوئی نہیں ہوتا تو اس کے بعد کی زندگی پر وہ کیسے تصرف کر سکتا ہے۔ اب میں آپ سے ایک Counter سوال کروں گا کہ تقدیر کیا ہے؟ اگر ایک طرف ہمارے ارب ہا ارب سال کی زندگی کا حصول ہو۔ ارب ہا ارب سال کے عیش و عشرت کا حصول ہو۔ ارب ہا ارب سال کے آرام و سکون کا حصول ہو اور دوسری طرف ارب ہا ارب سال کی اذیت، ارب ہا ارب سال کی آگ تو ہم تقدیر کس کو کہیں گے؟ یہ ساٹھ ستر برس کا علاقہ جو ہمیں دیا جاتا ہے۔ یہ چھوٹا سا وقفۂ حیات تقدیر ہے یا اس وقفۂ حیات سے نکلنے کے بعد تقدیر سے سامنا کرنا پڑتا ہے؟ تو تقدیر پابند حالات نہیں ہے، نہ آپ کا مقدر سے واسطہ ہے، نہ مقدر کو آپ سے کوئی واسطہ ہے۔ This is a general set of facility which is given to every human being to prepare him for his "Taqdir". یہ تقدیر نہیں ہے جو دنیا میں جاری و ساری ہے۔ دراصل یہ وہ سہولت ہے جو ہمیں عطا کی جاتی ہے کہ اس سہولت کی مدد سے ہم نے ایک تیاری کرنی ہے یا ارب ہا ارب سال کے آرام و سکون کی زندگی کی، یا ارب ہا ارب سال کے جہنم کے شعلوں کی۔ تو خواتین و حضرات! جسے آپ تقدیر کہتے ہیں، وہ آپ کے پروٹوکول کی کمی اور بیشی کا نام ہے۔ میں تقدیر کو پروٹوکول کیوں کہتا ہوں؟ کہ جب کوئی بادشاہ کہیں جاتا ہے تو سب سے پہلے وہاں اس کی Security کے انتظامات کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد جہاں جہاں اس نے جانا ہوتا ہے۔ جس جس سے ہاتھ ملانا ہوتا ہے۔ جہاں اس نے رکنا ہوتا ہے--- اگر آپ ایک معزز اور بڑے انسان کے وہ تحفظات دیکھیں، وہ Securities دیکھیں جس کے درمیان وہ چلتا ہے اور جس کے تحت وہ زندگی گزارتا ہے اور اگر ان میں ایک، گڑبڑ ہو جائے، اگر Prime Minister سڑک پر چلتا ہوا کہیں کسی کھڈ میں اتر جائے، تو جو بحران پیدا ہوتا ہے اسے Security Breach کہتے ہیں کہ تحفظات معطل ہو گئے۔ بہت بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔ اس معزز انسان کی زندگی خطرے میں نہ پڑ جائے۔

تو خواتین و حضرات قرآن حکیم میں پروردگار کہتا ہے کہ میں نے انسان کو اس زمین پر تحفظات دے کر بھیجا ہے۔ ملائکہ میں نے اس کے محافظ مقرر کیے ہیں تاکہ جنات اسے اچک کر نہ لے جائیں۔ اس کے پیشے اور ہنر مقرر کیے تاکہ یہ اپنی کارگردگی اور صلاحیت تک پہنچے۔ اس کی روٹی لکھی، تاکہ اس کو روٹی کا تردد نہ کرنا پڑے۔ اس کو Family اس لیے دی کہ یہ دنیا و مافیا میں اپنے آپ کو غیر محفوظ تصور نہ کرے، اکیلا تصور نہ کرے۔ مگر یہ سب کیوں؟ یہ ساری Facilities جو اللہ نے مہیا کیں وہ صرف ایک گلے کو دور کرنے کے لیے کیں۔ فرض کریں کہ آپ اور میں سب جب قبر کے دہانے حساب کے روز پہنچیں اور پروردگار یہ سوال کرے کہ میں نے تو تمہیں اس دنیا میں صرف عقل و معرفت دے کر اس لیے بھیجا تھا کہ :"انا ھدینہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً" (دھر:۳) کہ یہ عقل و شعور تو اس لیے بخشا تھا کہ یا تو تم مجھے جانتے اور مانتے یا میرا انکار کر دیتے۔ تم کس کام میں پڑے رہے؟ حضرت انسان آگے سے جواب دے سکتا ہے کہ اے پروردگار! تو نے مجھے ہر دوسرے دن ایک نئی مصیبت میں الجھا دیا۔ تو نے مجھے باپ تلاش کرنے میں لگا دیا، اماں ڈھونڈنے میں لگا دیا۔ اس کے بعد میری زندگی کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ میں روزگار کے چکر میں پڑ گیا۔ پھر میں بیوی بچوں کے چکر میں پڑ گیا اور یہ تمام کام اتنے بڑے بڑے کام ہیں کہ مجھے وہ فرصتِ حیات نہ ملی کہ میں غور و فکر سے تیری طرف مائل ہوتا تو یا تو پھر اللہ آپ کی اس بات کو مان لے گا کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ Infact they are very important things. روٹی کمانا، بچے پالنا، تگ و دو کرنا، ذمہ داریاں اٹھانا، یہ اتنے بڑے بڑے Important کام ہیں کہ خدا انکار نہیں کر سکتا کہ یہ واقعی Important کام ہیں، And you should have done it and did'nt think about me. کہ بھئی واقعی یہ کام کرنے کے بعد تمہیں میرے بارے میں سوچنے کا ٹائم نہیں ملا تو تمام فسانۂ دنیا حقیر ہو جاتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ خدا اپنے بندے سے کہے گا۔ "تم جھوٹ بولتے ہو۔ ان میں سے کسی چیز کی ذمہ داری تم پر نہیں تھی: نہ رزق کی تم پر ذمہ داری تھی، نہ مقام کی۔ "ویعلم مستقرھا و مستودعھا" (ھود:٦) کہاں تم نے ٹھہرنا تھا، کہاں بیٹھنا تھا، کہاں رونا تھا، کہاں جاگنا تھا۔ ان تمام معاملات کی ذمہ داری مجھ پر تھی اور میں نے ہی اس کے سارے بندوبست کر کے بھیجے تھے۔

امریکہ نے ایک فورس ڈک چینی کے دور میں الجزائر میں بھیجی۔ وہاں اس وقت بڑی Hostile Conditions تھیں، تو کسی نے اس سے کہا کہ آپ کی فوجیں تو وہاں برباد ہو جائیں گی، کیونکہ وہاں بڑی Hostile Conditions ہیں تو ڈک چینی نے جواب میں کہا کہ ہم نے ایک ایک چیز کو دیکھ کر، ان کے ماحول کی ایک ایک چیز کے مطابق تمام تر اسباب ہم نے ان کو مہیا کیے ہیں حتیٰ کہ اگر ہمارے کسی Soldier کو ایک سوئی کی بھی ضرورت پڑے گی تو وہ بھی ہم نے ان کے سامان میں ڈال دی ہے۔ خواتین و حضرات! دنیا کی حکومت تو اتنی Efficient ہو اور وہ پروردگار عالم جس نے زمین پر ایک خلیفۃ اللہ فی الارض کو بھیجنا تھا اور اسے عزت و تکریم کے مقام سے گزارنا تھا، جس کی ولایت دنیا اور ولایت آخرت اللہ کے نزدیک مستند و مکرم تھی۔ کیا وہ اس کے تحفظات اور زندگی کے بندوبست نہ کرتا۔ جنہیں آپ مقدر کہتے ہیں، وہ تحفظات اور پروٹوکول ہیں اور جنہیں اصلی مقدر کہتے ہیں وہ قبر کے دروازے سے گزرنے کے بعد ہی نصیب ہوتا ہے۔

سوال: پروفیسر عشرت حسین مرزا کا سوال ہے کہ: Islam is no longer a dogma. It does not believe in dogmatism. it has its own set of suitable principles laid down in Holy Quran. It however, believe in evolution. please clear it.

جواب: جہاں تک تو پروفیسر صاحب نے بات کی تو مجھے اس سے قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ It's not a dogma. It is a book of knowledge revolution and evolution also. مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے طویل عرصے میں ہمارا جو ایک پرابلم رہا کہ بارہویں اور پندرہویں صدی کے بعد ہم قرآن کے معیار سے گرتے رہے۔ کبھی لوگوں نے اتنی دست درازیاں اور جرأتِ خیال بھی کیا، جیسے ابن سینا نے کیا کہ ملائکہ کوئی شے نہیں ہیں، یہ صرف ہماری علوی تخلیقات یا ہماری اعلیٰ ترین جو ملکی صفات ہیں ان کا اظہار ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جیسے اشاعرہ، ماتریدیہ معتزلہ اور عقلی Movement کے بہت سے فلاسفرز نے اسلام کو Interpret کرتے ہوئے بعض اوقات اس کے Basic سے بھی اعتراض کرنا شروع کیا۔ پھر اس کے Defence میں صوفیاءِ اسلام جیسے ”سیدنا جنید بغدادیؒ“ ”سیدنا شیخ علی ہجویریؒ“ اور ”شیخ عبدالقادر جیلانیؒ“ نے تعلیماتِ تصوف کا دفاع کیا مگر مسئلہ جب آگے بڑھا اور اجتہادِ فکر کے دروازے بند ہوتے گئے تو آج بھی اگر آپ قرآن کی تفاسیر پڑھیں تو آپ کے مسائل کا حل یا تو ”ابنِ کثیر“ سے نکلے گا یا ”شوکانی“ سے یا ”زمکانی“ سے یا ”امام ابن تیمیہ“ سے اور معاملات کی تشریح و وضاحت اس عہد سے کی جائے گی جہاں وہ لوگ موجود تھے اور کوئی بھی ایسی Challenging Differentiation ہمارے آج کے مسائل اور Challenges کے حوالے سے ہمارے سامنے نہیں ہوگی۔

اب میں آپ کو دو باتیں چھوٹی سی بتاؤں کہ کسی نے حضرت ابنِ عباس سے پوچھا کہ آج تو آپ لوگ موجود ہیں جو ہمیں قرآن پڑھا دیتے ہیں، سکھا دیتے ہیں، اس کی تفاسیر بتا دیتے ہیں۔ مگر کل کیا ہوگا؟ جب آپ لوگ نہیں ہوں گے تو قرآن ہمیں کون پڑھائے گا اور کیسے پڑھائے گا؟ فرمایا:

”القران یفسرہ الزمان“

کہ ہر زمانہ قرآن کی اپنی تفسیر کرتا ہے اور خواتین و حضرات ہر زمانے میں ایسے ذہین و دانش ور لوگ جو خدا کو اپنی توجہ کا مرکز بنائیں گے۔ جو حقیقتِ عالیہ کو تلاش کریں گے۔ جو قرآن کو کتابِ علم اور علم و حکمت سمجھیں گے، وہ ضرور قرآن کے ان مطالب تک پہنچیں گے جو جدید تر سے جدید ترین ہیں۔

ابھی میں آپ کو صرف ایک قرآن کے عالم کی فراست کا حال بتاتا ہوں کہ ابتدائے حال میں بھی وہ لوگ اس قدر ذہین و دانش ور تھے کہ زمانے ان کی دانش کے سامنے کھل جاتے تھے اور وہ اس فراست کا مظہر تھے کہ جس پر حدیثِ رسول ناطق ہے کہ:

”فراستِ مومن سے ڈرو۔ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔“

ابھی آپ دیکھیے کہ امام زین العابدین کے پاس ایک شخص گئے اور ان سے سورۃ حدید کی آخری آیات کی تفسیر پوچھی اور وہ آیات کچھ ایسے تھیں:

”اللہ جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتا ہے اور اس سے باہر نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس پر

چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو۔" (حدید:۴)

امام زین العابدین نے فرمایا:

"نزلت للمتعمکین فی آخر الزمان"

کہ یہ تمہیں سمجھ نہیں آئیں گی مگر زمانہ آخر میں جو خدا پہ غور و خوض کریں گے ان کو یہ آیات بڑی اچھی طرح سمجھ میں آ جائیں گی۔ خواتین و حضرات! غور کریں کہ یہ زمانہ آخر ہے اور اب جب ایک سکائی لیب آسمان سے گزرتے ہوئے زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے خزانوں کی خبر دیتی ہے، دھاتوں کی خبر دیتی ہے اور آج ایک چھوٹا سا آسمانوں پر چلتا ہوا کیمرہ زمین پر چلتی ہوئی چیونٹی کی خبر بھی لے لیتا ہے تو آج ہمیں اس آیت کا بڑی وضاحت سے علم ہے کہ انسان اگر اتنا باخبر ہو سکتا ہے بغیر کسی Source کے، بغیر کسی درمیانی رابطے کے۔ اگر زمین ایسی ایجادات کی مالک ہے کہ وہ آسمانوں سے زمین کے خزانوں کی خبر لے لیتی ہے تو یقیناً اللہ بھی ایسے Sophisticated System کا مالک ہو گا جو کائنات کے کسی بھی پرت میں موجود ہو، اسے اس کے ذرے ذرے کی خبر ہوتی ہے۔ تو Evolution تمام تر عقلی ہے، ذہنی ہے اور جب علم کا بحران آیا تو وہ Attitudes جو مسلمانوں میں پیدا ہوئے وہ قطعاً غیر قرآنی تھے۔ ایک Attitude جو اب بھی جاری و ساری ہے اور سب سے زیادہ خطرناک ہے کہ عملیت کے بہت سارے فلاسفرز نے علوم کو تقسیم کر دیا، For Example اگر کوئی دینی عالم آپ سے کہے کہ یہ دنیا کا کام ہے۔ یہ دنیا کا علم ہے۔ آؤ کچھ خدا کے لیے کریں اور اگر ایک شخص Cosmology پڑھ رہا ہے۔ علم ہیئت پڑھ رہا ہے اور اس کے پاس ایک صاحب چلے جائیں اور کہیں کہ یہ تو دنیوی وجاہت کا کام ہے۔ آؤ چلتے ہیں! کچھ تبلیغ وغیرہ ہو جائے! اصل میں بہت ضروری ہے اور یہ علومات بہت ضروری ہیں تو آپ دیکھیے کہ قرآن کی اس آیت پر کتنی زد پڑے گی کہ خدا جب قرآن میں لکھتا ہے کہ میرے بہترین بندے وہ ہیں:

"الذین یذکرون اللہ قیاً وقعوداً وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض" (ال عمران:۱۹۱)

(جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔)

خواتین و حضرات! علم کوئی بھی ہو وہ خدا کا ہے۔ اگر آج یورپ کے لوگوں کو اس نے علم و تحقیق و جستجو کی آرزو بخشی ہے تو وہ خدا کے بغیر نہیں ہے، چاہے وہ اپنی اہلیت کے کتنے بھی بڑے بڑے دعوے کیوں نہ کر لیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ نے ان کو بھی جستجوئے علم کا ثمر بخشا ہے۔ ادھر مسلمان کا یہ عالم تھا کہ وہ یورپ کے مقابل ایک ایسے احساس کمتری کا شکار رہا کہ وہ اپنے مذہب کے چند اعمال کو ان کا جواب سمجھا اور خواتین و حضرات! یورپ سے بہترین اعتراضات آتے تھے اور مسلمانوں کے بدترین لوگ ان کا جواب دیتے تھے۔ یہ Parallels نہیں بنتے تھے۔ یہ علم کی کمی کی وجہ سے ہے۔ ہم نے شاید تاریخ کا مطالعہ چھوڑ دیا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ یہی حال، یہی Comparison جو آج ہمارا اور اہل یورپ اور امریکہ کا ہے، یہی Comparison پہلے عالم اسلام اور یورپ کا تھا۔ جب قرطبہ میں اسی ہزار حمام تھے اور ہر Street لائٹ سے مزین تھی تو "شان ایلیزے" میں اس وقت گھٹنے گھٹنے گندگی اور پانی کھڑا ہوتا تھا

اور بڑے طبقے کی بیگمات اپنے پورے کپڑے اٹھا کر اس کیچڑ میں سے گزرا کرتی تھیں جیسے آج بھی آپ کے دیہات کے نالوں سے خواتین گزرا کرتی ہیں اور اس دورِ جہالت میں جب مسلمان اپنی Top of the knowledge پر تھے اور جہاں جابر بن حیان کیمسٹری کی بنیاد رکھ رہا تھا۔ ”ایوسف الخوارزمی“ الجبرا کی بنیاد رکھ رہا تھا اور جہاں ”ابن سینا“ ”قانون الشفاء“ کو ترتیب دے رہے تھے۔ وہاں اس وقت یورپ کے Classical Houses میں یہ حال تھا کہ اگر کسی کو سر درد ہوتا تو اس کو ایک بڑے سے پتھر سے کچلا جاتا کہ اس کو شیطان اور جن ہے۔ بچ گیا تو بچ گیا، ورنہ جن تو نکل ہی جائے گا تو خواتین و حضرات یہ Evolution جو ہماری رک گئی۔ ہم نے بارہویں اور پندرہویں صدی کے تسلسل سے، اسے پھر اٹھانا ہے۔ ہمیں حاضر و غائب اور موجود سے آشنا رہنا ہے۔ ہمیں اس علمی تسلسل کی کڑیاں مرتب کرنی ہیں۔ ہماری زندگیوں سے جب تک وہ لوگ نہیں اٹھیں گے، جو علم کو غرض و غائتِ حیات بنائیں گے، جو خدا کی تلاش کو اپنی جستجوئے علم بنائیں گے۔ تو وہ تیسرا درجہ علم حاصل نہیں ہوگا۔ دنیا میں وہ تیسرا درجہ علم صرف مسلمان کو نصیب ہے۔ صرف اور صرف مسلمان کو۔

اب دیکھیے کہ اہل یورپ نے عقل کو تین اجزاء میں تقسیم کیا ہے ایک Intelligence جو ہماری اور جانور کی Commom ہے۔ ایک Intellect جو Data Information سے مہیا ہوتی ہے اور ایک Intution جو Intellectual Concentration سے آپ کسی Intutive نقطے پر پہنچتے ہیں، جیسے بارہ سال کی مشقت کے بعد Elexander Flemming پینسلین تک پہنچ گیا اور اسی کے ساتھ ساتھ جیسے Newton آٹھ سال کے تفکر اور ارتکاز کے بعد ایک Intutive نقطے پر پہنچ گیا۔ یہاں تک تو مسلمان اور کافر برابر ہے۔ یعنی Intution ایک غیر مسلم کو بھی نصیب ہو سکتی ہے، آپ کو بھی نصیب ہو سکتی ہے۔ مگر جو آخری درجہ فکر ہے جسے الہام کہتے ہیں۔ جو غیر معمولی نہیں ہے بلکہ عقل کا آخری درجہ ترفع ہے، وہ صرف اور صرف مسلمان کو نصیب ہے۔ مگر جو مسلمان Intellectual Calibre تک نہیں آ رہا وہ الہام تک کیسے پہنچے گا۔

خواتین و حضرات! Basic بات یہ ہے کہ ہم کسی قسم کی تعلیم کو بھی جدا نہ کریں۔ ان مسلمانوں کے جذبۂ علمی کی تحصیل دیکھیے! البیرونی بارہ برس ایک مندر میں ہندو بن کر رہا اور سب سے قیمتی کتاب جو ماخذ تاریخ ہند ہے وہ البیرونی کی ”اخبار الہند“ ہے۔ اس وقت مسلمان کیا کیا روپ بدلتے تھے، کیا کیا رنگ اختیار کرتے تھے، حصول علم کے لیے۔ اور کیسی کیسی کاوشیں اور کیسے کیسے سفر انہوں نے کیے۔ بخاری نے تین تین ہزار میل کا سفر ایک حدیث کی تحصیل کے لیے کیا۔ اتنی محنت اور مشقت کہ وہ علم کے انسان نہیں بلکہ جنات لگتے تھے۔ مگر آج کے دور میں تمام تر علم کی تحصیل صرف ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لیے ہے مگر ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے بعد بھی تو علم موجود ہے۔ یہ ڈگریاں تو صرف آپ کو Instrument دیتی ہیں۔ جس ڈگری کو آپ علم سمجھتے ہیں یہ آپ کو صرف Instruments دیتی ہے۔ یہ وہ آلات ہیں کہ جن کی مدد سے اب آپ نے علم کا حصول شروع کیا۔

بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ایک ڈگری لینے کے بعد آپ سمجھتے ہیں کہ ہم نے علم کو حاصل کر لیا ہے۔ اس سے بڑی تفنن کی بات کیا ہوگی؟ علم سے اس سے بڑا تمسخر کیا ہوگا کہ بال کاٹنے کے لیے آپ نے

قینچی ہی، آپ اسی پر اکتفا کر بیٹھے۔ اتنی بڑی کائنات کو جس کو آپ نے سر کرنا تھا اس کو نظر انداز کر بیٹھے۔ دیکھیے میں آپ کو Instrument کی بات بتاتا ہوں۔ آج میں آپ کو خدا پر دلیل دینے لگا ہوں، مجھے چاہیے کہ میں جس مخالف سے مخاطب ہوں اس کے پاس میرے Instrument کو دیکھنے کی صلاحیت بھی تو ہو۔ غور کیجیے کہ آپ یورپ سے کیوں پسماندہ ہیں۔ آپ کے پاس ان کے Instruments کی تحصیل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ آپ ان کے رمزِ خیال تک پہنچیں۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہم ان کے Instrument of تحقیق و جستجو نہیں رکھتے جس کی وجہ سے ہمیں ایک بحرانِ علمی درپیش ہے۔ وہ اللہ جو اس زمانے کا مالک ہے۔ اُس نے اس زمانے میں جہاں اوروں کو علم و یقین بخشا ہے ہمارا اس سے زیادہ اس علم پر حق ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ تحصیلِ علم سے غفلت نے ہمیں بہت سارے بحرانوں میں ڈال دیا ہے اور یہی Evolution میں کمی کا باعث ہے۔ ''رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا'' وہ پیغمبر جو ہر وقت علم کی جستجو کرتا ہے۔ وہ پیغمبر جو خدا سے آرزو کرتے ہیں۔ میں تھوڑا سا آپ کو Evolutionary Process کا تقابل بتا دوں کہ لارڈ رسل تو یہ کہتا ہے:

" We don't know the nature of things, we only know the relationship of things ...."

ہم میں سے کوئی بھی اشیاء کی اصل کو نہیں جانتا۔
اور آپ کا پیغمبر یہ دعا کرتا ہے:
"اللھم نبئنی بحقیقت الا شیاء"
کہ اے اللہ مجھے حقیقتِ اشیاء کا علم دے۔

تو کتنا فرق ہے دونوں کی Approaches میں .... مگر وہ اپنی Approaches سے کچھ دنیوی مقاصد حاصل کر چکے ہیں اور ہم جن کا واحد مقصدِ علم خدا کی شناخت تھا، ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ یہ علمی بحران ہے۔ اللہ ہمیں توفیق بخشے۔

سوال: I want clearification in this aspect, Is there any thing about dogmatism in Islam. Islam does not allow dogmatism and second one is about the evolution. I want to know evolution is not in the light of scientific knowledge but in the light of the teaching of Islam.

جواب: ہم Dogma اس کو کہتے ہیں کہ جس کے بعد اس مسئلے کے حل کی کوئی شعوری کوشش باقی نہ رہے۔ جہاں ذہن رکتا ہے وہاں Cult پیدا ہو جاتا ہے اور ذہن جاری و ساری رہے تو Cult پیدا نہیں ہوتی۔ Dogma کی تخلیق کا مطلب یہ ہے کہ وہاں وہ اصولی مؤقف جن پر آپ لوگ قائم ہوتے ہیں ان پہ کسی قسم کی وضاحت، کسی قسم کی ترجیح، کسی قسم کی Change اور Relative Understanding ممکن نہیں ہوتا۔ جہاں تک تو نماز، روزہ کا تعلق ہے یہ Dogma میں نہیں آتے، یہ ہمارے ان فرائض میں آتے ہیں جو کسی معاشرے کے استحکام کے لیے خدا نے پیدا کیے اور یہ General Consideration ہے۔ جب میں Dogma کا نام لیتا ہوں تو اس سے مراد وہ ذہنی سوچ اور

اس ترقی سے ہے کہ جس کی وجہ سے علم کا بحران پیدا ہو گیا ہے اور اہلِ اسلام کی Progress تین سو برس سے رکی ہوئی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے Evolutionary Process میں خدا کی تلاش اور محبت ختم ہو گئی ہے اور ہم اپنے تمام تر علم کو مقاصدِ دنیا کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

سوال: بعض اوقات وہ دعائیں جو شدت سے مانگی جاتی ہوں وہ قبول نہیں ہوتیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: قرآنِ حکیم میں اللہ نے اس کی وجہ علم قرار دیا ہے۔ اب میں آپ کو کیا بتاؤں کہ اللہ کی کتاب اول و آخر علم کی کتاب ہے اور تمام وجوہات کو انتہائی گہری علمیت سے واضح کیا گیا ہے۔ دعائیں کیوں نہیں قبول ہوتیں؟ کہ دعاؤں کے پیچھے Disliking اور Liking ہوتی ہے۔ آپ کی کسی بھی طلب کے پیچھے آپ کی پسند اور ناپسند شامل ہوتی ہے۔ پروردگارِ عالم فرماتے ہیں:

"وعسی ان تکرھو شیاءً وھو خیر لکم"
(کسی چیز سے تم کراہت کھاتے ہو اور اس میں خیر ہوتی ہے۔)
"وعسی ان تحبو اشیئًا وھو شرلکم"
(کسی چیز سے تم محبت رکھتے ہو اور اس میں شر ہوتا ہے۔)
"واللّٰہ یعلم وانتم لا تعلمون "(البقرہ:۲۱۶)
(اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔)

دعاؤں کے قبول ہونے میں صرف اور صرف اسی Reason کو دخل ہوتا ہے کہ ہماری بہت ساری دعائیں لمحاتی، وقتی، Topical ہوتی ہیں۔ ہم انہی دعاؤں کے مکمل نتائج سے آگاہ نہیں ہوتے اور اگر ہم ان دعاؤں کو مانگ لیں تو ہو سکتا ہے کہ ہم کچھ عرصے کے بعد انہی دعاؤں کے ختم کرنے کی درخواستیں بھیج رہے ہوں۔ خداوند کریم کہتا ہے کہ انسان کو جب مایوسی چھوتی ہے تو وہ عجلت سے کام لیتا ہے اور جب اسے خوشی ہوتی ہے تو وہ "مختال فخور" ہو جاتا ہے۔ غرور و کبریائی پر اتر آتا ہے۔ تو اس کی عقل جب تک بہتر نہ ہو اور عقل اس وقت تک بہتر نہیں ہوتی جب تک وہ کسی نہ کسی Possessive Attitude سے آزاد نہ ہو جائے۔ ایک General صوفی میں اور دوسرے آدمی میں صرف Out Growth کا فرق ہوتا ہے۔ ایک صوفی اپنے افکار و خیالات کو Out Grow کرنے کے بعد ایک Balanced شعوری کاوش کو حاصل کر لیتا ہے اور وہ لوگ جو کسی نہ کسی خواہش میں Involved ہوتے ہیں، وہ اپنی شعوری یا غیر شعوری خواہشات کے اسیر ہو جاتے ہیں تو ان کی دعا پر بھی وہی Tinge آ جاتا ہے۔ ان کی دعا میں تعصبات کی کوئی نہ کوئی جھلک نظر آ جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ آپ کی دعا کی فریکوئنسی اور اللہ کی طرف سے اترتی ہوئی قبولیت کی فریکوئنسی ایک ہو جاتی ہے۔ آپ کی Wisdom اور اللہ کا انصاف یا اس کی رحمت مل جاتے ہیں۔

یہ ضروری نہیں کہ آپ تمام دعائیں غیر مخلصانہ اور غیر حقیقت پسندانہ مانگیں۔ میں آپ کو ایک دو دعاؤں کا تھوڑا سا Analysis کر دوں۔ میرے ایک بڑے ہی عزیز دوست نے دعا مانگی، وہ انتہائی متقی اور پرہیز گار تھے اور مجھ سے ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ ربِ کعبہ مجھے حج کی توفیق بخشے۔ جب حج پر گئے تو میں نے کہا کہ آپ نے کیا دعا مانگی؟ فرمایا کہ

میں نے تمام دن ایک ہی دعا مانگی، کہ اے اللہ مجھے بائیس کروڑ دے تاکہ میں لوگوں میں بانٹوں تو پھر اللہ نے ان کی کبھی نہیں سنی بلکہ وہ پہلے جو مال و اسباب تھا اس سے بھی محروم ہونا شروع ہو گئے۔ خاصی عزلت گزینی میں وقت گزرا تو ایک دن انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے تو خلق کے لیے دعا مانگی تھی، آخر ایسا کیوں ہوا؟ تو میں نے کہا کہ شاید اللہ کے علم میں تھا کہ اگر آپ کو بائیس کروڑ مل جاتے تو آپ مخلوق کو پاس بھی نہ پھٹکنے دیتے۔ اسی طرح میرے ایک دوست کو اپنے بھائی سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اتنی زیادہ محبت کہ فرماتے ہیں کہ میں کعبہ جا کر روتا رہا اور ایک ہی بات پر روتا رہا کہ پروردگار میرے بھائی کو زندگی اتنی دینا، اتنی دینا، اتنی دینا۔ واپس آئے تو ان کا بھائی فوت ہو گیا وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا ہوا تو میں نے کہا کہ آپ اللہ کے حضور پہنچے تھے، آپ کو خیال کرنا چاہیے تھا۔ ایک General دعا تو اس قسم کی جائز ہے مگر آپ کی اور بھائی کی محبت خدا کی محبت سے بہت بڑھ چکی تھی اور آپ دعا Use کر رہے تھے۔ ادھر اللہ کہہ رہا ہے کہ:

”لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون“ (ال عمران: ۹۲)

تو ایسی دعائیں جن کا Direct خدا سے Match پڑ جائے تو وہ تو، اللہ نہیں قبول کرنے کا اور آپ کو بچائے گا اس زحمت سے کہ آپ غلطیوں میں نہ پڑ جائیں تو Mostly دعاؤں کا قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ کے بہترین اور اعلیٰ ترین علم کی وجہ سے ہے اور بہت سی ہماری دعاؤں کا قبول نہ ہونا ہمارے ناقص علم کی وجہ سے ہے۔

حضور گرامی مرتبت نے بڑی خوبصورت دعا مانگی تھی۔ آپ بجائے کچھ اور دعائیں مانگنے کے اگر وہی دعائیں مانگ لیں جو رسول اللہ ﷺ نے مانگیں:

”اللھم انی اعوذبک من علم لاینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعاءٍ لا یسمع“

(اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے۔ اس دل سے جس میں عجز نہ ہو اور اس دعا سے جو تیری بارگاہ میں سنی نہ جائے۔)

تو خواتین و حضرات ہمارے Choices محدود ہوتے ہیں مگر اللہ یہ ضرور کہتا ہے کہ میں دعائیں سنبھال کر رکھ لیتا ہوں۔ میں آپ کی نا قبول دعاؤں کا بھی اجر رکھ لیتا ہوں کہ آپ نے مانگا تو اللہ سے ہے۔ یہ بات پسند ہے اللہ کو کہ انسان اس سے مانگے تو وہ جو آپ کا مانگنا ہے وہ اسے بہت پسند ہے۔ اسے وہ سنبھال کر رکھ لیتا ہے اور اس کا اجر پھر اگلے برسوں میں، اگلی زندگی میں، اگلے جہانوں میں بخش دیتا ہے۔

سوال: بزرگانِ دین، جواب اس دنیا میں نہیں کیا ان کا ہماری زندگیوں سے کوئی تعلق ہے؟ کیا ہم ان کو وسیلہ بنا کر دعا مانگ سکتے ہیں؟

جواب: خواتین و حضرات! میں اس بارے میں بہت مرتبہ گفتگو کر چکا ہوں کہ اس دنیا سے تعلق نہ ہونا اور زندگی کا نہ ہونا یہ دونوں بڑے عجیب و غریب مسائل ہیں۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص ہم میں موجود نہیں ہے یا میرے پاس نہیں ہے یا میرے گھر میں نہیں ہے یا میرے کمرے میں نہیں ہے تو کیا میں اس شخص کی زندگی سے انکار کر دوں یا اس کے ہونے سے انکار کر دوں یا یہ سمجھوں کہ ایک شخص جو ایک دفعہ ایک جگہ سے گزر گیا، دوبارہ کبھی ابدی یا لامتناہی سطح پر اس کی واپسی

ممکن نہیں ہے تو Main Question شاید یہ نہ ہوگا۔ اگر کسی طور بھی دنیا سے گزر گئے لوگ زندہ ہیں، برزخی حیات میں ہیں یا برزخی وجود میں ہیں یا اپنی قبروں میں، یا اپنی زندگیوں میں، تو کیا ہم ان سے کسی قسم کی استمداد طلب کر سکتے ہیں یا نہیں؟ میں نے اپنے ایک لیکچر "مقامِ وسیلہ" میں یہ تمام باتیں Explain کی ہیں۔ مگر میں ایک بات، ان تمام لوگوں سے جو قرآن کو پڑھتے ہیں، پوچھنا چاہتا ہوں کہ قرآن کی ایک آیت ہے کہ اے پیغمبر! میں چھوٹی موٹی مثال اس لیے نہیں دیتا کہ ہمارے پیغمبر میں ہی ہماری تمام پناہ اور ہماری علم کی محبت پوشیدہ ہے تو قرآن کہتا ہے کہ:

"ولو انهم اذظلموا انفسهم جآءُ وک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیماًO" (النساء:۶۴)

(اے پیغمبر! اگر لوگ تیرے پاس آئیں اور خدا سے مغفرت کی دعا مانگیں اور تو بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگے تو پھر ہم بخشنے والے ہیں۔)

یہاں ایک بڑی عجیب سی بات ہے کہ اللہ نے اپنا ذکر پہلے کیا کہ اگر وہ اللہ سے اپنی مغفرت کی دعا مانگیں اور تو بھی ان کی مغفرت کی دعا مانگے۔ تو مجھے یہ Process بڑا عجیب سا اس لیے نظر آتا ہے کہ جب اللہ سے دعا مانگ لی تو اس کو معاف کرنے میں کیا حرج تھا؟ Why should he relegate the order of "Maghfirat" back to the Prophet. اس کو یہ کیوں ضروری تھا؟ وہ خود ہی کہہ دیتا کہ میں بخش دوں گا، مگر اس نے کہا کہ اے پیغمبر! اگر تیرے پاس لوگ آئیں اور مجھ سے اپنی بخشش کی دعا کریں اور تو بھی ان کے لیے بخشش کی دعا کرے تو میں بخشنے والا ہوں۔

خواتین و حضرات! بات صرف اتنی سی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پردہ پوش جہاں ہوئے اور قرآن کی جو آفاقی آیات تھیں وہ صرف ایک دور کے لیے نہ تھیں۔ اب تو کوئی رسول اللہ ﷺ کے پاس اس طرح نہیں جا سکتا جیسے حضور زندگی میں تھے اور یہ حدیث موجود ہے کہ:

"جس نے میری قبر کو دیکھا اس نے گویا مجھے دیکھا۔"

اب بھی اگر آپ میں سے کوئی وہاں جائے اور بقول قرآن اللہ سے اپنی مغفرت کی دعا مانگے اور رسول اللہ ﷺ سے کہے کہ یا رسول اللہ! آپ بھی میرے لیے بخشش کی دعا مانگیں تو قرآن کی آیت تو تبھی پوری ہوتی ہے کہ پھر اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سوال: پروفیسر صاحب! ستیا رتھ پرکاش کا سوال ہے اور آیت ہے "ان الذین کفروا سوآء علیهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لایومنون" (البقرہ:۶) کہ ہم نے ان کے لیے کفر مقرر کر دیا، آپ تبلیغ کریں یا نہ کریں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس پر ولیم میور (William Mayer) نے اعتراض کیا ہے کہ "ختم الله علی قلوبهم" کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر پیوست کر دی ہے--- اب مہریں لگائے، اللہ--- ہندو بنائے، اللہ--- کسی کو برہمن بنائے، اللہ--- کسی کو مسلمان بنائے، اللہ--- تو اب یہ جاننے کی بات ہے کہ جب اللہ نے خود ہی ہندو بنائے۔ پھر جنت دوزخ بنا دی۔ اب اس میں ایک بندے کا کیا Fault ہے کہ جب اسے ہندو پیدا کر دیا گیا تو اس کے لیے تو جہنم ہے نا--- تو آپ یہ بتائیں کہ نہ مہریں لگتیں نہ وہ ہندو پیدا ہوتا، تو یہ مہروں کا کیا چکر ہے اور کیا

حساب ہے؟ یہ میرا آپ سے سوال ہے؟

جواب: میرے محترم دوست! آپ نے ایسا خوبصورت سوال کیا کہ شاید میری رگِ علمیت اس سے کافی پژمردہ ہو جاتی۔

بات یہ ہے کہ کہنے کی باتیں دیکھیں اور ذرا عمل کی باتیں دیکھیں۔ قرآن میں تمام سزا و جزا کی آیات ہیں۔ پر کاش صاحب کو بھی اس کا علم ہونا چاہیے تھا اور ولیم میور کو بھی اس کا علم ہونا چاہیے تھا کہ تمام سزا و جزا کی آیات، تمام مہروں کی آیات، تمام سختیوں کی، جہنم کی Explanation آپ میں سے کوئی بھی نا آگاہ نہیں ہوگا کہ کس کے لیے اتری تھیں؟ کفارِ مکہ کے لیے...... یہ تمام آیات جن کے Immediate مخاطب کفارِ مکہ تھے اور حضورِ گرامی مرتبت ان میں سے گزرتے تھے۔ انہی کو تبلیغ کر رہے تھے۔ وہی جواب میں یہ سب کچھ Return کر رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بار بار یہ کہہ رہا تھا، بار بار تبلیغ کا حکم بھی دے رہا تھا کہ ان کو سمجھاؤ اور بار بار ان کے Response بھی دیکھ رہا تھا اور یہ تمام آیات اسی Context میں، انہی لوگوں کے لیے اتریں۔ آیئے ذرا نتیجہ دیکھیں۔ اس دن جس دن مکہ فتح ہوا کتنے کافر کافر رہ گئے تھے کتنی مہریں مہریں رہ گئی تھیں، کتنا عذاب عذاب رہ گیا تھا، کون اس مکہ میں کافر رہ گیا تھا؟ آپ مجھے Historical Reference سے بتایئے اور پورے Practical Estimate کے ساتھ بتایئے کہ پروردگارِ عالم جو اتنی سختی سے اور اتنی کڑی سزائیں سنا رہا تھا اور بات بات پہ جہنم کی دھمکیاں دے رہا تھا اور بات بات پر خوفناک عذابوں کی خبر دے رہا تھا۔ جب انجام آیا، جب سزا دینے کا وقت آیا، جب شمشیرِ محمد ﷺ طلوع ہوئی جب مکہ فتح ہوا، تو کتنے لوگوں پر وہ قیامت کی گھڑی گزری تھی؟ آپ انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔

ان حضرات کو شاید اس چیز کا علم نہیں ہے کہ تمام وعدے اور وعید ایک بڑے Institution کی وجہ سے معطل ہو جاتے ہیں۔ تمام مہریں، تمام جبر، تمام سختیاں ایک بڑے Institution کے سایے میں معطل ہو جاتے ہیں اور وہ بڑا Institution کیا تھا کہ مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے اپنے اوپر ایک عہد لیا تھا:

"وكتب على نفسه رحمة"

کہ ہم ہر حال میں انسان پر رحم کریں گے۔ اگر ہزاروں مہریں بھی لگا دیں، تو بھی رحم کریں گے اور خواتین و حضرات! پھر یہ مہریں توڑنے کے لیے ہی محمد رسول اللہ ﷺ آئے تھے۔ اسی رحمتِ مجسم کو ہی اللہ تعالیٰ نے کہا تھا:

"وما ارسلنک الا رحمة للعلمين"

اب قرآن کی تینوں آیات کو غور سے ملا کر پڑھیے:

"الحمد لله رب العلمين"

"وكتب على نفسه رحمة"

"وما ارسلنک الا رحمة العلمين"

وہ ربّ العالمین ہے، اس نے اپنے اوپر رحمت لکھی ہے، اور تمام عالم کی رحمت سمیٹ کر ایک وجودِ مجسم میں رکھ دی ہے، اس کی تعلیمات میں رکھ دی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ میں رکھ دی ہے۔ اس کے بعد کسی بھی قسم کے انسان کو، خواہ وہ

غیر مذہب کا ہو یا اس مذہب کا، رحمت سے گریز نہ وہ کرسکتا ہے نہ اسے کرنا چاہیے مگر آیئے دیکھئے مہریں کیا ہیں؟ قرآن نے ایک بڑی اچھی بات بیان کی:

''فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون'' (النحل: ۴۳)

کہ اگر کوئی چیز آپ کے انداز بیان میں نہ آئے، سمجھ میں نہ آئے تو اہل ذکر سے پوچھ لو تو اتفاق سے اہل ذکر کے سرتاج، اولیاء کے سردار ''سید علی بن عثمان ہجویری'' نے اس Subject کو کشف المحجوب میں Touch کیا ہے۔ فرمایا:

(جب کوئی رغبت اور تحریص انسان کے دل اور اس کے باطن پر حملہ آور ہوتی ہے تو ایک نشان چھوڑ دیتی ہے اور اگر انسان اس تحریص پر غالب آنے کے لیے کوئی علمی اور ذہنی کاوش نہیں کرتا اور اس جبلی قدر کو قبول کر لیتا ہے تو وہ ایک مستقل نشان بن جاتی ہے اس کو ہم ''وطن'' کہتے ہیں۔)

''کلا بل ران'' (مطففین: ۱۴) اور یہی بات ''کرشنا'' نے اپنے 55th اشلوک میں ''گیتا'' میں کہی کہ جب کوئی خواہش انسان کی بڑھ جاتی ہے تو ہمیشہ وہ جبلی خواہش اس کی عقل کو اتنا دور پھینک دیتی ہے کہ جیسے ایک بڑا طوفان کسی چھوٹی ناؤ کو دور پھینک دیتا ہے اور یہ تمام Processess ہیں۔ کوئی Suddenness نہیں ہے۔ البتہ ایک بات کہہ سکتے ہیں کہ کسی چیز کا علم ہونا اور کسی چیز کا نتیجہ نکلنا یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ کوئی بندہ یا کوئی میکر جب کوئی مشین بناتا ہے تو اس کی اہلیت، اس کا ماڈل، اس کا اندازہ، اس کی Carriage اس کی Capacity اس کے اوپر لکھ دیتا ہے۔

اگر کوئی جاپانی آپ کے ہاں سوزوکی کا استعمال دیکھے تو اس کے لیے کتنی وحشت کا منظر ہوگا۔ ان لوگوں نے جو نازک سی شے بنائی وہ کس مقصد کے لیے بنائی اور یہاں وہ کس مقصد کے لیے استعمال ہو رہی ہے اس پر تو وہ انا للہ...... کہنے کے سوا کچھ نہیں پڑھ سکتے۔ تو خدا چونکہ بہرحال Maker of man ہے، وہ ہندو کا ہے یا مسلمان کا ہے Maker of man ہے۔ اس لیے اس کو کسی بھی انسان کی Inner capacities کا بخوبی علم ہے کہ اس کے رجحانات، اس کے تخلیقاتی رجحانات، اس کی Destructive tendencies کتنی ہیں اور اگر وہ چاہے تو اپنے علم کی بنیاد پر کسی بھی انسان کا فیصلہ دے سکتا ہے مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔ ایسا نہ کرنے میں بھی اس کی رحمت حائل ہے۔ اور یہ جو خیال ہے کہ کوئی کافر کیوں ہے؟ کوئی مسلمان کیوں ہے؟ تو خواتین و حضرات میں آپ سے ایک اور بڑا Practical سوال کرنے والا ہوں کہ پاکستان میں ہم بارہ کروڑ مسلمانوں نے ایک نظریے کو آتے دیکھا۔ سوشلزم، کمیونزم کو آتے دیکھا۔ آن واحد میں معاشرہ دو چیزوں میں بٹ گیا کہ ایشیا سبز ہے، ایشیا سرخ ہے اور جو ''ایشیا سرخ'' کہتے تھے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو Capitalist کا ایجنٹ کہتے تھے اور خدا کو افیم کہتے تھے اور جو خدا کے بندے تھے، جو خدا کو ماننے والے تھے، علم رکھتے تھے یا نہیں رکھتے تھے وہ سوشلزم اور کمیونزم والوں کو کافر کہتے تھے اور یہ تصادم بڑھتے بڑھتے Interpolar تصادم ہو گیا۔

خواتین و حضرات! کیا یہ سارے لوگ نسلاً مسلمان نہیں تھے آبائی طور پر؟ کیا ان کے آباؤ اجداد مسلمان نہیں تھے؟ کیا انہوں نے مسلمانوں کے گھر میں نہیں بنیاد پائی تھی مگر ایک ذہنی نظریے نے اس معاشرے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ہمارے اپنے Choices مختلف گروہی فکروں کو چلے گئے تھے۔ آج کون سا ہندو ہے یا کون سا

Chiristian ہے؟ Even Bill Clinton knows Islam and he says, he read a lot about Islam. تبت کا لامہ بھی اسلام کے بارے میں جانتا ہے، ہندو بھی جانتا ہے Chirstian بھی جانتا ہے۔ اب مجھے بتائیے کہ اگر ایک شخص کے پاس علم و دانش پہنچ گئی۔ پہچان پہنچ گئی، تو کیوں وہ مسلمان نہیں ہوتے؟ اور آپ کیوں مسلمان ہیں؟ آئیے ذرا اندازہ لگائیں کہ ہم کیوں مسلمان ہیں؟ اور وہ کیوں مسلمان نہیں ہیں؟ اگر وہ تقلید کی وجہ سے ہندو ہیں تو ہم تقلید کی وجہ سے مسلمان ہیں۔ Creditability تو دونوں کی ایک جیسی ہے۔ مگر خدا اس شخص کو کبھی محروم کرم نہیں رکھتا کہ جس نے اس دنیا میں غور و فکر کیا اور اللہ کی تلاش کی اور اللہ کی فکر کی، خواہ وہ ہندوؤں میں ''کے ایل گابا'' ہے یا Christians میں ڈاکٹر فاطمہ بارکر ہے، خواہ وہ تبت کا وہ لاما ہے کہ جو پچیس سال بعد لامائی کی عادت چھوڑ کر مسلمان ہو گیا۔ دنیا میں Religion کو اختیار کرنا Choice ہے۔ یہ تقلید نہیں ہے اور آپ جن لوگوں کو مسلمان یا ہندو یا کافر سمجھتے ہیں، یا اپنے Pattern of thought کے اسیر ہیں۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یا اپنی عقل و شعور و معرفت کو استعمال نہیں کر رہے ہیں۔

سوال: کیا خواتین کا قبرستان جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: پہلے جائز نہیں تھا---اصل میں وہ احتیاط جو آپ کرنا چاہتے ہیں اگر نہ کریں تو یہ آپ کا قصور ہو گا۔ یعنی ظاہر ہے کہ قبرستان میں عورتوں کا جانا ویسے میں Technically بھی کچھ کمزوری سمجھتا ہوں کہ یہ اتنی وہم و وسوسہ کی شریک ہوتی ہیں کہ اگر ہمارے گھروں کی عورتیں فاتحہ پڑھنے جاتی ہیں تو واپس آ کر ایسی عجیب و غریب داستانیں اپنے خوف کی سناتی ہیں کہ میں تو انہیں یہی Advice کرتا ہوں کہ نہ ہی جایا کرو۔ اگر جایا کرو تو اپنے اپنے Responsible لوگوں کے ساتھ جایا کرو، مگر شرعاً اس کی ممانعت صرف اس لیے کی گئی کہ Gatherings کو منع کیا گیا۔ Individually تو کوئی قید نہیں ہے۔ اگر کوئی بیٹی اپنے باپ کی قبر پر جانا چاہے تو اس پر کوئی قید نہیں ہے۔ اجتماعات فسق و فجور کا ذریعہ بنتے ہیں اور ایسی کثرت! اور ان حالات میں میں نے خود بھی دیکھا ہے---باوجود ولایت کو صحیح سمجھنے اور اللہ کے اولیاء کی انتہائی قدر و قیمت کرنے کے، بعض مزارات پر میں نے کچھ اس قسم کے نظارے ضرور دیکھے ہیں کہ کم از کم میں تو اپنی خواتین کو ان سے بچانا چاہوں گا۔ اگر کوئی اپنی عقیدت کو ان واقعات سے بالاتر سمجھے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ مثلاً میں نے لاہور میں عید میلاد کے کچھ جلوس دیکھے تو میرے دل سے دعا نکلی کہ اس سے بڑی توہین Prophet نہیں ہو سکتی۔ اللہ کرے یہ نہ ہی نکلا کریں تو بعض اوقات کسی آدمی کا نقطۂ نظر صحیح اور غلط نہیں ہوتا۔ Attitude اور Approach پر صحت کا نشان لگتا ہے۔ اگر آپ حرمت و عزت کے تصور رکھیں تو لاکھوں کے مجمعے بھی جائز ہیں اور اگر آپ اپنی جبلت اور بربریت کے لیے کوئی رستے ڈھونڈیں تو پھر مذہب بدترین رستہ ہے۔ اللہ اس سے سب کو بچائے......

سوال: لفظ مولانا کی وضاحت کریں، کیا اس میں شرک کا شائبہ ہے؟

جواب: صاحب! یہ Languages کے Differences ہیں۔ بہت سے وہ الفاظ جو شاید عربی میں کچھ اور معنی رکھتے ہوں۔ مولانا اپنے آقا و سردار کے معنوں میں ہوتا ہے۔ مولا، ولی اور مددگار کے معنی پر ہوتا ہے، مولانا کے General استعمال پر قطعاً کوئی قید نہیں ہے اور میرا خیال ہے، یہ صرف لفظی تغیرات ہیں جیسے ہم اللہ کے لیے لفظ خدا

اور یزداں استعمال کرتے ہیں تو ہمارے معنی وہ ہوں گے مگر اگر لفظ مولانا سے ہماری مراد خدا اور رسول نہیں ہے اور صرف General degree of respect ہے تو ایسے بہت سے لفظ ہیں جو خدا کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور General degree of respect کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں مگر ایسے بولتے ہوئے کوئی ان سے اللہ مراد نہیں لیتا۔ یہ آپ کی Language کے قصور ہیں۔ Language میں اگر اللہ کے لیے لفظ ''رؤف الرحیم'' ہے تو اللہ خود اپنے پیغمبر کے لیے یہی دو لفظ ''رؤف الرحیم'' استعمال کر رہا ہے تو وہ ہمیں اس قسم کی غلطیاں Permit کرتا ہے کہ Language سے مراد یہ نہیں ہے کہ ضروری آپ ایک لفظ کو پکڑ کر بیٹھ جائیں کہ مولانا صرف اللہ کے لیے استعمال ہو سکتا ہے، بندوں کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔ مولانا ایک General Cadre کا لفظ ہے جو کسی کے لیے بھی اپنے General معنی میں استعمال ہو سکتا ہے۔

سوال: براہ کرم علامہ صاحب کے اس شعر کے حوالے سے علم اور عمل کی وضاحت فرمایئے ؟

؎ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

جواب: میرا خیال ہے علامہ خود ایک Lathargic Nation میں پیدا ہوئے۔ باوجود عمل کی اتنی تلقین کرنے کے حضرت علامہ اقبال نے فرمایا:

؎ دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ اک مردِ تن آساں تھا تن آسانوں کے کام آیا

Actually اقبال قطعاً اس کا یہ عمل نہیں سمجھتا۔ اگر اس وقت کے بحران کو آپ دیکھیں تو آپ کو فلسفی کا کچھ احترام کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت کا مسلمانوں کا بحران علمی بحران تھا، تقلیدی بحران تھا اور اس وقت مسلمان چھوٹی چھوٹی روایات میں کھوئے ہوئے تھے۔

؎ یہ امت روایات میں کھو گئی ہے

تو اس وقت بھی عمل سے مراد علامہ نے مسلمانوں کو عملی جدوجہد پر اکسایا ہے اور اقوامِ مغرب کو سمجھنے کے لیے علمی جدوجہد پر زور دیا ہے اور خود بھی انہوں نے انتہائی جدید علمی کاوش کی، پی ایچ ڈی کی۔ اس میں عمل کو ایک جستجو اور تحقیق کا عمل، ایک تجسس کا عمل کہتے ہیں جو مسلمان کو ہر حال میں جاری رکھنا چاہیے اور اس سے مراد صرف ڈگریز نکالنا نہیں جو اقبال نکالا کرتے تھے۔

سوال: انسان کو مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو عذابِ قبر یا قبر کی زندگی کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! میں Expain کر چکا ہوں کہ انسان کا صرف جسم فنا ہوتا ہے اور باقی اس کی حرکات و سکنات، اعمال، اس کے جوارح اس میں موجود رہتے ہیں، جیسے قبر میں وہ عمل اس کے سامنے آئے گا کہ جو کچھ اس نے کیا، سوچا۔ ایک Compact film کی طرح اس کی پوری Personality اس Compact مظہر کے تابع ہوگی۔

تو وہ ایک Psychic وجود کی طرح ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور قبر میں جب بار بار اس کے اعمال اس کے سامنے آئیں گے تو وہ ایک ایسی Symbolic علامات کی طرح آئیں گے جو اسے ڈرائیں گے، دھمکائیں گے، گھبرائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے مقامات اس کے لیے کھول دیے جائیں گے اور وہ مقامات ہر وقت اس کی نظر میں ہوں گے اور وہ Psychic خوف اور پریشر اس کو Practical خوف سے بھی زیادہ ہوگا۔

سوال: اگر سائنسی نقطۂ نظر سے سوچیں تو موجودہ دور میں پاکستان میں کوئی بھی ڈھانچہ یعنی سیاسی، معاشرتی، مذہبی، غرضیکہ تمام ادارے صحیح نہیں چل رہے ہیں اس میں صرف چند مذہبی سکالرز کیا رول ادا کر سکتے ہیں؟

جواب: میں تو سب سے پہلے یہی کہتا ہوں کہ شاید ہم میں As a nation قومی شعور نہیں ہے، دیکھیے! اتنا بڑا Constitution ٹوٹتا ہے تو امتِ مسلمہ میں کوئی بھی طبقہ اور کوئی بھی فرد قطع نظر اس کے کہ لوگ اچھے آئے ہیں یا برے آئے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ جس نظام کے لیے ہم جدوجہد کرتے ہیں۔ اس نظام سے ہمیں کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ ہم اتنی محنت اور تجسس کے بعد ایک چھوٹا سا نظام بناتے ہیں اور ہمارا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر دس سال بعد وہ نظام ٹوٹ جاتا ہے خواہ جمہوری ہو یا آرمی ہو، ہم آج تک یہ فیصلہ ہی نہیں کر پائے ہیں۔ میں اس کو کیا کہوں۔ یہ قومی شعور کی کمی ہے بلکہ یہ بھی علمی شعور کی کمی کی وجہ سے ہے کہ ہماری Committment کسی علمی نتیجے سے نہیں ہے۔ ہم صرف چند مقاصد کی خاطر اپنے System develop کرتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ پورے معاشرے میں اس Committment کی وجہ سے کہ ہم آئین کے پابند تھے۔ کسی نے استعفیٰ نہیں دیا۔ اس کو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اسلام مشرق و مغرب کے تناظر میں

اعوذ باللہ السمیع العلیم ط من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب ادخلنی مدخل صدقٍ و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا

مسلسل غور و فکر کے بعد بھی میں آپ سے بعجز و انکسار نہیں بلکہ بہ حقیقت یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ انسان کبھی اپنے قد و قامت سے آگے نہیں بڑھتا اور جو انسان بھی قد و قامت سے آگے بڑھنا چاہتا ہے وہ اپنی عزت و حرمت کے لیے یا اپنی شناسائی قدر کے لیے کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی رائے اور خیال کا محتاج ہو جاتا ہے اور قرآن حکیم میں پروردگار ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اے لوگو! تم عزت طلب کرنے کہاں جاتے ہو۔ اے لوگو! تم اپنی ستائش کے لیے کہاں کہاں نہیں مارے پھرتے۔ اگر تمہیں شعور ہو، اگر تم جانتے ہو:

“فان العزة لله جمیعا” (النساء: ۱۳۹)

(پس تمام عزت اللہ کے لیے ہے۔)

میرا خیال یہ ہے کہ امتِ مسلمہ پر ایک ایسا اداس وقت ہے، ایک ایسا بوجھ ہمارے ذہنوں پر مسلط ہے۔ ہم غم و غصہ کے اس قدر مارے ہوئے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ ہمارے دل اپنی شکست و ریخت کے صدمہ سے پھٹ جائیں گے اور ہم بحیثیت ایک امتِ مسلمہ کے، ایک قوم کے، شاید ان طاقتور اور طاغوتی قوتوں کے سایے میں پس کے رہ جائیں گے۔ مگر مستقبل کی ایک بات میں آپ کو بتاتا چلوں۔ جتنا میرا محدود علم ہے اور جتنی میری محدود شناخت ہے پروردگارِ عالم کے بارے میں۔ امتِ مسلمہ کا مستقبل انتہائی روشن ہے اور باوجود اس کے کہ ہم ایک صدی سے رنج و کرب اور ابتلاء کی صورتیں دیکھ رہے ہیں، مگر حکمتِ الہیہ میں بعض حادثات ایسے ہوتے ہیں جو شائد ہمارے اس سوئے ہوئے ضمیر کو جگاتے ہیں، ہماری اُس بھولی ہوئی منزل کو ہمیں یاد کراتے ہیں۔ ہم بحیثیتِ مسلمان اپنے اُن اصولِ محبت کو بھول گئے، خدا کو بھول گئے اپنے رسول ﷺ کو بھول گئے۔ اور آج میں آپ کو ایک بات یاد کرانا چاہتا ہوں۔ میں یہ بات اپنے اُن انتہائی مذہبی دوستوں کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں، وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ شائد ایک Pattern یا ایک انداز ہی مذہب ہوتا ہے۔ ہم لوگ شائد طالبان کے اس مذہب کے قائل نہ تھے۔ میں اب بھی قائل نہیں ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ اسلام اس سے کہیں بلند

وبالاوبرتر ہے جوایک محدود تصور ہمیں ایک چھوٹا سا ہمارا مسلمان گروہ دے رہا ہے۔ مگر اس کے باوجود جب ہمیں اس گروہ کا سامنا کسی ایسے بڑے ظالم وجابر گروہ سے کرنا پڑے جو صرف طاغوتی قوتوں کے بل پر امتِ مسلمہ کے ایک انتہائی کمزور حصے کو مسمار کرنا چاہتا ہے تو میرا دل بھی اسی طرح خون کے آنسو بہاتا ہے جیسے کوئی فلسطینی اور جیسے کوئی سعودی عرب کا رہنے والا۔

یہ سیلابِ وفا، یہ امتِ محمد ﷺ آگے بڑھتے ہوئے بالآخر کامیاب وکامران ہوگی۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت ہم میں سے کتنے بچیں گے، یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ جو ایک شکست وریخت کا بہت بڑا طوفان آنے والا ہے اس میں کتنے انسان اس صفحہ ارضی پر بچیں گے مگر جن کو اسلام سے تعلق ہے اور جو مسلمان ہیں ان کے لیے آقاو رسول ﷺ کی یہ مصدقہ خبر ہے اور اس خبر میں قطعاً کسی قسم کی کوئی بدگمانی شامل نہیں ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ العزیز بہت جلد امتِ حاضرہ کے لوگ ولائتِ کبریٰ کے نشان دیکھیں گے اور نہ صرف ولائتِ کبریٰ کے نشان دیکھیں گے بلکہ ورودِ مسعودِ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی دیکھیں گے۔ اتنی بڑی خوشخبریوں کے ہوتے ہوئے مسلمان کیوں اداس ہو، کیوں پژمردہ ہو، کیوں اپنے آپ کو شکست خوردہ محسوس کرے۔ مگر وقت یہ ہے کہ ہم اپنا احتساب آپ کریں اور جذباتی نوعیت کے تمام مسائل کو عقل ومعرفت سے حل کرنا سیکھیں۔

اسلام مشرق ومغرب کے تناظر میں دونوں طرف سے اپنی مطلوبہ حمایت نہیں رکھتا نہ اہلِ مغرب اس کی مطلوبہ مخالفت کررہے ہیں اور نہ اہلِ مشرق اس کی مطلوبہ حمائت کررہے ہیں۔ علامہ اقبال نے ایک دفعہ کہا تھا کہ مسلمان نے کبھی اسلام کی مدد نہیں کی بلکہ ہمیشہ اسلام نے مسلمانوں کی خدمت کی ہے۔ اور سچ ہے کہ مسلمان ہمیشہ گریزاں رہا پانچ وقت کی نماز کی پابندی سے، گریزاں رہا اپنے بخل کی وجہ سے زکوٰۃ وصدقات کی پابندی سے، گریزاں رہا خدا کے احکامات سے، ان پر دوسرے احکامات کو ترجیح دیتا رہا اور وہ ملک جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے نام پر لیا گیا تھا اس میں کبھی رومن Law کی حکومت رہی کبھی British Law کی حکومت رہی اور کبھی عہدِ حاضرہ کے بدترین قوانین کی سرکردگی رہی۔ اس میں شریعت ہمیشہ ایک منتظر اداس کیفیت کی حامل رہی کہ کبھی تو وہ وقت ہوگا کہ مسلمان اپنے قانون کی حمایت کو پلٹیں گے مگر ایسا ممکن نہ ہوسکا۔

میں نے عصرِ حاضر میں ایک بڑی عجیب بات محسوس کی کہ ہمارا حکمران ہمیشہ ایک غیر عادلانہ نظام کا حامی رہا، ہمیشہ کافرانہ اور سیکولر اور لااسلام اور لامذہب نظام کا قائل رہا مگر ہمارا سائنسدان ہمیشہ مذہبی رہا۔ ہمارے سائنسدانوں نے امائے علمیہ سے کام لے کر بہت کم وقتوں میں ہمیں ایک ایسی معزز ومعتبر قوم بنادیا کہ جس کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ایک امریکن نے مجھ سے سوال کیا کہ یہ کیا وقت ہے؟ کیا تم لوگ کررہے ہو، نہ پہننے کو کپڑے، نہ کھانے کو روٹی ہے۔ مانگ مانگ کر تم نے پوری اقوامِ مغرب کا منہ پھیر دیا ہے اور تم یہ کس چیز پر ناز کرکے ایٹم بم بنا رہے ہو؟ تو میں نے اس سے کہا کہ ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں جتنے اللہ نے تمہیں عنائت فرمائے ہیں۔ تمہارے پاس ساری دنیا کے 13 فیصد وسائل ہیں ہمارے پاس اعشاریہ تیرہ بھی نہیں ہیں۔ ہم تعمیر میں، Sky Scrapers میں، تمہارے بلند وبالا Complexes میں شائد تمہارا مقابلہ نہ کرسکیں مگر بہت جلد ہم تباہی میں تمہارے مقابل ہوجائیں گے۔ یہ سن کر اس بیچارے کا رنگ ہی فق ہوگیا۔ اس نے کہا کہ تم Diabolical Nation ہو، میں نے اس سے کہا کہ ہم Diabolical Nation نہیں ہیں

بلکہ ہمیں اس زندگی سے اتنا اُنس اور اتنی محبت نہیں جتنا تم اس دنیا کو چاہتے ہو۔ تم تو یہ کہتے ہو کہ تم نے صرف ایک بار جینا ہے اور ہمیں یہ کہا گیا ہے کہ:

"وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور" (آل عمران: ۱۸۵)
(دنیا کی زندگی تو دھوکے کا مال ہے۔)
"انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو" (محمد: ۳۶)
(دنیا کی زندگی تو بس کھیل کود ہے۔)
"متاع الدنیا قلیل" (النساء: ۷۷)
(دنیا کا برتنا تھوڑا ہے۔)

ہمیں کہا گیا ہے کہ دنیا تمام تر سراب ہے، دھوکا ہے فریب ہے۔ اس میں الجھنا نہیں ہے۔ یہ غلط نہیں ہے مگر اس کے اندر سے یا اس کی توجہات اگر تمہیں اپنے مسلک سے بھٹکا دیں گی تو یہ سراب نظر اور فریب ہے۔ اگر یہی دنیا آپ کو وہ تعلیم، وہ تلقین اور وہ ہدایات مہیا کرے کہ جس کی مدد سے تم اپنے لیے، اپنے معاشرے کے لیے باعثِ رحمت ہو جاؤ، خدا کا Symbol ہو جاؤ تو یہی دنیا تمہارے لیے باعثِ رحمت ہو جائے گی۔ حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ نے اس دنیا کو تخلیق کیا تو جبرائیل سے کہا کہ جاؤ ذرا میری جنت کو دیکھ کر آؤ اور اپنے تاثرات پیش کرو۔ تو جبرائیل امین گئے، لوٹ کر آئے اور عرض کیا کہ اے پروردگارِ عالم ایسا تو کوئی شخص اس زمین پر نہ ہوگا جو تیری اس جنت کی آرزو نہ کرے گا۔ میں تو ایسا کوئی شخص نہیں سمجھتا کہ جو اس جنت کے لیے بے چین و بے قرار نہ ہو اور اس کے لیے جد و جہد نہ کرے۔ تو اللہ نے کہا کہ میں نے ایک اور جگہ بھی بنائی ہے۔ اب تو میری دوزخ دیکھ کر آ۔ تو جبرائیل دوزخ کا معائنہ کرنے گئے اور لرزتے کانپتے ہوئے واپس آئے اور کہا، اے پروردگارِ عالم! اتنی مکروہ اور ہلاکت خیز جگہ کی کون آرزو کرے گا۔ تو پروردگارِ عالم نے کہا، اے جبرائیل ذرا دوبارہ جنت کو دیکھ۔ تو اللہ نے جنت کو تمام مکروہات سے ڈھانپ دیا تھا۔ جبرائیل نے جب یہ منظر دیکھا، وہ مشقتیں دیکھیں، وہ مصائب دیکھے، وہ محرومیاں دیکھیں جن کے بعد انسان کو جنت ملنی تھی تو عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ کیا ان ساری چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی کوئی جنت میں جائے گا؟ پھر پروردگارِ عالم نے کہا کہ اب میری دوزخ پہ نظر مار کے آ۔ تو جب اس کو دیکھا تو اتنی خوبصورت چیزوں سے اللہ نے اس کو ڈھانپا ہوا تھا، اتنے لطائف، اتنی خوبصورتیوں، آسائشوں اور اتنے حسن و جمال میں وہ لپٹی ہوئی تھی کہ واپس آئے تو عرض کیا کہ اے اللہ اگر تو نہ چاہے تو کوئی ایسا نہیں کہ جو دوزخ سے بچے گا۔

تو حضراتِ گرامی یہ دنیا سراب ہے اور اس سراب کی تلاش میں ہم بہت آگے نکل گئے ہیں۔ یہ اسلام کا قصور نہیں ہے۔ میں قسم اٹھا کے کہہ سکتا ہوں کہ ہم مسلمان ضرور ہیں مگر ہمیں اسلام پر اعتبار نہیں ہے۔ یہ مشرق کا المیہ ہے کہ ایک جذباتی رو میں، ایک جذباتی تعلق میں، ایک جذباتی محبت جو ہمیں اپنے ورثے میں ملی ہے اس کے تو ہم ضرور قائل ہیں مگر اگر کہیں اسلام کے بارے میں کسی ذاتی، اندرونی جد و جہد کا مسئلہ پیدا ہو جائے، جہاں اسلام کا کسی دنیاوی چیز سے پیچ پڑ جائے تو بیچارہ اسلام غریب الوطن ہو جاتا ہے اور ہم وہ کرتے ہیں جو ہماری مرضی ہوتی ہے اور ہم وہ کرتے ہیں جو یہ دنیا

چاہتی ہے۔

ایک انگریز نے کہا تھا:

Where there is oil, there is muslim and where there is muslim, there is oil.

اس سے بڑی بدقسمتی ہماری اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک مغربی مفکر کے بقول جہاں جہاں مسلمان ہے وہاں وہاں تیل ہے اور جہاں جہاں تیل ہے وہاں وہاں مسلمان ہے۔ مگر اتنی بے شمار و بے پناہ دولت ہونے کے باوجود ذرا اس کے استعمال پر تو نظر ڈالیں۔ اس سے بہت کم وسائل والے ممالک جن کے پاس نہ آئل تھا نہ ان کے پاس سبزیاں اگتی تھیں، ان کے ملک میں کوئی خام دھات نہیں تھی جیسے جاپان، کہ دیکھتے دیکھتے ہی وہ دنیا کی اکانومی کی سپر پاور ہو گیا۔ اتنی محنت اور اتنی عزت سے وہ روپیہ کماتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر ہم جو ہر وقت کے کاسہ لیس ہیں، ہمیں اپنے وجود سے شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ غالب کا ایک بڑا مناسب شعر میں آپ کی نذر کر رہا ہوں اور ہمارا ابھی اس وقت وہی حال ہے جو غالب کے اس شعر میں ہے کہ:

ڈھانپے کفن نے داغ عیوب برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

اور یہ یقینی بات ہے کہ ہماری لاشوں کو کفن بھی قرضوں کے پڑے ہیں۔ کتنے افغان ہمارے ملک میں آئے، پریشان حال، دردمند، نہ وہ اُس طرف کے نہ اس طرف کے۔ مگر ہمارے کسی شخص نے مواخات قائم کرنے کا اعلان نہیں کیا۔ وہ مواخات جس کی ابتدا محمد رسول اللہ ﷺ نے کی۔ وہ جو قریش اور انصار کے درمیان قائم ہوئی۔ ہم پندرہ کروڑ ہیں، کتنے مہاجرین آجائیں گے؟ چالیس لاکھ، پچاس لاکھ اور اگر ان کو صرف اتنا کہ دیا جائے کہ ایک ایک صاحبِ مال و زر کچھ عرصے کے لیے ایک ایک افغان فیملی کی کفالت کرے، جیسے انصار نے کی۔ کیا آپ کے مذہب میں پہلے ایسا کوئی ہنگامہ نہ تھا، مگر ہم تو ایسے انصار ہیں کہ مہاجرین کے عوض بھی مال بٹورنے کے چکر میں ہیں۔ ہم تو اپنے بھائیوں کو بیچ کر اپنی گزر اوقات درست کرنے کے چکر میں ہیں۔ کتنی دوری ہے اس آئیڈیل سے جو پندرہ سو برس پہلے تھا اور کتنے نزدیک ہیں ہم اُس بحران سے جو ہمیں ذلت، غربت اور شکست و ریخت دے سکتے ہیں۔

مغرب کا ایک اعتراض ہے بڑا معتبر اور بڑا صحیح اعتراض ہے۔ اگر آج آپ سے کہا جائے کہ پندرہ سو برس پہلے کی سواریوں کو آج کے زمانے میں لے کر آئیں، پندرہ سو برس پہلے کی طرزِ تعمیر لے کر آئیں، پندرہ سو برس پہلے کی طریقِ خوراک لے کر آئیں یا پندرہ سو برس پہلے کے اونٹ اور گھوڑے لے کر آئیں اور ان کو آج کے Sky Scrappers کے درمیان جگہ دے دیں یا ان کو آج کی جدید سواریوں کی جگہ استعمال کرنا شروع کر دیں تو صرف جگ ہنسائی ہوگی۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ ماحول اس ماحول میں اب Adjust نہیں ہو سکتا۔ تو مغرب کے فلاسفر یہ کہتے ہیں کہ اگر Practically کوئی چیز اُس وقت کی اس وقت میں Adjust نہیں ہو سکتی تو پندرہ سو برس پہلے کا اسلام اب کیسے Adjust ہو سکتا ہے؟

اعتراض تو بڑا معقول ہے۔ سب سے بڑا اعتراض جو مغرب اسلام پر کرتا ہے وہ زمانی و مکانی بعد کا ہے کہ زمان و مکان کا اتنا بڑا Distance ہے، وہ Cover نہیں ہو سکتا، وہ مناسب نہیں ہے۔ مگر ایک بات وہ بالکل بھول جاتے ہیں کہ باقی ساری چیزیں انسان کی ہیں۔ گھوڑا انسان استعمال کرتا ہے۔ مگر جو نظام قرآن میں موجود ہے وہ کسی انسان کا نہیں ہے، وہ ربُّ العزت، پروردگارِ عالم اللہ کا ہے۔ اس اللہ کا جس نے قرآن میں یہ بات لکھی کہ ہم نے قرآن کی ایک ایک آیت کو ہر ماحول اور ہر صدی کے تناظر سے جانچا اور پرکھا ہے اور قیامت تک تمہیں اس قرآن کا ہر بیان، ہر مفہوم ویسے ہی درست لگے گا جیسے آج لگ رہا ہے۔

مغرب کے اس اعتراض کے جواب میں ذرا ایک دو آیات چیک کر کے دیکھتے ہیں، وہ آیات جن کا براہ راست تعلق مذہب سے نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق آج کی سائنسی دنیا سے ہے، وہ آیات جن کو اگر آپ پڑھیں تو ان میں سے آپ نہ نماز نکال سکتے ہیں نہ روزہ نکال سکتے ہیں، کوئی شے بھی نہیں نکال سکتے، وہ صرف سائنسی دنیا کی نمائندگی کرتے ہیں۔

پروردگارِ عالم فرماتے ہیں کہ تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں:

”وتری الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب‘‘(النمل: ۸۸)

(اور تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں اور یہ تو سحاب ابر کی طرح چلتے ہیں۔)

یہ کوئی نماز کا حکم نہیں ہے، یہ روزے کا حکم نہیں ہے، یہ خیرات و صدقات کا حکم نہیں ہے مگر اللہ خبر یہ دیتا ہے کہ تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں مگر یہ کھڑے نہیں ہیں۔ بھئی یہ تو اڑتے ہوئے سرمئی بادلوں کی طرح بھاگ رہے ہیں۔

اب آپ سائنسدانوں سے پوچھیں کہ کیا پندرہ سو برس پہلے کی یہ آیت جو بغیر کسی لیب کے، بغیر کسی ریسرچ کے اور بغیر کسی سائنٹفک توجیح کے جب آپ کو دی گئی ہے تو آپ اس کا مطلب کیا لیتے ہو تو وہ آپ کے عالم سے بہتر آپ کو بتائے گا کہ پہاڑ اس دنیا کے ساتھ 44 ہزار میل فی گھنٹہ کے حساب سے اڑ رہے ہیں اور اگر زمین رک جائے تو پہاڑ پھر بھی اڑتے رہیں گے اور یہ اس دن ہوگا جس دن قیامت آئے گی زمین کو روکا جائے گا اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح زمین کی سطحوں پر اڑتے رہیں گے۔ سائنسدانوں کو پوچھنے کہ کیا آپ کو قرآن پرانا لگتا ہے؟ کہ پندرہ سو برس پہلے جبکہ واٹسن بھی نہیں تھا، آئن سٹائن بھی نہیں تھا، Theory of Expansion نہیں تھیں، کوئی Big Bang نہیں تھا تو اس وقت قرآن یہ کہہ رہا تھا:

”اولم یر الذین کفروا ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنهما‘‘(الانبیاء: ۳۰)

(کیا انہوں نے نہیں دیکھا جنہوں نے انکار کیا کہ زمین و آسمان پہلے ایک تھے پھر ہم نے انہیں پھاڑ کر الگ الگ کر دیا۔)

اور اس کا مخاطب اس وقت کا عرب نہیں تھا۔ اس کا مخاطب آج کا مسلمان تھا، آج کا یورپی تھا۔ اس وقت کیا پتہ تھا کہ Origin of earth کیا ہے؟ مگر خدا اس آیت میں آفرینشِ کائنات دے رہا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کی وضاحت کہاں سے آئی۔ اس آیت کی تفسیرِ جلالین وضاحت نہیں کرتی، اس آیت کی صاحبزادہ محمود آلوسی زادہ وضاحت نہیں کرتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر ابنِ کثیر وضاحت نہیں کرتی۔ اس آیت کی Hopkins وضاحت کرتا

ہے۔ اس آیت کو آئن سٹائن Explain کرتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ مغرب تصورِ مذہب سے نہیں بلکہ تصورِ تحقیق سے آغاز کرتا ہے۔

جب اللہ کا کام تقسیم ہو گیا، تحقیق و جستجو تقسیم ہو گئی، وہ اللہ جو اپنے بندوں کے بارے میں یہ گمان رکھتا تھا، اپنے محمد ﷺ کی امت کے بارے میں یہ گمان رکھتا تھا کہ:

”الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم“ (ال عمران:۱۹۱)

کھڑے، بیٹھے، کروٹوں کے بل یہ مسلمان مجھے یاد کریں گے۔ یاد کرتے رہیں گے۔ ہر زبان پر اللہ کا نام ہو گا مگر ساتھ ساتھ زمین و آسمان پر غور و فکر جاری رہے گا۔ یہ ہر چیز کو آیتِ الٰہی سمجھیں گے۔ یہ ہر جستجو کو جستجوئے خداوند سمجھیں گے۔ یہ ہر چیز کا رستہ اپنے اللہ کی طرف جاتا ہوا محسوس کریں گے۔ ان کو زمین پر ایک معمولی سی شہد کی مکھی میں بھی اللہ نظر آئے گا۔ جب یہ دیکھیں گے کہ گوبر اور گھاس کھانے والے کے پیٹ میں سے کیا بے داغ دودھ نکلتا ہے تو یہ اپنے اللہ کی تعریف کریں گے۔ بدقسمتی سے تحقیق و جستجو کی یہ امانتیں ہم سے چھن گئیں کہ وہ مسلمان جو صرف علم کے لیے پیدا ہوا تھا، وہ علم جو اسے خدا کا رستہ دکھاتا تھا، وہ محض تقلید میں چلا گیا، وہ محض ایک مکتبے کی نظر ہو گیا۔ مکتب کون سا تھا اسلام میں؟ بڑی خوبصورت بات اقبال نے کہی There is no church in Islam اسلام میں تو چرچ تھا ہی نہیں۔ اسلام میں کوئی آرگنائزیشن نہیں تھی۔ اسلام میں، مَیں اور آپ سب ایک تھے۔ مجھے کوئی اچھی بات پتہ تھی تو میں کسی گروہ میں نہیں، کسی کلاس میں نہیں، اپنے آپ کو بہتر سمجھ کے نہیں، معززتر سمجھ کے نہیں بلکہ میں تو اپنی مروتِ مذہب میں آپ کو سکھانے کا پابند تھا۔

مروت حسنِ عالمگیر ہے مردانِ غازی کا

میرا آپ کو علم سکھانا یا میرا آپ کو تعلیم دینا میرا احسان نہ تھا بلکہ اسی مذہب کے حوالے سے یہ میرا ایک عالمگیر فرض تھا کہ میں ایک کم علم بھائی کو ایک اچھا مشورہ دوں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ارشاد فرمایا کہ مروت یہ ہے کہ جب تو اپنے اندر کوئی خطا نہ دیکھے تو خدا کا شکر ادا کر کہ اللہ نے تجھے اس خطا سے بچایا ہوا ہے اور جب اس خطا کو کسی اور مسلمان بھائی میں دیکھے تو اس کے لیے دعا کر کہ اے پروردگارِ عالم اس کو بھی اس خطا سے نجات دے۔ یہ مروت کی تعریف ہے جو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمائی۔

ابھی قرآن کی حقانیت کی آپ کو ایک عجیب و غریب بات بتاؤں کہ جب ہُدہُد ملکہ سباء کے پاس پہنچا تو اُس نے کہا، میں نے ایک قوم کو دیکھا ہے جو سورج کی پرستش کرتی ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں تو وہ تہذیب غرق ہو چکی تھی۔ اس کے آثار باقیات بھی قائم نہیں تھے۔ پھر وقت گزرتا گیا اور سبائین کا علاقہ تو لوگوں کو یاد رہا لیکن سبائین بھول گئے۔ جو اس میں رہتے تھے بھول گئے اور سیلِ عرم لوگوں کو یاد رہ گیا۔ کیونکہ اتنی بڑی تباہی و بربادی کے بعد اگر کوئی بچتا تو کسی کو یاد دلاتا۔ اللہ کے جب عذاب آتے ہیں اور اس کی آفات آتی ہیں تو وہ ہاتھیوں کو ابابیلوں سے مرواتا ہے۔ اور دیکھیے کہ جب پہلی مرتبہ سبائین کی کھدائی شروع ہوئی تو جو سب سے پہلا ستون نکلا اس پہ سورج تھا اور اس کے سامنے جو تصویریں بنی ہوئی تھیں وہ اس کی پرستش کی بنی ہوئی تھیں، یہ کمال ہے۔

یہ آپ کا عجز ہے کہ آپ قرآن کو غیریت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر آپ اس کو اللہ کا کلام سمجھیں تو جز دانوں میں کیوں لپیٹیں؟ دیکھیں کتنے لوگ پریشان ہوتے ہیں یہ جاننے کے لیے کہ خدا ہے کہ نہیں، خدا کو کہاں سے ڈھونڈیں۔ مغرب کا Logical Positivist کہتا ہے، جس کا سراغ ہی کوئی نہیں ہے ڈیٹا ہی کوئی نہیں ہے اس کو ہم کیسے مانیں؟ Anthropologist کہتا ہے یہ کیا آپ نے خدا خدا لگا رکھی ہے، ضرورت انسان ہے جب نہیں ہوگا ہم گھڑ لیں گے۔ کیا مسلمان کو بھی اس غیریت سے آشنائی ہے، کیا قرآن کو پڑھتے ہوئے آپ نے کبھی غور سے دیکھا کہ جس خدا کے بارے میں ساری دنیا پریشان ہے، جس کا کسی کو کوئی سراغ نہیں ملتا، جس کے بارے میں یہ ہے کہ وہ انسانی بصارت میں نہیں آ سکتا، وہ اللہ جو بے پناہ اور وسیع الکائنات ہے۔

وہ اللہ جو (ہمہ قوت) Omni Potent, (ہمہ نگہ) Omni Scient, (ہمہ موجود) Omni Present ہے، وہ اللہ جس کی اتنی بڑی کائنات ہے کہ جس کائنات کی پہلی دہلیز تک ابھی انسانی عقل کے قدم نہیں پہنچے۔ اس عظیم المرتبت اللہ کے اپنے لفظ ہمارے پاس ہیں۔ 6666 آیات پر محیط یہ کتاب، جس کا ایک ایک لفظ یہ گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا لفظ ہوں۔ آپ ذہین ہو، آپ دانشور ہو، آپ مفکر ہو تو آپ قرآن کا ایک چیلنج قبول کر لو۔

"الم o ذلک الکتب لا ریب فیہ"

(یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔)

اگر آپ کو شک ہے تو آؤ آگے بڑھو، خدا نے منع تو نہیں کیا ہوا۔ جب خود اس نے آپ کو تجسس بخشا ہے، جب خود اس نے آپ کو ذہن بخشا ہے عقل بخشی ہے اور عقل کا مقصد صرف ایک بتایا ہے کہ:

"انا ھدینہ السبیل اما شاکرا واما کفوراً"

(بے شک میں نے اسے ہدایت دی کہ چاہے تو مانو چاہے تو میرا انکار کر دو۔)

تو میرا حق ہے کہ اسے ماننے سے پہلے یا اس کا انکار کرنے سے پہلے جو صلاحیت اس نے مجھے دی ہے، میں اسے پوری طرح استعمال کر کے اپنے نتائج کو Confirm کروں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اے میرے رب کریم رب تو تجھے میں بعد میں مانوں گا، مجھے تو تجھے تسلیم کرنے سے عار آ رہی ہے اور تو کہتا ہے کہ نماز و روزہ کرو۔ تو وہ کہتا ہے کہ یہ میری کتاب قرآن تیرے سامنے ہے، یہ میرے لفظ ہیں، میرا ڈیٹا ہے اگر تمہیں شک ہے تو اس کتاب میں کوئی غلط بات نکال کر دکھا دو۔ میں نے تو بڑی سائنٹفک باتیں کی ہیں، خالی عبادت کی باتیں نہیں کیں۔ اس میں زمین کی تخلیق بیان کی ہے۔ میں نے تو حیات کا Origin بتایا ہے، میں نے تو معاشرت کی ابتداء کی ہے میں نے تو بتایا ہے کہ انسان پہلے کیسا تھا اور آج کیسا ہے؟ اس میں تاریخ ہے، اس میں Anthropology ہے۔ اس میں سائیکالوجی ہے۔ اس میں پیرا سائیکالوجی ہے۔ تم ایسا کرو ایک نتیجہ غلط کر دو۔ صرف ایک نتیجہ۔ کہ تین ہزار سال سے جتنی تمہاری مرتب تاریخ ہے Greeks سے لے کر آج تک، مشرق و مغرب کے تناظر سے اگر تمہیں کوئی شبہ ہے کہ تم خدا سے آگے بڑھ گئے ہو، تمہاری دانش میں اضافہ ہو گیا ہے اور تم اسلام پہ یہ اعتراض کرتے ہو کہ یہ پرانا ہے فرسودہ ہے تو تم کوئی ایک بات ایسی نکال دو جس میں قرآن تمہارے جدید ترین عصر پہ پورا اترتا ہوا نظر نہ آتا ہو۔

انسان تو پہلے بھی وہی تھا۔ اگر Sparta (سپارٹا)، Homosexuality کی وجہ سے تباہ ہوا اور Greeks کی سوسائٹی اس لیے تباہ ہوئی کہ وہ امرد پرستی کے قائل تھے اور وہیں سے ان کی دوسری قسم گناہ کی عورتوں میں بھی شروع ہوئی۔ اگر قومِ لوط اس لیے تباہ ہوئی تو آج کا انسان کوئی جدا تو نہیں ہے۔ کیا آج کے انسان نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ حیاتیاتی طریقِ کار جدا کر لیے ہیں۔ کیا آج کا انسان بھی اسی مرض کو قانون بنانے کا عہد نہیں کر بیٹھا؟ کیا مشرق و مغرب میں یہ المناک حادثے نہیں ہو رہے؟ ملاحظہ فرمایئے اس مسخرے ٹونی بلیئر نے کہا کہ ہم Civilized لوگوں پر Barbarians کا حملہ ہو گیا۔ بھئی Civilized ہونے کا مطلب کیا یہ ہے کہ تم اغلام بازی عام کر دو؟ اس کے قانون بنالو، Lesbianism عام کر دو۔ تم امرد پرستوں اور ہم جنسوں کو آپس میں جائیداد کے حقوق دینے کے Attitude کو Civilized کہتے ہو۔ مگر شاید اس کی تاریخ بہت کمزور ہے۔ غور فرمایئے کہ دورِ جاہلیت عرب میں کب گزرا؟ پندرہ سو برس پہلے۔ اور دورِ جاہلیت مغرب میں کب گزرا؟ تین سو برس پہلے۔ پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی کو Dark ages of Europe کہتے ہیں۔

آج ہمارے عالم تو پھر بھی اچھے ہیں، چاہے کتنے ہی ان پڑھ ہوں، لیکن ضدی ضرور ہیں اپنی تعلیم سے کبھی کبھی غلط فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ میں تو آج کے معلم کا صرف ایک قصور سمجھتا ہوں کہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر علم دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر میں پانچویں جماعت تک کا ہی استاد ہوں تو اصولاً مجھے میٹرک والے کو بہکانا نہیں چاہیے۔ اور میرا جہاں تک علم کام کرتا ہے اور جہاں تک میری دانش کام کرتی ہے مجھے ایمانداری سے یہ کہنا چاہیے کہ میں دورِ جدید کے Instrument of Intellect کو نہیں جانتا اور جو آج کل عقلیت کے معیار ہیں، میں ان کو نہیں جانتا۔ مگر یہ نہیں کہنا چاہیے کہ آج کے دورِ عقلیت کے انسٹرومنٹ سے کوئی اور مسلمان واقف نہیں ہے۔ اگر ایک آدمی نہیں جانتا تو امتِ مسلمہ ایسی بھی کند ذہن اور نااہل نہیں کہ وہ دورِ جدید کی اعلیٰ ترین تحقیقات کو سمجھ نہ سکے۔ مسلمان ذہن اتنا گھٹیا نہیں ہے کہ وہ کوآنٹم کو نہ سمجھ سکے یا Relativity کو نہ سمجھ سکے۔ وہ اعلیٰ ترین علمی تجسس اور اعلیٰ ترین فکری روش کے مالک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صرف دس سال کے مختصر عرصے میں انہوں نے آپ کو اعلیٰ ترین سائنسی تحقیقی معیار تک پہنچا دیا ہے۔ جبکہ ہمارے دینی عالموں نے اپنے آپ کو اس معیار تک نہیں پہنچایا۔ قرآن کا اپنا ایک معیار ہے۔ آپ ایم ایس سی کی کتاب پانچویں جماعت کے ایک طالب علم کو نہیں پڑھا سکتے۔ ایک معیار چاہیے، ایک تدبر چاہیے، ایک عقل و فراست چاہیے، ایک درجہ چاہیے اس کے فہم کے لیے۔ اگر آپ اعلیٰ ترین فلسفہ خیال کو سمجھنا چاہتے ہیں، اگر آپ اعلیٰ ترین Pattern of thoughts قرآن میں دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی علمی وجاہتوں میں اضافہ کرنا ہوگا۔ آپ کو اپنی تحقیق و جستجو میں اضافہ کرنا پڑے گا۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ قدیم خانقاہوں اور مدرسوں سے منسلک رہ کر کوئی اس اعلیٰ ترین معیار تک پہنچ سکے۔ آپ کو جاننا ہے کہ علمِ حیاتیات کیا ہے، آپ کو جاننا ہے کہ علمِ ہیئت کیا کہتا ہے اور وہ نہیں جو ہمارے پرانے زمانے کے علماء کہتے تھے۔ تفسیرِ رازی نہیں چلے گی، بوعلی سینا اب نہیں چلے گا، اب آپ کو اسی عصر کے جدید ترین تقاضائے علمیہ کو پورا کرنا پڑے گا۔

ابنِ عباس سے جب پوچھا گیا کہ یا حضرت! آج تو آپ زندہ ہیں اور لازوال علم کے مالک ہیں مگر کل آنے والی نسلیں کیا کریں گی۔ اس وقت تو آپ نہیں ہوں گے تو لوگ کہاں سے علم حاصل کریں گے، کہاں سے تاویلاتِ قرآن

سیکھیں گے آپ کو تو رسول اللہ ﷺ کی دعا ہے مگر جب آپ نہیں ہوں گے تو کل کیا ہوگا۔ فرمایا:

"القران یفسرہ الزمان"
(ہر زمانہ قرآن کی اپنی تفسیر کرے گا۔)

سورہ حدید کی جب آیات حضرت زین العابدین کے سامنے پیش ہوئیں اور کہا گیا کہ امامِ زمانہ ان کی تفسیر آپ ہمیں بتاؤ:

> "کہ خدا جانتا ہے کہ زمین کی تہوں میں کیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کس چیز نے اُگنا ہے اور کس نے نہیں اُگنا اور وہ جانتا ہے جو آسمان و زمین کے درمیان میں ہے اور وہ جانتا ہے جو بالائے کائنات میں ہے۔"

آپ نے فرمایا کہ یہ آیات تیرے لیے نہیں ہیں ان کی تفسیر تجھے نہیں سمجھ آئے گی۔ کہ یہ آیات آخرِ زمانہ میں جو تقویٰ والے لوگ ہوں گے، جو خدا پہ غور کریں گے اور علم حاصل کریں گے، ان کو سمجھ آئیں گی۔ جو Skylab کو آسمانوں پہ چلتا ہوا دیکھیں گے اور جو انتہائی Sophisticated ذرائع ابلاغ جان لیں گے اور جن کو معلوم ہوگا کہ ایسے ایسے جاسوسی کے آلات ہیں جو زمینِ افغانستان کی تہوں کے نیچے بنکرز میں چھپے ہوئے آلات دیکھ لیتے ہیں۔ پھر آج کے زمانے کو خوب سمجھ آئے گا کہ اگر ایک معمولی سی قوت جابرانہ زمین پر یہ اقتدارِ حاضرہ حاصل کر سکتی ہے کہ وہ زمین کی تہوں کو چیر کر ان میں چھپی ہوئی چیزوں کا سراغ لگا سکتی ہے تو اللہ عزوجل، بزرگ و برتر، جو مالکِ کائنات، مالکِ بحروبر ہے اس سمیع و بصیر کی قوتیں کتنی تیز تر ہوں گی، کتنا تیز تر ہوگا وہ نظام جس کو مشین کی ضرورت نہیں ہے، جس کو اواکس کی ضرورت نہیں ہے اور جس کو کسی سیٹلائٹ کی ضرورت نہیں ہے اور بالائے کائنات اس کی جاسوسی کا نظام اتنا مکمل ہے کہ اگر کسی زمین کی تہ میں ایک بالی پر سو دانے اُگتے ہیں تو اس کو ان سو دانوں کا پتہ ہوتا ہے۔ اور کتنے بارش کے قطرے کس چٹان پر گرتے ہیں اور کس سرزمین زرخیز پر گرتے ہیں اس کو سب باتوں کا علم ہے۔ اس خدا کے ہوتے ہوئے بھی کوئی دورِ حاضر کی ان طاغوتی قوتوں کو مان سکتا ہے۔

اہلِ مشرق تو معجزہ ہی ڈھونڈتے رہے۔ اس بدبخت ٹونی بلیئر کو دیکھو جس کو مشرق میں Civilization نظر ہی نہیں آتی۔ اس کو کہو کہ تمہارا پیغمبر بھی تو مشرق کا تھا (عیسیٰ علیہ السلام)۔ آج تک مشرق کے بغیر پیغمبر بھی کوئی نہیں اٹھا۔ تہذیب اول و آخر کے استاد ہی مشرق سے اٹھے۔ تم نے زمانے کو کیا دیا؟

صلۂ فرنگ سے آیا ہے ایشیا کے لیے
مے و خمار و ہجومِ زنانِ بازاری

یہی صلہ دیا ہے تم اہلِ مغرب نے مشرق کو، یہی جدت دی ہے تم نے، یہی وہ جدیدیت ہے اور یہی وہ مہذبیت ہے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو۔ خداوند کریم نے ہر ایک طاغوت کا ایک توڑ رکھا ہوتا ہے اور اللہ قرآن میں کہتا ہے کہ جب قومیں اپنی معیشت پر اترانے لگ جائیں، اکنامکس پہ نازاں ہوں اور دوسروں کو اس لیے غلام بنائیں کہ وہ بد تہذیب ہیں تو اللہ ان کو تباہ کر دیتا ہے۔ کیا تہذیب یہ تھی کہ دوسروں کو بد تہذیب Declare کریں؟

مجھے ایک دفعہ ایک بڑے طنطنے والے صاحب نے، جب میں ایک ہوٹل میں داخل ہوا، تو میرے پاؤں پر ذرا گرد پڑی ہوئی تھی۔ بال تو ہمیشہ ہی الجھے رہتے ہیں۔ لباس سے بے خبر تھا۔ تو اس نے بڑی خوبصورت، بڑی مناسب ٹائی لگائے میرے پاس سے گزرتے ہوئے ایک جملہ کسا

.I don't know how these uncivilized people are allowed to come

(مجھے نہیں پتہ کہ ان بدتہذیب لوگوں کو کون اجازت دیتا ہے کہ ایسے اچھے ہوٹلوں میں گھس آئیں۔)

میں آگے بڑھا تو مجھے ایک چھوٹی سی لڑکی نظر آئی۔ اس سے میں نے ذرا دوستی لگائی، میں نے کہا بیٹی تھوڑی دور تک میرے ساتھ آؤ تو میں ان صاحب کی ٹیبل کے پاس آ کے رکا تو میں نے کہا:

You know little girl, what is the most civilized attitude in present day. Not to call somebody uncivilized. That's the only civilization you learn and there is no other civilization.

(بچے تمہیں پتہ ہے کہ سب سے اعلیٰ تہذیب کیا ہے کہ کسی کو بدتہذیب ہونے کا طعنہ نہ دو۔)

تو ان کا رنگ اتنا سرخ ہو گیا کہ چادر طمع کی اتر گئی اور پھر وہ منیجر کے پاس گئے اور انہوں نے کہا کہ انہوں نے میری بڑی Insult کی ہے، بڑی توہین کی ہے، I want to clear my account with him اور یہ حال ہے ان جدید Civilizations والوں کا۔

میری بھی ایک رائے ہے اس واقعہ پر جو مغرب میں ہوا (ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی(1))، میں آپ سے ایک سوال کر رہا ہوں۔ آپ اس پر جتنا غور کریں گے حیران ہوں گے۔

"It is very difficult job to differentiate between the committed and the Criminal."

کہ کوئی شخص کوئی کام کیوں کر رہا ہے؟ اس کے بغیر آپ شہید کا، مجاہد کا اور مجرم کا فرق محسوس نہیں کر سکتے۔ آپ کو یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ شہید کو شہید کیوں کہتے ہیں اور ایک آپ کے مخالف کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ Terrorist کیا ہوتا ہے۔؟ دنیا کی کوئی ایسی تعریف نہیں ہے جو ان دونوں میں فرق کر سکے۔ آزادی کشمیر کے لیے لڑنے والے آپ کے مجاہد، ہندوستان کے شرپسند اور دہشت پسند ہیں۔ مغرب کا استعمار جب صابرہ اور شتیلہ میں 350 بچوں کو اور عورتوں کو مار دیتا ہے تو کوئی اسے Terrorist Activity نہیں کہتا۔ جب روز ایک نئی تباہی و بربادی اور مسلم امہ کے زوال کی خبر ہم سنتے ہیں تو میں اور آپ جو بڑے مہذب لوگ ہیں درد محسوس کرتے ہیں، کڑھتے ہیں اور پھر چپ کر جاتے ہیں لیکن Not all of us۔ سب بھائی بھی ایک مزاج کے نہیں ہوتے۔ میں تو ہو سکتا ہے کہ زیادہ تعلیم کی وجہ سے صبر کر جاؤں لیکن میرا بھائی مجھے بزدل کہے گا کہ تو پڑھ لکھ کے بزدل ہو گیا ہے مگر میں کہوں گا کہ تو نے پڑھا نہیں ہے تو جاہل ہے مگر Approch میں Activity کا فرق ہوتا ہے۔ برا میں بھی مناؤں گا، برا وہ بھی منائے گا مگر جب ستر، اسی سال سے آپ کسی شخص کو مسلسل جوتے مار رہے ہوں، مسلسل ذلیل کر رہے ہوں، مسلسل ان کی ایک پوری آبادی کو تہ و بالا کر رہے ہوں،

مسلسل ان کی غیرتِ قومیہ کے لیے سوال بن رہے ہوں تو کیا ان میں سے دو چار ایسے پاگل نہ اٹھیں گے؟

اور کیا عجیب بات ہے کہ ستر سال سے عرب اقوام ایک علیحدہ فلسطینی ریاست کا مطالبہ کر رہی تھیں مگر ستر سال سے اس مطالبے پر کسی نے کان نہیں دھرا تھا۔ پھر تم بتاؤ کہ لاتوں کے بھوت تو باتوں کو نہیں مانتے ہیں۔ ادھر یہ حادثہ ہوا، اُدھر انہوں نے فلسطینی ریاست کا اعلان کر دیا۔

اگر اس واقعہ کو اس کی اپنی Locale میں دیکھا جائے تو یہ ایک ناقابلِ تصور اور ناقابلِ برداشت واقعہ ہے۔ مگر جب اس کے پس منظر میں اور اس کے ماحول میں اور اس پوری مدت کے دکھ درد، المیوں کے مسلسل کردار کے حوالے سے اس کو دیکھا جائے تو شاید اس کے علاوہ اور کوئی Opening نہیں بچی تھی کہ جب تمام میڈیا آپ کے قبضے میں ہو، تمام اسباب آپ کے قبضے میں ہوں اور تمام معاملات پر آپ دسترس رکھتے ہوں، اگر اس وقت ایک غریب نے اپنی جان دے کر آپ کو کسی بڑے مسئلے کا احساس دلا دیا تو پھر آپ کو بہت تکلیف ہونی شروع ہو جائے گی۔

میں مختصراً آپ سے کہتا چلوں کہ صرف Approach کا فرق ہے اور اسلام ایک یقین و اعتماد کا نام ہے اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر۔ میں ان لوگوں کو کہوں گا کہ جو صرف داڑھی عمامہ کو اسلام سمجھتے ہیں، آج ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھو کہ طالبان کے لیے صدا کہاں سے اٹھ رہی ہے۔ اُن نوجوان لڑکوں سے جن کی تو ابھی داڑھیاں اگی بھی نہیں، ان جدید شہروں کے ان لوگوں سے جو اپنے سر دے کر بھی اپنی اس تحریک کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تو اسلام کسی کی وراثت نہیں ہے۔ اسلام دلوں کا معاملہ ہے۔ اسلام تقویٰ ہے، خدا کی محبت ہے، رسول ﷺ کا اُنس ہے اور انہی دو حوالوں سے امتِ مسلمہ کے درد کو اسلام کہتے ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

سوال: آپ کے عقل و فہم کے مطابق حالات کیا رخ اختیار کریں گے اور مسلم ممالک کا کیا کردار ہوگا؟

جواب: مسلمانوں پر آج تک کوئی ایسی آفت نہیں آئی جو حضور گرامی مرتبت کی دعاؤں کی وجہ سے ان کے لیے باعثِ رحمت نہ ہو گئی ہو۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ تم پہ کوئی غیر غالب نہیں آ سکتا مگر یہ کہ تم آپس میں لڑو اور تمہارے فتنے اور تمہارے جھگڑے غیروں کو تم پر مسلط کر دیں۔

ایک حدیثِ رسول یہ ہے کہ زمانہ آخر میں بنو افرا کو غلبہ ہوگا یعنی نیلی آنکھوں والوں کو غلبہ ہوگا اور اس میں کچھ صفات بنو افرا کی حضور ﷺ نے بتائی ہیں کہ یہ لوگ زیادہ تر ظلم و تعدی کو برداشت نہیں کرتے اور اپنے میں سے غریب لوگوں کا خیال کرتے ہیں اور جب کوئی ظلم و ستم ہو تو اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اور آپ تمام European Democracies کو دیکھیں۔ Developed Countries کو اگر دیکھیں تو آزادیٔ رائے اور آزادیٔ خیال کے جو تناسب وہاں پائے جاتے ہیں، مشرق میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ وہ قوم اور وہ ملت، دنیا میں جس کو سب سے زیادہ Democrate ہونا چاہیے تھا یعنی ہم لوگ--- ہم وہ لوگ ہیں جو صرف حاکمیتِ اللہ کو مانتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر کے سوا ہمارے لیے خوف و وحشت کی کوئی جگہ نہیں ہے اور اللہ نے جو ہمیں نظام دیے وہ چار قسم کے تھے جو ضرورت کے

وقت ہم اپنا سکتے تھے۔

ایک وہ نظام کہ جو چند ایک لوگوں نے باہمی مشاورت سے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنایا۔ ایک وہ نظام کہ جب اسلام Crisis میں تھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کا انتخاب کیا، تو جب کوئی Critical Time ہو تو ہم اپنے نظام میں یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ نے اس کی بھی گنجائش پیدا کی کہ کسی Crisis میں تم کسی بھی Individual کو جو تم میں سے سب سے زیادہ اہل ہو اور مناسب ہو تو تم اس کو حکومت دے سکتے ہو اور کبھی بھی اللہ نے حکومت کے طلب گار کو اچھا نہیں کہا سوائے اس کے کہ اس کا لیول تا پیغمبرانہ ہو کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ میں قوی ہوں حفیظ ہوں، آپ اپنے معاملات میرے سپرد کر دیں تو شاید ایک پیغمبر کے سوا اور کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں ''قوی'' اور ''حفیظ'' اور ''امین'' ہوں تمہارے معاملات کا۔ حضرت عمرؓ کے بعد ایک قسم کی Council of Elders the متعین ہوئی جو شاید دورِ حاضر کے جمہور کا پہلا تقاضا تھا اور اس میں صرف ایک City کے یا اصحابِ رسول کے مدبرانہ امور کو پیشِ نظر رکھ کے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ میں فیصلہ ہوا اور فیصلہ حضرت عثمانؓ کے حق میں ہوا اور وجہ صرف ایک بتائی لوگوں نے کہ حضرت عمرؓ ذرا سخت تھے تو لوگوں کو اب تھوڑے آرام کی ضرورت ہے۔ حضرت عثمانؓ چونکہ شریف آدمی ہیں، اس لیے انہوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو ہمسایہ ممالک سے تقریباً تمام رؤسائے اسلام مدینے میں آئے ہوئے تھے اور ایک General body of electers وہاں جمع تھی جنہوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ چن لیا۔ تو نظامِ اسلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑی وسیع تر گنجائش موجود تھی کسی بھی چناؤ کے نظام کے لیے، سوائے ایک چیز کے کہ Western اور Eastern Democracy میں ایک بنیادی فرق تھا کہ شرقی یا اسلامی جمہوریت ہمیشہ Moral رہی ہے اور مغربی جمہوریت نہ Moral ہے نہ Immoral ہے بلکہ لا اخلاق جمہوریت ہے۔ Majority اگر چوری کو جائز فعل قرار دینا چاہے تو کر سکتی ہے۔ Majority اگر Homosexuality کو جائز قرار دینا چاہے تو کر سکتی ہے Majority کسی بھی گناہ کو اگر وہ عوام کے پاس جا کر منظوری حاصل کر لے تو Moral کا کوئی Question نہیں ہے۔ Majority makes the Law whether it is moral or immoral. مگر ایک بات یاد رکھیں Philosophically Speaking, Majority ہمیشہ Immoral Law بناتی ہے اس لیے کہ پڑھا لکھا طبقہ، مدبر طبقہ، سیانا طبقہ، کچھ نہ کچھ اخلاقی اصولوں پر قائم ہوتا ہے اور تعلیم کے بارے میں جو واحد وصف ساری دنیا میں مشہور ہے کہ انسان کو تہذیبی اقدار سے آشنا کرتی ہے اور ان کے جانورانہ شعور کو ترک کرنے پر انہیں آمادہ کرتی ہے مگر عام آدمی کی پاس چونکہ تعلیمی بلوغت نہیں ہوتی تو وہ اپنے جبلی اقدار کے Reference سے سوچتا ہے۔ اس لیے اس عمومی حیثیت میں کسی ایسے آدمی سے اعلیٰ ترین اقدار کا گمان کرنا غلط ہوتا ہے۔

دو لارڈز تھے۔ دونوں ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ سامنے سے ایک بدمعاش آ رہا تھا۔ ایک لارڈ نے اس کو راستہ دے دیا۔ دوسرے لارڈ نے بڑے غرور سے کہا کہ اگر مجھے یہ کہتا کہ راستہ دو تو میں اس بدمعاش کو کبھی راستہ نہ دیتا تو پہلے نے کہا، میں ضرور اسے راستہ دے دیتا، میں اس بدمعاش کا کیا لگتا تھا۔ He was an uneducated rascal یہ ایک منٹ میں میری تمام عزت اتار کر میرے ہاتھ میں دے دیتا۔

پڑھے لکھے اور مہذب لوگوں کا طریقہ کار یہی ہے کہ وہ ان پڑھ کی Intolerance کو قبول کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں اور غور کرتے ہیں اس بات پر کہ کسی طریقے سے ان کو تہذیب کے فوائد کا واسطہ دیا جائے یا ان تک علم اور بلوغت پہنچائی جائے۔

آپ کو ایک بات میں عجیب و غریب بتاؤں کہ حدیث رسول ﷺ کے مطابق اجماع کا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوگا۔ اب دیکھیے کتنا فرق ہے General body of democracy. ہر قسم کے Moral قانون کو اور Immoral قانون کو جائز و ناجائز میں بدل دیتی ہے مگر اسلام میں رسول اللہ ﷺ کا یہ مطلق فیصلہ ہے کہ میری امت کا اجماع کبھی غلطی نہیں کرے گا Why?

What is the reason? Simple reason کہ جب تک امت کا اجماع خدا کے خوف اور محبت پر قائم ہے، پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے، زکوۃ دیتا ہے، صدقات دیتا ہے، اپنے ہمسائے کے حقوق کا خیال کرتا ہے، وہ اتنا Moral ہے کہ اس کا ان پڑھ بھی Western Democracy کے لائق ترین افراد سے بہتر ہے۔ پھر اگر آپ کو جمہوریت کے فوائد نہیں پہنچ رہے۔ آپ کو اسلام کے فوائد نہیں پہنچ رہے تو اس کی Reason آپ کو ڈھونڈنا ہوگی، کہ کوئی آپ کی Approach میں نقص ہے۔ یہ نہیں کہ اسلامی نظام میں کوئی خطا ہے یا غلطی ہے۔ آپ Western Democracy کو تو اپنائے ہوئے ہیں جو جبلی اقدار کے تحت فیصلے دیتی ہے، جو ہنگامی توڑ پھوڑ کی قائل ہے، جو فتنہ و فساد کو خوش آمدید کہتی ہے مگر آپ اس اسلامی اقدار کے قطعاً قائل نہیں ہیں جو خدا نے اور اسلام نے آپ کے لیے رکھا ہوا ہے۔

ایک بڑی مشہور Quranic بات ہے کہ جس نے میرے قریب آنا چاہا اور میری دوری سے ڈرا:

"ولمن خاف مقام ربہ" (الرحمٰن:۴۶)

جو اس بات سے ڈرا کہ اللہ مجھ سے دور نہ ہو جائے اور اس بات سے ڈرا کہ میں اللہ کے سامنے نہ کھڑا ہو جاؤں، اس نے اپنے نفس اور "ہوا" کی مخالفت کی۔ قرآن پڑھنے والا سادہ ہو یا مشکل، کمزور ہو یا بہتر، جب اس آیت کو پڑھے گا اور اس کے لفظی معنی سمجھے گا تو اس کو اچھی طرح پتہ ہوگا کہ خواہش کی متابعت پر اللہ نے قدغن لگا رکھی ہے اور میں اپنی خواہشات کی خاطر اصولِ دین کو خراب نہ کروں تو یقیناً وہ سادہ سا مسلمان جو سیب بیچ رہا ہے ایک ریڑھی پر، اس سے جب کوئی سیب لینے آئے اور وہ اسے خراب سیب دے دے اور پھر اسے اس لیے پلٹا لے کہ وہ خدا سے ڈرتا ہے تو وہ اس پڑھے لکھے دانش ور مسلمان سے بہتر ہے کہ جو جان بوجھ کر رشوت لے رہا ہے، جرائم پیشہ ہے، جو مسلمان کا مال کھاتا ہے، جو اپنی حیثیت کا ناجائز استعمال کر رہا ہے۔ وہ اس ڈپٹی کمشنر سے اور کمشنر سے اور اس جنرل سے یا اس چیف سے ہزار درجے بہتر ہے۔

جب مسلمان بڑھتا بڑھتا اوپر چڑھتا ہے اور وہ بڑی دور نکل جاتا ہے، وہ ہر قسم کی دنیاوی فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب وہ چالیس برس سے آگے کا ہوا، زور آوری ختم ہوئی، اب اس کو غم ہونا شروع ہوا، اب وہ ڈھونڈتا ہے۔

کبھی اللہ کے نام پر روتا ہے، کبھی اللہ کے رسول کے نام پر روتا ہے، کبھی توبہ کرتا ہے، کبھی مساجد میں جاتا ہے۔ یہ سب Reactive Religion ہے۔ یہ ردِعمل ہے اس کے اس احمقانہ تسلسل کا جس کے تحت اس نے زندگی بسر کی ہوتی

ہے۔ یہ وہ صاف ستھرا اسلام نہیں ہے جو ایک Choice کے باعث انسانوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اللہ اس بات پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ حدیث رسول ﷺ جو بخاری و مسلم میں ہے کہ جب ایک مسلمان نے گلی سڑی کھجوریں مسجد نبوی کے دروازے پر لٹکا دیں تو اللہ کو غصہ آ گیا اور پھر قرآن کی ایک آیت اتری کہ:

”اے نالائقو میں تمہیں بہترین چیز دیتا ہوں اور تم میرے نام پر بدترین چیز دیتے ہو، چلو اگر تمہارا اتنا حوصلہ نہیں کہ اپنی بہترین چیزیں مجھے دے سکو تو کم از کم مجھے درمیانی چیزیں دے دو۔“

حضرات گرامی! یہی عمر پہ صادق آتا ہے۔ آپ کی عمر جو آپ اللہ کو دیتے ہیں، وہ اللہ کے کسی کام کی نہیں۔ ذلت و خواری سے بھرا ہوا بڑھاپا۔ عزلت گزینی کا وقت۔ ہر جبلت دم توڑ گئی۔ آپ نے تو نہیں اسے منع کیا۔ وہ تو ویسے ہی آپ رہ گئے ہو۔ اب اللہ کو کیا کہو گے کہ میں تائب ہونے آیا ہوں۔ آنکھوں میں روشنی نہیں رہی باباجی کی، گھٹنوں میں دم نہیں رہا، سماعت ختم ہو گئی، زبان سے بات نہیں نکلتی، دانت ایک نہیں رہا، اب لذت خوراک ترک کرنے کا اور لذت زمانہ ترک کرنے کا احسان کس پہ ہے۔

اگر آپ بچپن نہیں دے سکتے، عنفوانِ شباب نہیں دے سکتے تو وہ اپنے سوچنے سمجھنے کی عمر تو اللہ کو دو۔ مگر آپ تو ہندو ہو، میں مذاقاً نہیں آپ سے کہ رہا، Seriously کہ رہا ہوں۔ آپ نے زندگیوں کا ایک وطیرہ پکڑ رکھا ہے۔ ہندوؤں نے زندگی کو چار آشرم میں تقسیم کر دیا ہے۔ برہمچاری آشرم، پچیس برس تک، یہ تعلیم کے لیے، لکھنے پڑھنے کے لیے ہے۔ اس کے بعد دوسرا آشرم شادی کا انھوں نے شروع کیا۔ شادی کی آپ نے، بچے پیدا کیے، گرہست آشرم کے بعد اگلے پچیس برس شروع ہوئے، گربھ آشرم۔ طاقت، انا، تمرد، سیاسی عروج و زوال۔ جب یہ ختم ہوا تو ہندو آپ کو مشورہ دیتا ہے کہ اب چلو بھگوان کی طرف، رشی منی آشرم۔ اب آپ صوفی ہو جاؤ۔ اب ذرا غور کر کے بتائیے کہ ہمارے اس معاشرے میں ایک چیز صرف اسلامی رہ گئی ہے کہ اگر کوئی آپ سے پوچھ لے نا کہ خدا کتنے ہیں؟ آپ کہو گے ایک۔ اس کے علاوہ کوئی چیز اسلامی نہیں رہی۔ عمروں کا یہ ضیاع جو آپ کرتے ہو، یہ جو آپ اپنے پروگرام تیار کرتے ہو جو زندگی کے خاکے آپ بناتے ہو، بالکل اسی طرح برہمچاری آشرم اور گرہست آشرم اور گربھ آشرم ہے۔

سو سال کی عمر تک پہنچو گے تو اللہ تک جاؤ گے نا۔ پھر Naturally سانس نہیں رہتا، مہلت نہیں ملتی۔ سکرات سے ارے ارے آپ خدا کو پلٹتے ہی نہیں ہو۔ اللہ کیا کرے؟ اللہ تو اپنی تنہائیوں میں انسان کو آواز دیتا ہے:

”یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَاد“ (یٰسین: ۳۰)

(اے لوگو تم پر حسرت ہے۔)

تمہیں میں نے اپنی محبت اور انس کے لیے بنایا، تمہیں اپنے لیے بنایا، تم پر ناز کیا، عزازیلِ لعین کو اسی لیے پھٹکارا کہ یہ میری محبت کی مخلوق ہے، یہ میرا انسان ہے، محترم ہے، معزز ہے، خلیفۃ اللہ فی الارض ہے اور اس کے ہوتے ہوئے میں تمہیں کیسے خلافت دے سکتا ہوں۔ مگر آپ نے تو خلافت کا حق ہی ادا کر دیا۔ کیا قرآن میں اللہ بار بار نہیں گلہ کرتا کہ اے حضرتِ انسان تو نے میرے خدا ہونے کا حق ہی نہیں پہچانا۔ نہ تمہارے دلوں میں خوف رہا، نہ محبت رہی، نہ انس رہا، نہ اس کی آرزو رہی، یہ کون سا مذہب ہے جس کو آپ لیے پھرتے ہیں۔ یہ کون سی عبادات ہیں جو رسم و رواج کی زد میں آئی

ہوئی ہیں اور کس کو آپ پوجتے ہو؟ شائد اسی لیے اللہ کبھی کبھی امتِ مسلمہ کو شدید زلزلوں میں ڈال دیتا ہے۔

"ام حسبتم ان تدخلو الجنة ولمایاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم ط مستھم الباسآ ءُ والضر آءُ و زلزلو حتی یقول الرسول والذین امنوا معه متی نصر الله" (بقرہ:۲۱۴)

کہ تم سمجھتے ہو کہ جنت کا حصول آسان ہے؟ تم سے پہلے ہم نے قوموں کو ایسے آزمایا کہ:

؎ کس دن تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

وہ دن کہ کسی پیغمبر کو آرے سے چیر دیا گیا۔ غیرتِ خداوند تو دیکھو۔ بس اسی بات پہ کہ پیغمبر درخت میں جا چھپا تھا۔ اسی بات پہ۔ اگر یہی غیرت کا تقاضا وہ آپ سے کر دے تو زمین پر کوئی مسلمان سانس لینے والا نہ بچے گا۔ مگر وہ تو وعدہ کر بیٹھا ہے:

"وما کان الله لیعذبھم وانت فیھم"

اے میرے پیغمبر! اے میرے محبوب! اے میرے محمدِ مصطفیٰ، اے احمدِ مجتبیٰ، اب میں قوموں کو مکمل تباہ نہیں کروں گا، اب عذاب اس طرح نہیں آئے گا، تو جو ان میں ہے۔ اے رحمتِ عالم! اگر اب میں قوموں کو اس طرح تباہ کر دوں تو پھر تیرے رحمتِ عالم کا خطاب مجروح ہوتا ہے اس لیے اب میں مکمل قیامت ایک ہی دفعہ لاؤں گا۔

پھر یہ جو ہلکے ہلکے جھٹکے امتِ مسلمہ کو دے رہا ہے جس میں آپ چیخ کے پوچھتے ہو۔ اے اللہ یہ سختیاں، یہ ضرر، یہ جنگیں، اے اللہ تیری مدد کب آئے گی۔ تو خدا کہتا ہے۔

"ان ربی قریب مجیب" (ہود:۶۱)

(جب تم آنکھیں کھولو گے، میری طرف پلٹو گے تو میری مدد تمہیں بڑی ہی قریب نظر آئے گی۔)

مگر کلسٹر بم کے ہوتے ہوئے، اواکس کے ہوتے ہوئے اور Atomic preparations کے ہوتے ہوئے تم اللہ کو چھوٹا کر لیتے ہو۔ ہر آدمی calculator لیے پھرتا ہے۔ آج کی دنیا میں، ماڈرن کمپلیکس کی دنیا میں، ہر آدمی کیلکولیٹر لیے پھرتا ہے۔ وہ کہتا ہے یار عقل کی بات کرو۔ اُدھر تو دیکھو۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ وہ کتنے پراگریس کر گئے ہیں۔ بھلا تم خالی ہاتھوں سے لڑو گے۔ بھلا تم تلواروں سے لڑو گے۔ بھئی تمہارے ہاتھ میں جو یقین اور اعتماد کی واحد لڑی ہے، جس کائنات کے رب نے یہ دنیا بنائی ہے۔ 300 سال پرانی حکومت، سب سے مضبوط اپنے عصر کی حکومت فراعینِ مصر کی حکومت، راماعیس دوئم کی حکومت، اہرامِ مصر کے خالقوں کی حکومت، ایک کروڑ غلاموں کو موت کے گھاٹ اتارنے والوں کی حکومت لشکروں سے ٹوٹی تھی کیا؟ کیا کسی حادثے سے ٹوٹی تھی؟

ہاں! مگر ایک فرد کی خدا کی محبت نے توڑ دی تھی۔ صرف ایک فرد کی۔ وہ کون ہیں جو Revolution کی اصلی اساس نہیں سمجھتے۔ Revolution یہ نہیں ہے کہ تم شمشیر و سناں لے کر قتل و غارت کی ابتدا کرو۔ Revolution یہ ہے کہ تم اپنے اندر خدا کو Evaluate کرو۔ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو جو کلی اقتدار کا مالک ہے۔ جو ایک فردِ واحد کو جس کی، زبان بھی ٹھیک نہیں تھی۔ جس کی زبان بھی تتلاتی تھی۔ وہ ایک فردِ واحد دنیا کی، وقت کی سب سے بڑی طاقت کو پرکاہ کی

طرح مسمار کر دیتا ہے۔ اس اللہ کے سامنے آپ کتنے ایٹم بم لے کر پھرو گے۔ اب بھی تو یہی ہونے والا ہے۔ اگر تمہیں خدا اور رسول کی احادیث پر اعتبار ہو، اگر آپ واقعی محمدؐ رسول اللہ کو تھوڑے سے جذبات سے بلند ہو کر اللہ کے اس رسول کی طرح مانو جس کی ایک ایک خبر صادق ہے تو مخبرِ صادق نے آپ کو اطلاع دی ہے کہ جب دجال کا زور بہت بڑھ جائے گا تو پھر مہدی اس لشکر کی قیادت کریں گے جو اسرائیل کو نیست و نابود کر دیں گے۔ مگر پھر مہدی بھی دجال سے لڑنے کے قابل نہیں ہوں گے۔ پھر خدا سے دعا کریں گے اور پھر حضرت عیسیٰؑ کا نزول مبارک ہوگا۔ اور ان کے ہاتھ میں چالیس گز لمبی تلوار ہوگی........

آپ دیکھتے ہیں کیا ہے؟ علامت اُس زمانے کی ہے۔ اتنا مطلب تو آپ سمجھنے کی کوشش کرو کہ ان کے ہاتھ میں بھی یا ان کے پلے بھی ایسی ماڈرن Gadgetry ہوگی جو ان کے تمام الیکٹرونکس سسٹم اور میکینکل سسٹم کو فیل کر دے گی۔ اب بھی اگر آپ Anti proton لے آئیں کہیں سے، تو یہ سارے کا سارا نظام فیل ہو جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ یوکرائن کے اوپر سے ایک اڑن طشتری کہیں سے گزری اور ان کے سارے Atomic System فیل ہو گئے۔ ابھی وہ تو صرف بالائے کائنات سے اتری تھی مگر حضرت عیسیٰؑ کا اترنا تو بڑا لازم ہے۔ یہ دلیل ہے کہ جب Sciences بڑھ جائیں اور خدا کے انکار کی بنیاد حقائق پر چلی جائے، وہ حقائق جن کو ہم خدا سمجھتے ہیں اور وہ Sciences جس کو آپ Ultimate Reality اور Truth کا درجہ دیتے ہیں، جو خدا کو اس لیے نہیں مانتیں کہ وہ حقائق کے پیٹرن میں نہیں اترتا۔ تو پھر خدا کو کوئی نہ کوئی آیتِ کبریٰ دکھانی پڑے گی۔ زمانہ آخر میں کوئی نہ کوئی آیتِ کبریٰ دکھانی پڑے گی۔ حضرت عیسیٰؑ کا نزول صرف دلیلِ خداوند کے طور پر ہے کہ اتنا پروگریسو دجال جو ہے، اور اتنا قوت و نصرت پر اعتبار کرنے والا دجال جو ہے۔ خدا کی طرف سے آئے ہوئے ایک بندے کی وجہ سے بالکل اسی طرح پگھلے گا جیسے تاریخِ عالم میں موسیٰؑ کی وجہ سے فراعنہ مصر کی پوری قوم زیرنیل ہو گئی تھی۔

تو حضرات گرامی ان حادثات کا صرف ایک نتیجہ ہے۔

This is warning time for you. Come back to God, Come back to your Prophet.

اور ایک اچھے ایمان کے ساتھ، جنون کے ساتھ نہیں، شعور کے ساتھ، محبت کے ساتھ، ایک ایسا اخلاص جو آپ کے بدن میں چھلکے، جو آپ کی ارواح میں چھلکے، جو آپ کے اذہان میں چھلکے۔ کیا وجہ تھی کہ ایک مسلمان اترتا ہے سراندیپ کے ساحل پر۔ دیکھتے دیکھتے سارا جزیرہ مسلمان ہو جاتا ہے آپ ذرا گن کر تو دیکھیں۔ ہزاروں ایسی جگہیں ہیں، جہاں اب مسلمانوں کی حکومتیں ہیں۔ آپ ذرا پتہ تو کریں، کیا انڈونیشیا میں کوئی مسلمان فوج اتری تھی؟ دنیا کی سب سے بڑی اس وقت کی اسلامی مملکت میں کوئی فوجی نہیں اترا۔ کوئی مسلمانوں کی فوج نہیں اتری۔ دو چار مسلمان تاجر اترے تھے۔ تاجر کتنے برے ہوتے ہیں آج کل کے۔ آپ کو تو پتہ ہی ہے۔ آج کل کا تصور تاجروں کا کیا ہے۔ مگر وہ تاجر کیا تاجر ہوں گے، دو چار تاجر جو جزائر انڈونیشیا میں اترے اور دیکھتے دیکھتے سارا انڈونیشیا مسلمان ہو گیا۔ کیا خوبصورتی ہوگی ان کے کردار میں؟ کیا حسن ہوگا؟ تو پھر قرآن سچ کہتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے آگے آگے اللہ کا نور چلتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوں

گے جن کے سر پر رحمتِ خداوند کا سایہ ہوگا اور جن کی وجہ سے اللہ نے ہزاروں، لاکھوں لوگوں کو روشنی اور ہدایت بخشنی ہو گی۔ آپ کوشش تو کرو ناں۔ ایک ذرہ اخلاص، جیسے عرفان صاحب نے وہ آیت پڑھی کہ یہ ضرور ہے کہ وہ آگے پیچھے سے آئے گا، اِدھر سے اُدھر سے، بھٹکائے گا آپ کو۔ مگر اللہ نے کہا ٹھیک ہے تمہارے بہت سوں کا حصہ میں نے جہنم میں لکھا ہے تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کا مگر ایک بات سن لو:

"الا عباد الله المخلصين" (صفت: ۴۰)

جن کے دل میں ذرا برابر میرے لیے اخلاص ہے تم نہ ان کو بہکا سکو گے، نہ پھسلا سکو گے، نہ تم ان کے لیے آفت کا باعث بن سکو گے۔ ایک ذرہ اخلاص بھی اگر اللہ کے لیے ہمارے دلوں میں نہ پیدا ہو تو یہ مسلمانی کیسی؟ یہ ایمان کیسا؟ یہ اسلام کیسا؟ کیا باپ دادا کی وراثت کے ساتھ اسلام بھی کوئی ایسی چیز ہے جو وراثت میں چلی آئی ہے؟ اور جس کے بغیر ہماری گزر نہیں ہوتی اس سے بہتر ہے کہ:

؎ کشکا کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

میں اللہ کے رسول ﷺ کی کسی بات کو Prophecy نہیں سمجھتا۔ وہ احکام کا درجہ رکھتے ہیں۔ جیسے وہ کہتے ہیں، ویسے ہی ہوگا اور اس کا وقت اتنا قریب آ گیا ہے کہ مجھے اپنی تو خبر نہیں مگر آپ میں سے امید ہے کہ کئی نوجوان ولایتِ کبریٰ کا نشان ضرور دیکھیں گے اور نبوتِ عالیہ کا وہ مقام بھی ضرور دیکھیں گے۔ کیا ان کے لیے آپ کو تھوڑی سی تیاری نہیں چاہیے۔ مگر سب سے پہلے دل سے غیر اللہ کا خوف نکالنا ہوگا۔ غیر اللہ کا خوف صرف اللہ کی محبت سے نکلتا ہے۔ اللہ کے خوف سے نہیں اور یہی کچھ اللہ آپ سے چاہتا ہے۔

"فاذكروا الله كذكركم اباءكم او اشد ذكرا"

مجھے اس طرح یاد کرو جس طرح آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو۔ ذرا زیادہ کرو تا کہ مجھے معلوم ہو کہ تم دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر صرف مجھ سے محبت کرتے ہو۔ اس آیت میں نظر آتا ہے آپ کو کہ God is love sick. محبت کا بیمار ہے اللہ۔

حضرت موسیٰؑ کو اللہ نے کہا موسیٰ میں بیمار ہوں۔ کہا اے پروردگارِ عالم! کیا تو بھی بیمار ہوتا ہے؟ فرمایا، ہاں۔ جب میرا کوئی دوست زمین پر بیمار ہوتا ہے تو میں بھی بیمار ہوتا ہوں، تو فلاں جگہ جا (اور یہ مصدقہ حدیث ہے بخاری و مسلم کی) وہاں میرا ایک دوست ہے، تو اس کی عیادت کو جا، میری طرف سے اس کی عیادت کر۔ تو موسیٰؑ اس کے پاس پہنچے۔ وہ موچی تھا۔ ایک بہت بڑی جوتی بنا کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ یا اللہ! مجھے آپ کے پاؤں کا سائز تو پتہ نہیں ہے تو میں نے اندازے سے بنائی ہے۔ شائد آپ کو پوری آ جائے تو حضرت موسیٰؑ اس کے پاس بیٹھے اور اس سے دعا چاہی اور اللہ کا پیام پہنچایا۔

یہ ایک دفعہ نہیں ہوا۔ بنو قریظہ کی جنگ میں جب حضرت سعد بن معاذؓ کی ایڑی پہ لگا ہوا زخم خون دینے لگا اور آپ اسی خون سے شہید ہوئے تو حضرت جبرائیل امینؑ اترے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ حضرت سعد جیسے گراں قدر ساتھی کے چھوٹ جانے پر آسمان والے بھی تعزیت کر رہے ہیں۔

وہ تو سسٹم ہی محبت پہ چل رہا ہے دوستو! جس کے خوف سے ڈرا ڈرا کر آپ سے اہلیتِ ایمان چھین لی گئی ہے۔ ڈرنے والا کیا ایمان چاہے گا۔ ایک سپاہی کا ڈررات کو سونے نہیں دیتا۔ ایک معمولی سا خوف آپ کی کمر توڑ دیتا ہے۔ اتنی بڑی طاقت سے ڈرنے کا آپ حوصلہ بھی نہیں رکھتے ناں۔ آپ کی ہمت اور مجال کہاں کہ آپ اس سے ڈرو۔ وہ آپ کو طریقہ ہی انوکھا بتاتا ہے۔

ایک بڑے ولی اللہ ڈرتے ڈرتے مر گئے۔ جب اللہ کے حضور پہنچے تو کہا گیا کہ تو یہاں بھی ڈر۔ اُس نے کہا سرکار میری خطا؟ کہا کہ میں نے کب کہا تھا کہ مجھ سے ڈر۔ تو یہاں بھی ڈر۔ تو نے مجھ سے اور کوئی آس نہیں رکھی۔ نہ محبت کی۔ نہ رحمت کی۔ نہ کریم ہونے کی۔ نہ رحمان ہونے کی۔ نہ رحیم ہونے کی۔ نہ ولی ہونے کی۔ نہ ودود کی۔ نہ وہاب ہونے کی۔ تجھے صرف منتقم ہی یاد رہا۔ تو نے مجھے غفار نہیں پایا۔ غفور نہیں پایا۔ تو صرف لوگوں کو مجھ سے ڈراتا ہی رہا۔ میں تو وہ ہوں جس نے اپنی کتاب میں قانون لکھ دیا:

"قل یعبادی الذین اسرفو اعلی انفسھم"

اے میرے بندو تم نے بڑا اسراف کیا۔ بڑے ظلم کیے۔ بڑی زیادتیاں کیں۔ میرے ساتھ کیں۔ لوگوں کے ساتھ کیں، میرے مذہب پہ الٹے پاؤں پھرے تم۔ مگر دیکھو سب سے بڑا گناہ نہ کر بیٹھنا۔ اس سے ذرا بچ کر رہنا۔

"لاتقنطوا من رحمت اللہ"

میری رحمت سے مایوس نہ ہو جانا۔ اس سے بڑا گناہ زمین پر کسی مخلوق کا نہیں ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔ اللہ کی رحمت سے بے نیاز ہو جائے اور اپنے ناقص سے اور معمولی سے انسانی گناہ کو اس بیکراں وسعتِ کائنات کی حامل رحمت سے بڑا قرار دے دے۔ توہینِ خداوند ہے یہ "لاتقنطو من رحمت اللہ" ذرا اصول دیکھئے۔

"ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً"

بے شک تمہارا اللہ وہ ہے جو جملہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ There is no Exception اس قانون میں اللہ نے کوئی Exception نہیں دی۔ وہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ "انہ ھو الغفور الرحیم۔"

مگر حضراتِ گرامی! یہاں ایک مسئلہ اٹھتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا گناہ بھی ہوگا جسے اللہ نہیں بخشتا۔ تو حضرت لقمان نے بیٹے سے کہا:

"ان الشرک لظلم عظیم" (لقمٰن:۱۳)

دیکھو جب ایک ہندو قبر کے دہانے میں پہنچا اور خدا کہتا ہے "من ربک" اب اس نالائق کی سوچ کبھی گئی سرسوتی کی طرف: نہیں نہیں نہیں شیوا! نہیں نہیں نہیں وشنو نہیں، برہما! وہ ان ایک لاکھ دیوی دیوتاؤں میں سے کس رب کا نام لے گا۔ جب اس کو بخشنے والے کے نام کا ہی نہیں پتہ تو اس کی بخشش کون کرے گا؟ اللہ تو اس کا ذمہ دار ہے نا! جس کی درخواست اس تک پہنچے گی۔ جب کسی کو پتہ ہی نہیں کہ بخشنے والا کون ہے اور یہ زندگی کی سب سے بڑی بھول ہے۔ اپنی تمام تر خطاؤں کے باوجود Never loose a touch with the ultimate blessing of God۔

اور یہ جو تسبیح ہے، اس کا اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اگر آپ کہیں کہ اس میں Miracles ہیں، تو نہیں ہیں۔ اس

میں کوئی طاقتیں نہیں ہیں۔ یہ جعل سازوں کی باتیں ہیں کہ فلاں تسبیح سے اڑتا ہوا پرندہ پانی میں گر جائے گا۔

ایک دفعہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ پانی میں روڑے مار رہے تھے۔ میں نے پوچھا حضرت! کیا کر رہے ہو؟ فرمایا چالیس دن کا چلہ حزب البحر کر رہا ہوں۔ تو میں نے کہا اس سے کیا ہوتا ہے اور یہ کیا کر رہے ہو؟ فرمایا کہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ میں پتھر پانی میں پھینکوں گا تو پانی ساکت ہو جائے گا۔ اور میں نے کہا کہ کتنے عرصے سے کر رہے ہو؟ کہا ایک سال سے کر رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ ایک سال میں پانی ساکت نہیں ہوا تو آئندہ دس برسوں میں بھی نہیں ہو گا۔ ٹائم ضائع نہ کرو اس پر۔ اب دیکھئے۔ حزب البحر ہے کیا؟ چند دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ حضرت اعلاالحضرمی حضرموت کی فتح کو گئے۔ جب وہ فتح کرنے گئے تو بیچ میں دومۃ الجندل کا مالک جھیل سے پرے شکار کھیل رہا تھا۔ اس نے دور سے مسلمانوں کو دیکھا تو ہنسا اور کہا کہ جھیل کو عبور کرو گے تو آؤ گے نا! تو حضرت اعلاالحضرمی جن اسمائے الٰہیہ کا ورد کرتے تھے وہ چار تھے:

"یا علی یا عظیم یا حلیم یا علیم"

یہ چار اسمائے الٰہیہ کا وہ بہت ورد کرتے تھے۔ آپ نے لشکر کو دیکھا، کہا، بھئی میں تو چلا اور یا علی، یا عظیم، یا حلیم، یا علیم پڑھ کر گھوڑا جھیل میں ڈال دیا۔ اب لشکر نے دیکھا کہ صاحب تو اتنا سر پھرا ہے تو ہم کیوں پیچھے رہ جائیں تو پورے اصحاب کے لشکر نے جھیل میں گھوڑے ڈال دیے اور آنا فانا جھیل کو عبور کر گئے۔ یہ دومۃ الجندل کی تاریخی فتح گنی جاتی ہے جو اس بنیاد پر ہوئی۔ اس لیے اس کو حزب البحر کہتے ہیں کہ پانیوں کی تسخیر کے لیے حضرت اعلاالحضرمی نے یہ دعا پڑھی اور اللہ نے ان کو اس پانی سے کوئی گزند نہیں پہنچائی۔ تو حضرات گرامی! یہ جو تسبیحات ہوتی ہیں، یہ آپ کی دوست بنتی ہیں، ساتھی بنتی ہیں، مدد دیتی ہیں۔ This is just a direct dialing to God. یہ آپ ہر وقت بجاتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کسی دن اللہ میاں ٹیلی فون اٹھا لے اور کہے ہیلو! What do you want? بھئی تو جو بار بار دستک دے رہا ہے میرے دروازے پر! تیری گھنٹیوں نے تو میرا دماغ جلا کر رکھ دیا ہے۔ بول چاہتا کیا ہے تو؟ تو یہ آپ کا Direct Contact ہے اور پھر جب آپ کھانا کھاتے ہو، پانی پیتے ہو، لباس پہنتے ہو اور تمام تر زندگی کے لطائف سے متمتع ہوتے ہو تو پھر اس میں اگر تسبیح ہو تو پھر آپ کہہ سکتے ہو نا اللہ میاں! جہاں میں نے تیری عطا کردہ ساری نعمتوں سے فائدہ اٹھایا وہاں کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ میں تجھے بھول گیا ہوں۔

Priority کو، اپنے یقین کو Maintain کرنے کے لیے، تسبیح اس کی Maintenance ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ نے تسبیح کو نماز اور قرآن کی تلاوت سے بھی بڑا فعل کہا:

"اتل ما اوحی الیک من الکتب"

کہ کتاب کی تلاوت کرو۔ یہ تمہیں اولا امر اور نہی کی خبر دے گی، واقم الصلوۃ اور نماز قائم کرو۔

"ان الصلوۃ تنھی عن الفحشآء والمنکر"

(یہ تمہیں فحش اور منکر سے روک دے گی۔)

"ولذکر اللہ اکبر" (مگر میری یاد..........) (العنکبوت: ۴۵)

(اور اللہ کی یاد تو بہت بڑی بات ہے۔) یاد ایک Personal Relationship ہے۔ باقی General

Relationship ہے۔

تو حضراتِ گرامی! میں کہیں سے کہیں نکل جاتا ہوں جب اللہ کی بات آ گئی۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ واقعات ہیں جو امتِ مسلمہ کو اللہ کی طرف ایسے ہی لائیں گے جیسے اقبال نے کہا:

؎ چو آں مرغے کہ در صحرائے ہر شام
کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

اس پرندے کی طرح جو صبح دانہ دُنکا چگنے بڑی دور نکل جاتا ہے مگر شام آتی ہے تو اسے اپنے آشیانے کا خیال آتا ہے اور وہ واپس مکہ اور مدینہ کو پلٹتا ہے۔ تو اسی طرح مسلمان اپنے عنفوانِ شباب میں بڑی دور نکل جاتا ہے۔ امریکہ اور انگلینڈ میں بیٹھے ہوئے چٹخورے لیتا ہے بڑے نازک مزاجوں کے بوجھ اٹھاتا ہے بڑے اُن کی تہذیب کے گن گاتا ہے اور پھر جب بڑھاپے میں قبر یاد آتی ہے تو اللہ کی طرف پلٹتا ہے۔ تو اس سے بہتر نہیں ہے کہ ہم آشیانے کی پہلے سے فکر کرلیں اور یہ واقعات ہمیں یہی سبق دیتے ہیں کہ We should all must understand the way back.

"کل یرجعوا الی اصل"

ہر چیز اپنی اصل کو پلٹتی ہے اور ہماری اصل صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ﷺ۔

سوالات و جوابات

سوال: احادیث کی روشنی میں یہ سارے واقعات جن پر آج آپ نے اظہارِ خیال کیا۔ کیا یہ دجال کے وقت کی طرف لے کر جا رہے ہیں؟

جواب: آج سے تین سال پہلے میں نے فتنۂ آخر الزماں پر تقریر کی تھی جس میں مَیں نے تمام احادیث کے حوالے سے دجال کی نشان دہی کی تھی تو میں اس میں سے دو چار موٹی موٹی باتیں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ جب حضرت دانیالؑ کو حضرت جبرئیلؑ نے واقعاتِ زمانۂ آخر کی خبر دی تو دانیالؑ بڑے ڈرے تو جبرئیل امین نے کہا، اے دانیالؑ! تو ان واقعات کی فکر نہ کر، تو اس سے بہت پہلے صالحین میں سوئے گا اور صالحین سے اٹھایا جائے گا۔ تو دانیالؑ نے پوچھا کہ ہم دجال کو پہچانیں گے کیسے تو فرمایا بحیرہ بالٹک اور مملکتِ روس اور پانیوں کے گرد آباد قومیں دجال ہیں۔

اب ذرا غور کیجیے کہ کوئی یورپی قوم ایسی نہیں ہے جو پانیوں کے گرد آباد نہ ہو۔ اگر آپ غور کریں تو سمندروں میں گھری ہوئی یہ قومیں دجال ہیں اور دجال کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے اُن کاموں کی وجہ سے کہ جو خدا کرتا ہے اُن پہ اشتباہ پڑے گا کہ یہ کام وہ بھی کر سکتے ہیں اور اشتباہ کے بدلے وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور ذرا دیکھئے تو سہی کہ افغانستان میں اس حدیث کو اتنی خوبصورتی سے میں نے پورا ہوتا ہوا دیکھا۔ (کہ آقا و رسول نے فرمایا کہ آج کے بعد کسی کو سجدۂ تعظیم بھی جائز نہیں ہے۔ مگر کیا بات ہے آپ کے رسول کی!)

فرمایا کہ دجال ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں روٹیوں کے انبار لے کر چلے گا، جو اس کا انکار کریں گے

اس پر آگ برسائے گا اور جو اقرار کریں گے، ان پر روٹیوں کے انبار برسائے گا۔

اب بتائیے! کیا دجال کے بارے میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟ اور سنیے کہ دجال کے پیچھے نوعمر لڑکے اور سرکٹی عورتیں بہت ہوں گی۔ امریکہ اور یورپ میں ذرا اندازہ لگائیے تو آپ کو پتہ لگے گا کہ:

They are all fighting for one thing: کہ وہ Maximum عریانیت کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس یورپ امریکہ کی تہذیب پہ جو لوگ نازاں ہیں۔ یہ جو ٹونی، فونی بلیئر ہیں، یہ ماشاءاللہ فرما رہے ہیں کہ ہم بڑے مہذب لوگ ہیں۔ ہم میں سے لاکھوں کروڑوں بچوں کو اپنے باپ کا ہی نہیں پتہ۔ امریکہ میں شادیاں ہی ختم ہو گئی ہیں اور بچوں کو نانوں کے نام دیے جاتے ہیں۔

ایک واقعہ میں آپ کو بتاؤں کہ ایک عورت پانچ بچے لے کر آئی اور ولدیت لکھاتے وقت اس کو بڑا غور و خوض کرنا پڑا کہ یہ کس کا بچہ تھا، وہ کس کا بچہ تھا، یہ کس کا بچہ تھا اور بڑی مشکل سے جب اس نے یاد کیا اور بتایا کہ یہ اس، اس کا بچہ تھا تو اگلے دن پھر آ گئی کہ کل میں بھول گئی تھی۔ یہ اس کا بچہ نہیں تھا بلکہ اس فلاں کا بچہ تھا۔ ایک چھٹا بندہ بھی شامل کر دیا۔

تو حضراتِ گرامی! تحفظات اٹھ جاتے ہیں۔ دجال ایک مطلق Liberty پیش کر رہا ہے۔ خدا کو دیکھیے کہ ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی بت اپنے مخالف رکھا ہوتا ہے۔ اب بھی ایک Statue of liberty کھڑا ہے، جس کے نام پر پوری امریکی آزادیاں جنم لے رہی ہیں۔ مگر اب ان آزادیوں کے ختم ہونے کے دن بہت قریب ہیں، بہت ہی قریب۔

سوال: بہت سی تنظیمیں پاکستان میں اور دوسرے ملکوں میں مسلمان امت کو اکٹھا کرنے کے لیے کام کر رہی ہیں لیکن یہ تمام کوششیں ناکام کیوں ہو رہی ہیں؟

جواب: اس لیے کہ ہر تنظیم جو مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کے لیے اٹھتی ہے وہ مسلمانوں کے بیچ سے ہٹ جاتی ہے آپ نے قرآن کی ایک آیت تو سنی ہو گی "فریق منھم" کہ تم میں ہی سے جو بندے اللہ کے بندوں کو اکٹھا کریں گے، وہ ہوں گے میری امت میں سے کچھ لوگ، جو تم میں سے ہی ہونگے اور تم میں سے تو وہی ہو سکتے ہیں نا قبلہ! کہ جن کو تم اپنے سے جدا نہ کرو، مگر ادھر جو تنظیم بھی بنتی ہے اپنے نشان، طریقے ہر چیز علیحدہ کر لیتی ہے اور ان کے طریق کار اس لیے علیحدہ ہو جاتے ہیں کہ فوری طور پر وہ اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ متقی سمجھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ آپ کوئی بھی جماعت مسلمانوں کی دیکھیں گے۔ اس کے ذہنی المیے کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی Organizations کو ایک Tight یہودی Freemasonary تحریک کی طرح ایک مکمل ضابطہ اختیار کر کے، General Islamic Vision سے ہٹا دیتے ہیں۔ اب جو عام مسلمان ہے وہ اپنے آپ کو ان میں سے نہیں سمجھتا، نہ ان کو اپنے آپ میں سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی تنظیمی تحریک آج تک مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کے قابل نہیں ہو سکی۔

ہمارے ہمسائے میں ایک Revolution پیدا ہوا "روح اللہ خمینی"۔ اس سے پہلے ایک بہت بڑا اثنا عشری سکالر پیدا ہوا: "سید جمال الدین افغانی" ایک اور بہت بڑا اسکالر پیدا ہوا: "علامہ سر محمد اقبال" ایک بہت بڑا سنی Fighther پیدا ہوا: "محمد بن احمد السوسی" جسے "مہدی سوڈان" کہتے ہیں۔ تو مہدی سوڈان اپنے آپ کو مہدی نہیں لکھتا تھا۔ وہ بھی

اس بات پہ راضی ہی نہیں تھا، نہ وہ اپنے آپ کو مہدی کہتا تھا تو اس کو جمال الدین افغانی نے ایک خط لکھا: (اور یہ یاد رکھیے گا کہ اثنا عشریوں کا تصورِ مہدی اور ہے اور اہل سنت والجماعت کا تصورِ مہدی اور ہے) تو جمال الدین افغانی نے خط لکھا: کہ بھائی اس وقت موقع ہے کہ مہدی کا لقب اختیار کر لے۔ مہدی سوڈان نے اس کے جواب میں لکھا: کیا تو پاگل ہو گیا ہے، تو اثنا عشری ہو کر، شیعہ ہو کر مجھے یہ مشورہ دے رہا ہے کہ میں مہدی کا لقب اختیار کروں۔ تو اس نے اسے جواب میں لکھا کہ میں تو تجھے بڑا اچھا سگنل دے رہا ہوں۔ بخدا اگر انگریز کو نکالنے کے لیے مجھے کتا بھی بننا پڑے تو میں تیار ہوں۔

یہ وہ مسلمان ہیں جو واقعی عالم ہیں۔ یہ جماعتیں نہیں بنا رہے ہیں۔ ان کو اسلام سے واسطہ ہے۔ اللہ سے واسطہ ہے، چاہے یہ اثنا عشری ہیں، چاہے یہ اہلسنّت والجماعت ہیں۔ ان کی آپس میں کوئی دشمنی نہیں۔ یہ صرف ایک مقصد سامنے رکھتے ہیں۔ بھائی اس (انگریز) کو پہلے نکال لے جو شرک ہے، جو بد باطن ہے، جو اسلام پہ بیٹھا ہوا ہے، بعد میں جو ہو گا ہم آپس میں لڑ مر کر طے کر لیں گے، ہماری خیر ہے۔

مگر اس وقت ہمارا دشمن Common ہے۔ ہماری جو اس وقت تنظیمات پیدا ہو رہی ہیں، یہ بجائے مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کے، مسلمانوں کو مزید بانٹ رہی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے Factional گروہ پیدا ہو رہے ہیں۔ اب ذرا قرآن کو دیکھیے۔ قرآن ان چھوٹے چھوٹے گروہوں کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے گروہوں کے بارے میں، جنہوں نے دین کے بارے میں اپنی اپنی علیحدہ Interpretations کر لی ہیں: یہ تم ہو، یہ میں ہوں، یہ تمہارا طریقہ کافرانہ ہے، یہ میرا طریقہ مسلمانہ ہے۔ قرآن نے اس کے بارے میں صاف کہا:

"ان الذین فرقو دینهم و کانو شیعاً لست منهم فی شی ء" (الانعام: ۱۵۹)

(جن لوگوں نے اپنے اپنے دین میں فرق کر لیا اور گروہ بن گئے اور فرقے بن گئے۔ تو اے پیغمبر تو ان میں نہیں ہے۔)

تو تو اس موئی ماری امتِ مسلمہ کے بیچ میں ہے جو داڑھی کبھی چہرے کی خوبصورتی کے لیے رکھتے ہیں، کبھی سنتِ رسول کے لیے رکھتے ہیں، کبھی اپنی ٹھوڑیوں کے "چب" چھپانے کے لیے رکھتے ہیں۔ کبھی اپنے پتہ نہیں کس عذر کی وجہ سے رکھتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود جو ایک آواز اٹھتی ہے تو ایک داڑھی منڈا بھی اللہ کے لیے اتنا ہی درد اٹھاتا ہے۔ طالبان داڑھی والے ہی مگر جب ان پہ تکلیف آتی ہے تو انڈونیشیا کا ایک بالکل "داڑھی منڈا" نوجوان بھی اسی جوش و جذبے سے نکلتا ہے اور ملائیشیا کا مسلمان بھی قرات پڑھتے ہوئے نکلتا ہے۔ ان سب کے وہ حلیے نہیں ہیں جو طالبان کے ہیں۔

یہ امتِ مسلمہ ہے ......؟ امتِ مسلمہ کبھی بھی چند لوگوں میں نہیں ہے۔ آؤ ذرا غور کرو! امتِ مسلمہ کون ہے؟ حدیث کہتی ہے زمانۂ آخر کے بارے میں: کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخری وقت میں اعدا اسلام کو غلبہ ہو گا تو اصحاب نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا مسلمان اس وقت بہت کم ہوں گے (بھولے بھالے لوگ تھے، سادہ سے۔) ان کا خیال تھا کہ ہم نے تین سو تیرہ ہو کر ہزار الٹ دیا، ایک ہزار ہو کر دس ہزار الٹ دیے۔ 36 ہزار ہو کر سات لاکھ الٹ دیے تو مسلمان اس وقت بہت ہی کم ہوں گے۔ فرمایا نہیں، وہ تو مور و ملخ کی طرح ہوں گے۔ مگر ان پہ وہن غالب ہو گا۔ دنیا کی محبت غالب ہو گی، شہادت کا شوق نہیں ہو گا۔ محبتِ خدا نہیں رہے گی۔ مور و ملخ کون ہیں؟ کیا یہ پانچ لاکھ کے گروہ ہیں کہ

ایک لاکھ الگ پھرتا ہے اور ایک لاکھ علیحدہ پھرتا ہے یا میں اور آپ مورو ملخ ہیں۔ یہ پندرہ کروڑ لوگ پاکستان کے مورو ملخ کی طرح ہیں یا یہ چار پانچ لاکھ مورو ملخ ہیں جو دستاریں پہن کر پھرتے ہیں، جو دین کے زیادہ دعوے دار ہیں۔ وہ امتِ رسول ہیں؟ یا یہ امتِ رسول ہے؟

حدیثِ رسول بتاتی ہے کہ اجماع کثرت میں ہے، قلت میں نہیں۔ اور کثرت کسی گروہ میں قید نہیں ہے اور اللہ توفیق دے تو ہم اپنے معمولی اعمال کے ساتھ حضورِ گرامی مرتبت کے سامنے اس طرح نہ پہنچیں کہ اپنے آپ کو متقی سمجھ رہے ہوں۔ ہمیں تو شفاعت کی آرزو ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم گناہگار ہیں۔ ہم اسی لیے حضور ﷺ کی شفاعت پر ناز کرتے ہیں کہ خطا کر سکیں۔

کیا خوبصورت شعر اقبالؒ نے کہے ہیں۔ میں نے آج تک اس سے خوبصورت شعر نعت کے نہیں سنے کہ:

؎ تو غنی از ہر دو عالم مَن فقیر
رُوزِ محشر عذر ہائے مَن پذیر

کہ محشر کے دن اے پروردگارِ عالم! میرا اتنا عذر مان لینا۔ مجھے کوئی بڑی آرزو نہیں ہے۔ تو غنی ہے عالم سے، میں فقیر ہوں۔ مگر فقیر کا ایک سوال سن لینا۔

؎ گر حسابم را تو بینی ناگزیر

اگر تجھے ضروری میرا حساب لینا ہو۔ اگر تو بالکل مجھے بخشنے پر آمادہ نہ ہو اور اگر تو نے ضروری میری خطاؤں کو عریاں کرنا ہو تو اے میرے مالک:

؎ از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

تو پھر مجھے حضور ﷺ کی نگاہوں سے بچائے رکھنا۔ تجھ سے شرم نہیں آتی۔ مگر حضور سے ضرور آتی ہے۔ اس لیے کہ میں اس پاک باز، اس آقائے دو جہاں محمد رسول اللہ ﷺ کا مرید ہوں۔ اس کا تابع ہوں، اس کی متابعت کا دعویٰ کرتا ہوں، تو مجھ میں کچھ اخلاقی مناسبت تو ویسی ہونی چاہیے۔

لوگ سوال پوچھتے ہیں۔ فنافی الشیخ کیا ہے؟ فنافی الرسول کیا ہے؟ فنافی اللہ کیا ہے؟ فنافی الشیخ سے مراد ہے کہ اگر استاد پسند ہو تو اس کی عادات اپنائی جائیں اور فنافی الرسول سے مراد ہے کہ اگر تمہیں رسول سے محبت ہے تو اس کی عادات اختیار کر لیں اور فنافی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر فنافی الرسول ہو تو فنافی اللہ ضرور ہو جاؤ گے، اس لیے کہ خدا اور رسول دونوں ایک ہی پارٹی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی تمام زندگی صرف ایک Priority کو، اللہ کو Establish کرنے میں گزری۔ اپنے آپ کو نہیں۔ ایک لاکھ چھتیس ہزار احادیث میں، یہ کمالِ عرفانِ ذاتِ رسول ہے، یہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں کہ ایک لاکھ 36 ہزار احادیث میں ایک حدیث بھی اپنی ذاتی تعریف پہ مشتمل نہیں ہے۔ ایسا عالی ظرف پیغمبر دنیا کے کسی کونے میں نظر نہیں آتا۔ کہ کوئی دعویٰ نہیں ہے رسول اللہ کا، کوئی بات ان کی زبان سے ایسی نہیں نکلی جو غیرتِ خداوند کے منافی ہو بلکہ --- اندازہ کیجیے جیسے قرآن کہتا ہے:

”وما ارسلنک الا رحمتہ اللعالمین“(الانبیاء:۱۰۷)

جو رحمتِ عالم ہیں۔ اس کو اللہ نے ٹائٹل دیا ہوا ہے رحمتِ عالم کا۔ جب اس سے ایک صحابی پوچھتے ہیں: یا رسول اللہ ﷺ! لوگ جنت میں کیسے داخل ہوں گے فرمایا: صرف اللہ کی رحمت کے ساتھ۔ فرمایا: یا رسول اللہ! آپ؟ فرمایا: میں بھی......! ملاحظہ فرمایئے........ میں بھی......! یعنی وہ جو رحمتِ عالم ہیں، وہ جن کا قرآن میں رحمتِ عالم کا ٹائٹل آیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جاؤں گا۔ کیا Submission ہے، کیا priority میں گم شدگی ہے! کیا اللہ کے مقابلے میں اپنے آپ کو بندگی کے مقام پہ فائز کرتا ہے!

؎ مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

یہ صرف محمد رسول اللہ ہی کہہ سکتے ہیں۔

سوال: میں بڑی عقیدت سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان ساری باتوں کے باوجود جو میں نے آپ کے لیکچر میں سنی ہیں۔ مجھے گائیڈ کریں کہ اسلام اور خدا پہ ایک عام مسلمان آخر کس طرح مکمل اعتماد پیدا کرے؟

جواب: خواتین و حضرات! بڑی سادہ سی بات ہے۔ قرآن کا ایک Standard ہے جو ابنِ عباسؓ کا ہے۔ ایک سٹینڈرڈ ہے جو آلوسی کا ہے۔ قرآن کا ایک سٹینڈرڈ ہے جو ظواہری کا ہے، ایک سٹینڈرڈ ہے جو مرتعشی کا ہے۔ قرآن کا ایک سٹینڈرڈ ہے جو بڑے بڑے علماء کا ہے جو اس کی وضاحت کرتے ہیں، اس سے Deal کرتے ہیں اور اس کو Explain کرتے ہیں۔ مگر وہ بھی تو ہے جو میں اور آپ روز پڑھتے ہیں۔ قرآن وہ بھی تو ہے جو صبح جاگنے کے بعد بوڑھی عورتیں پڑھتی ہیں، ہماری مائیں پڑھتی ہیں۔ ہم ان سے فلسفے کی توقع تو نہیں کر سکتے۔ ہم ان سے دانشوری کی آرزو نہیں کرتے۔ قرآنِ حکیم کی ہر چیز پہ ثواب ہے۔ ناظرہ پہ ثواب ہے، باصرہ پہ ثواب ہے، سامعہ پہ ثواب ہے اور سب سے بڑھ کر غور و فکر کرنا قرآن کا عمل ہے اور اسی کی وہ دعوت دیتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ: تلاوتِ قرآن پہ ثواب ہے، ”الم“ پہ ثواب ہے۔ ”الف“ پہ ثواب ہے۔ ”ل“ پہ ثواب ہے۔ ”م“ پہ ثواب ہے تو حضراتِ گرامی بہت اعلیٰ درجے کا عرفان اگر نہ بھی حاصل ہو تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ اولیاء اللہ میں سے بعض ایسے بھی گزرے ہیں جن کو سرے سے کسی Academic سے واسطہ نہیں پڑا۔ وہ عالم نہیں مگر انسان اخلاص و محبت سے شروع تو کر سکتا ہے۔ آپ عبدالقادرؒ کو اس وقت دیکھتے ہیں ناں جب وہ بغداد میں قطبِ زمانہ کی حیثیت سے بیٹھ رہا تھا۔ آپ اُسے غوثِ زمانہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ مگر عبدالقادرؒ تو اس وقت بھی عبدالقادر تھا، جب ایک چھوٹا سا بچہ سچ بول رہا تھا۔ اس وقت اس پہ یہ گمان تو نہیں ہوا تھا کہ یہ آگے چل کر ”غوثِ اعظم“ اور ”قطبِ زمانہ“ نکلے گا۔

”معین الدین چشتی اجمیریؒ“ ایک باغ میں مالی ہی تو تھے کہ جب وہاں سے خواجہ ابوالحسنؒ کا گزر ہوا، اور آپ نے ان سے کہا کہ کچھ لاؤ کھانے کے لیے تو انگور توڑ کر لائے۔ صاف کر کے۔ کیا انداز دیکھے ہوں گے انہوں نے معین الدینؒ کے...... کہ پلیٹ اچھی طرح صاف کی، انگور اچھی طرح دھویا اور خواجہ اس کا حسنِ طرزِ مرتبہ دیکھتے رہے۔ اچھا لگا لڑکا۔ ایک دانہ انگور کا لیا، چبایا اور اس کے منہ میں ڈال دیا اور اسے برکتِ علم کی دعا دی۔ چودہ سال خارزارِ علم میں بھٹکنے کے بعد خواجہ

معین الدینؒ پھر ''ولی ہند'' کی حیثیت میں ہندوستان میں داخل ہوئے۔ ایک ابتدا ہے۔ ایک انتہا ہے۔

دنیا میں صرف دو قسم کے ولی ہیں۔ تیسرا کوئی ولی نہیں۔ اولیائے رحمان ہیں، اولیائے طاغوت ہیں۔ اللہ کے ہاں تیسرا کوئی ولی نہیں۔ آپ سب ولی ہیں۔ اب یہ اللہ جانتا ہے کہ اولیائے رحمان ہیں کہ اولیائے طاغوت ہیں۔

''اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور ط والذین کفروا اولیئھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمت ط اولئک اصحب النار ج ھم فیھا خلدون'' (البقرہ:۲۵۷)

There are two movements: جو Parallel نہیں چلتیں۔ ایک دوسرے کے مخالف چلتی ہیں۔ ایک وہ ہیں جو نور سے نکل کر اندھیروں کو جا رہے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو اندھیروں سے نکل کر نور کو جا رہے ہیں۔ آپ یقین جانیں کہ آپ سب اولیاء ہیں۔ اب یہ نہیں پتہ کہ کس قسم کے۔ تو تھوڑی سی نیت درست ہو جائے تھوڑی سی محبتِ خداوند پیدا ہو جائے اور تھوڑا سا خیر کا ارادہ پیدا ہو جائے تو ایک تسلی تو ہو جائے گی کہ ہم ''شیخ اجمیر'' بنیں نہ بنیں، چاہے ہم شیخ بغداد بنیں نہ بنیں، چاہے ہم جنید بغدادی بنیں نہ بنیں، چاہے ہم شیخ علی ہجویری بنیں نہ بنیں۔ مگر ہم اسی رستے کے مسافر ہیں۔ متعلم جب سفر میں وفات پاتا ہے تو شہید ہوتا ہے۔ اولیائی کی طرف اٹھتا ہوا ہر قدم ولایت ہے۔

سوال: اس وقت جو طالبان کا رول ہے کیا وہ اسلام کی سپرٹ کے مطابق ہے؟

جواب: حضراتِ گرامی جب سے یہ لوگ آئے ہیں۔ مجھے Personally کچھ ان پہ بڑے Serious اعتراضات ہیں۔ ایک تو میں ملا محمد عمر کے اس ٹائٹل کے سخت خلاف تھا: امیر المومنین ....! امیر المومنین کا ٹائٹل صرف اصحاب رسولؐ پر عائد ہوتا ہے اور وہ بھی اس سند کے ساتھ کہ اللہ نے اصحاب رسولؐ کو گارنٹی کیا تھا کہ یہ مومن ہیں۔ ورنہ مومن ہونے کی Judgement زمین پر کسی انسان کے پاس نہیں۔ یہ فیصلہ صرف اللہ کے پاس محفوظ ہے اور کیا بھلا ہوتا اگر ملا، امیر المسلمین کا لقب اختیار کرتا۔ میری اب بھی اگر ان سے ملاقات ہوئی تو درخواست ہے کہ بھائی ایسے ٹائٹل مت اختیار کرو، جس کے نہ ہم اہل ہیں، نہ تم اہل ہو اور جن کا فیصلہ اللہ کے پاس محفوظ ہے۔

Secondly بعض اوقات اسلام کسی Cultural Situation کو سوٹ کرتا ہے اور اس Situation کو سوٹ کرتا ہوا اسلام کسی دوسری Situation کو سوٹ نہیں کرتا۔ پگڑی ہے تو پہننے کا حکم ہے، سر ڈھانپنے کا حکم ہے۔ یہ صرف افغانستان میں لاگو ہے۔ اسلام میں سر ڈھانپنا لاگو نہیں ہے۔ بخاری اور مسلم کی حدیثِ صلوٰۃ اگر دیکھیں تو صرف ایک حدیث موجود ہے اور اس حدیث کو حدیثِ ''مشعر'' (یعنی بالوں کی) کہتے ہیں۔ اب حدیثِ مشعر کا جو بنیادی مطلب ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ اس زمانے میں لوگوں کے پاس اتنا بھی کپڑا نہیں ہوتا تھا کہ وہ سر ڈھانپ لیں۔ ذرا غور سے سنیے!...... کہ لوگوں کے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ سر ڈھانپ سکتے اور سنن ابی داؤد اور مسلم کی حدیث ہے کہ حضرتِ معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے کہ جب لوگ ایک قریہ میں اکٹھے ہوئے تو انہوں نے کہا کہ نماز وہ پڑھائے جس کو قرآن زیادہ آتا ہو اور میں اس وقت بارہ برس کا بچہ تھا مگر چونکہ معیتِ رسولؐ میں رہتا تھا اس لیے مجھے قرآن زیادہ آتا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ بچہ ہمیں قرآن پڑھائے گا اور جب میں نماز پڑھ رہا تھا تو پاس سے گزرتی ہوئی ایک عورت نے کہا، اے مسلمانو! اپنے امام کا سر تو ڈھانپ لو۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت لباس کتنا کم تھا کہ مسلمانوں کے امام کے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں تھا کہ جب وہ امامت کے لیے جھکتے تو ننگے ہوتے تھے۔ تو حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد لوگوں نے تھوڑے تھوڑے پیسے جمع کر کے مجھے ایک چادر خرید دی اور آپؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! مجھے جو خوشی اس وقت اس چادر سے ہوئی، وہ نہ تو بعد میں یمن کا گورنر بن کر ہوئی، نہ سرخ اونٹوں کی ضیافت سے ہوئی۔ اب اس معاملے میں جبکہ لباس اتنا کم تھا تو جو لباس تھا۔ یا عمامہ تھا وہ امراء کا توصیفی نشان تھا اور خاص طور پر قریش کا نشان تھا۔ مگر چونکہ اکثر لوگوں کے پاس لباس نہیں تھا اور جو پہلے پہل مسلمان ہوئے، زیادہ تر غلام ہوئے کہ دن بھر مزدوری سے کپڑا نہیں خرید سکتے تھے۔ اور کپڑا اس وقت بالکل ایسے تھا جیسے آج Platinum ہے Very Costly۔ کپڑا تمرد کا نشان تھا اور عرب سردار جب چلتے تھے تو پیچھے Trail چلتی تھی۔ جس پہ قرآن نے ان پہ طنز کیا اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اس طرح تمرد کے لیے کپڑا مت پہننا بلکہ پائینچے اٹھانے کی نصیحت کی، تو یہ اس وقت صرف اس وجہ سے تھی کہ اس وقت کپڑا تمرد، غرور اور امارت کا نشان تھا اور اس سے دوسروں کی کسرِ شان مقصود تھی اور دوسری بات یہ کہ پیسے نہیں تھے۔ ایک تو کپڑا نہیں تھا۔ دوسرا پیسے نہیں تھے کہ بال نہیں کٹوا سکتے تھے۔ ابھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ یورپ اور امریکہ سے بہت سارے جو ہمارے مزدور بھائی آتے ہیں وہ لمبے لمبے بال رکھتے ہیں۔ آپ کہتے ہوں گے کہ فیشن ہے..... بالکل نہیں ہے..... ایک بالوں کی کٹائی کے لیے آٹھ سے دس ڈالر لگتے ہیں۔ کم سے کم پانچ ڈالر اور ہمارے امریکی بھائی جو ڈالر کو بہت عزیز سمجھتے ہیں، خاص طور پہ ہمارے مزدور بھائی جو اتنی مشکل سے پانچ ڈالر کماتے ہیں۔ پانچ دن انہوں نے نکالنے ہوتے ہیں۔ وہ یا تو بالوں کی ٹنڈ کروا لیتے ہیں یا بال بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں اور یہ وجہ ہے کہ آپ امریکہ سے آنے والوں کے اگر لمبے بال دیکھیں تو یقین جانیں کہ یہ ایک غریب امریکی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہاں سے آئے ہوئے لوگ سونے کی انگوٹھیاں بڑی پہنتے ہیں۔ گلے میں زنجیریں۔ اچھے بھلے دانتوں پر سونے کا پانی چڑھا ہوتا ہے اور دور سے چلتے ہوئے وہ آدمی Golden Man لگتے ہیں اور بار بار عورتوں کی طرح ہاتھ چھنکار رہے ہوتے ہیں اور بار بار زنجیر پہ انگلیاں پھر رہی ہوتی ہیں۔ ''بھئی خدا کے لیے دیکھو تو سہی! ہم کل غریب تھے اور آج سونے سے لدے ہیں۔ سونا ہی ہے نا امارت کا نشان، تو دیکھو تو سہی۔'' وہ چودہ قیراط کا Gold ہوتا ہے جو خاصا سستا ہوتا ہے۔

اس وقت بھی عرب میں یہ عالم تھا کہ کپڑا ناپید تھا اور سر نہیں ڈھانپے جاتے تھے تو لوگ جب سجدے میں جاتے تو بال چونکہ لمبے ہوتے تھے اس لیے سامنے آ کر آنکھوں میں پڑتے تھے تو اصحاب رسول سجدے کے عالم میں ہی بالوں کو کنگھی شروع کر دیتے تو حدیث کہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مشعر کو چھوڑ دو۔ مشعر کو چھوڑ دو۔ مشعر کو چھوڑ دو..... کہ نماز کی تہذیب میں سجدے میں بالوں کو ٹھیک کرنا درست نہیں ہے۔ یہ واحد حدیث ہے جو بخاری میں ہے، یہ واحد حدیث ہے جو مسلم میں ہے اور جو سر ڈھانپنے پہ نہیں ہے سر ننگے پہ ہے۔

ایک حدیث سے آدھا شانہ ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے بغیر سر ڈھانپے نماز پڑھائی۔ ظہر کی نماز میں گھر سے نکلے، بہت دیر ہو چکی تھی اور نہا کر نکلے تھے اور کنپٹیوں سے پانی نچڑ رہا تھا اور کوئی علامت درمیان میں اصحاب نے بیان نہیں فرمائی کہ باہر نکل کر انہوں نے سر پر کپڑا رکھا اور نماز پڑھائی۔

خواتین وحضرات! سوال یہ ہے ٹوپی آئی کہاں سے..... جہاں تک طالبان کی بات ہے۔ ان کی جو پگڑی ہے۔ یہ چونکہ Semite سے ہیں اوران کا براہ راست تعلق Semite سے ہے اور عمامہ، پگڑی، اس قسم کی علامات اوران کے رنگ..... نیلی پگڑیاں، کالی پگڑیاں اور سفید پگڑیاں۔ یہ ان کی قبائلی علامات تھیں۔ تو Particularly اس قسم کے ماحول میں اگر زرافے کی گردن اس لیے لمبی ہوگئی کہ درخت اونچے تھے اور اس کو اونچا کرتے کرتے اس کی گردن ہی لمبی ہوگئی پتے کھانے کے لیے۔ یا اونٹ کا کوہان اس لیے بن گیا کہ اس میں پانی جمع ہو جائے، چربی اس میں اکٹھی ہو جائے تاکہ صحراؤں کی طوالتوں میں اور ریگزاروں کی گرمی میں یہ جانور مرنے نہ پائے۔ تو جہاں جہاں پگڑیاں ہیں، وہاں صحرا ہیں اور پہاڑ ہیں اور اگر آپ غور کریں تو وہ ان کے سروں کو ڈھانپتی ہیں اور تمازتِ آفتاب سے بچاتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اگر میں ننگے سر افریقہ چلا جاؤں یا میں صحرائے لیبیا میں چلا جاؤں یا اگر میں طالبان کے پاس ہی چلا جاؤں تو مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا کہ میں ایک ڈیڑھ، دو من کی پگڑی سر پر رکھ لوں۔

But this is not the law of Islam...... تو بحیثیت ایک سوچنے والے کے I can advise them. What suits you is not Islam, What suits every body is Islam. یہ غلط ہے۔ اسلام کسی طبقے یا گروہ کے لیے نہیں بنا۔ اسلام جملہ انسانیت کے ایک بدترین سے بدترین اور بہترین سے بہترین انسان کے لیے ہے۔ اسلام میں ہر قانون Basic سے شروع ہوا۔ Basic کے پاس تو روٹی بھی نہیں ہے Basic کے پاس تو کپڑا بھی نہیں ہے۔ Basic ہر زمانے میں تنگِ وجود ہے تو قرآن اور حدیث تو اس کے لیے بھی ہے۔ ہاں، جوں جوں آپ Sophisticated ہوتے ہیں، جوں جوں آپ آگے بڑھتے ہیں، ٹوپیاں کیوں آئیں؟ برصغیر میں کیوں آئیں؟ انگریز نے برابری کا نشان ننگے سر رکھا ہوا تھا اور غلامی کا نشان ٹوپی رکھا ہوا تھا۔ انگریز کبھی بھی غلام کو بغیر سر ڈھانپے اپنے حضور بازیافت نہیں دیتا تھا۔ اس کا حکم تھا کہ پٹواری ٹوپی پہن کر آئیں۔ اس کا حکم تھا کہ تحصیلدار ٹوپی پہن کر آئیں۔ اس کا حکم تھا کہ جو محکوم ہمارے حضور آئے وہ سر ڈھانپ کر آئے اور وہ اپنا ہیٹ۔ ہیٹ سٹینڈ پر رکھ دیتا تھا۔ جب وہ اکٹھے بیٹھتے تھے تو وہ ننگے سر بیٹھتے تھے۔ جب وہ محکوموں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو ننگے سر بیٹھتے تھے اور محکوم ٹوپیاں پہنتے تھے۔ ہمارے پیروں فقیروں نے جب یہ دیکھا کہ انگریز کے سامنے تو ٹوپی پہنتے ہیں اور ہم خدائی فوجدار ہیں۔ تو ہمارے سامنے کیوں نہیں ٹوپی پہنتے تو اس وقت ہمارے پیروں فقیروں نے حکم دیا کہ کوئی ہمارے حضور ننگے سر نہ آئے کیونکہ ہم تو ویسے ہی تمہیں برابر نہیں سمجھتے۔

خواتین وحضرات! بہت ساری ایسی باتیں ہیں جیسے عورتوں کی تعلیم............

"اطلبوا العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة"

اور دین کا ایک چوتھائی ایک عورت کے پاس ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ہے۔ اس عالمہ مقدسہ کے پاس ہے، جس سے علیؓ فتویٰ پوچھنے آتے ہیں۔ ابن عباسؓ ان کے پہلو سے اٹھ کے فقیہہ ہوتے ہیں۔ عروہ بن مسعودؓ ان سے سبق لیتے تھے۔ دنیا میں چار عورتیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مقدس اور معزز ہیں:

سارہ زوجۂ ابراہیم، آسیہ بنتِ مزاحم، خدیجۃ الکبریٰ، مریم مقدسہ اور عائشہ کی فضیلت ان پہ ایسی ہے جیسے ثرید کو

باقی کھانوں پر۔ یہ کیوں ہے؟...... آج تک دنیا میں کوئی عورت ایسی نہیں گزری جس کے علم و فضل کے تقدس نے دنیا کے ارب ہا ارب انسانوں کو روشنی بخشی ہو۔ سوائے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے۔

حضراتِ گرامی! ایک سوال پوچھا گیا عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں، کہ اتنی جلدی شادی کا کیا سبب ہے؟ ذرا غور کیجیے۔ حضور ﷺ کی گیارہ بیبیوں میں سے تمام بیبیوں سے صرف اٹھارہ احادیث مروی ہیں اور خدا یہ چاہتا تھا کہ ایک پوری عائلی زندگی کا ریکارڈ تیار کیا جاتا مگر اس کے لیے ایسی Memory نہیں چاہیے تھی جو پہلے سے تیار ہو چکی ہو، بن چکی ہو، جو بھرپور کردار ادا کر چکی ہو۔ اللہ کو ایک ایسی لڑکی چاہیے تھی جس کی Memory بے مثال ہو۔ جو بالکل تازہ ذہن لے کر آئی ہو۔ جس کو اپنے رسول سے اور اپنے شوہر سے بے پناہ محبت تھی اور جس نے ان کی عائلی زندگی کی ایک ایک جزئیات کو سلامت رکھا اور آج آپ کے گھروں میں اُن احادیثِ رسول کے چراغ جلتے ہیں جو ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے توسط سے آپ تک پہنچی ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں شادی کی صرف ایک وجہ تھی کہ وہ چھوٹی سی لڑکی پوری یادداشت کے ساتھ ہر بات کو محفوظ رکھے۔ وہی ایک عمر ہوتی ہے قرآن حفظ کرنے کی۔ کبھی بوڑھے طوطوں نے بھی قرآن حفظ کیا ہے۔ Mature آدمیوں کی Memory مکمل ہو چکی ہوتی ہے۔ وہ ایک Clean Slate تھی۔ تازہ دم، زندہ اور اتنی بڑی استاد کہ مدینے میں اس سے بڑا استاد کوئی نہ تھا اور جب بڑے بڑے اصحاب کو مسائل میں شبہ ہوتا تو لوگ کہتے کہ یار کیوں جھگڑا کرتے ہو؟ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے کیوں نہیں پوچھ لیتے کیونکہ وہ عالمہ تھیں، استاد تھیں، جاہ و جلال والی تھیں اور غصے والی تھیں اور آج بھی آپ کو کوئی عائشہ ایسی نظر نہیں آئے گی جو غصے والی نہ ہو۔ آج بھی دو صفات ام المومنین کی وجہ سے ہر اس لڑکی میں ہوں گی جس کا نام عائشہ ہو گا۔ ایک غصہ اور ایک Memory, یہ ان کا فیض ہے۔

سوال: آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ مسلمانوں کی Civilization میں جو مسلمان سائنس دان تھے یہ ہمیشہ پکے مسلمان نکلے لیکن جو حکمران تھے وہ تقریباً سارے Secular نکلے۔ آپ کیا سمجھیں گے کہ یہ West کا Infuence ہے یا مسلمان امت کمزور ہے؟

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ میں نے پاکستان کی بات کی تھی۔ پاکستان بدقسمتی سے دو دشمنوں کی نذر ہو گیا۔ ایک ہمارے مولوی صاحبان کی نذر ہو گیا کہ جنہوں نے اعلیٰ ترین مقاصد سے نا آگہی کا عہد کر رکھا تھا، جو اپنے مقام سے آگے بڑھنے کے لیے تیار نہ تھے۔ انہوں نے Local Interpretations کے ساتھ اسلام کو ایسا پابند کیا اور ایسا گھیرا کہ لوگ بجائے اسے چاہنے کے اس سے ڈرنے لگ گئے اور دوسری طرف ان کی اس کمزوری کا فائدہ انگریز کے پیدا کردہ ماحول کی اس مخلوق نے اٹھا لیا جو بظاہر انگریزی بول کر اپنے آپ کو دنیا کی ساتویں سیڑھی پر سمجھتے تھے اور جنہوں نے Impressions کے نئے دروازے کھول دیے۔ جنہوں نے Deliberately یہ پروپیگنڈا کیا کہ اسلام ایک پرانی، فرسودہ اور آلودہ شے ہے اور اس لحاظ سے وہ عامتہ المسلمین کو گمراہ کرنے کے قابل ہو گئے اور زیادہ تر انہیں لوگوں نے آگے بڑھ کر حکومتیں سنبھالیں اور یہ ایک چیز کے دشمن تھے۔ صرف ایک چیز کے کہ اسلام نہ کہیں Practical ہو جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے لوگ جب صحیح جذبوں سے اٹھیں گے اور جب اسلام کو Propagate کریں گے

اور عمل پذیر کریں گے تو مجھے پورا پورا Confidence ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے صرف پاکستان کے لوگ ہی اس قابل ہیں کہ جو اسلام میں وہ دور واپس لا سکتے ہیں کہ جو اصحاب رسول کا دور تھا، جو تابعین کا دور تھا اور جو تبع تابعین کا دور تھا اس لیے کہ اللہ نے نام تو اس کا پاکستان رکھ دیا ہے مگر ہم ابھی تک ناپاکیزگی کا کافی سارا چلہ کھینچ چکے ہیں۔ میں یہ دعا ضرور کروں گا کہ باوجود اتنے سارے باہمی اختلافات کے میں کسی کی فتح و شکست کا قائل نہیں ہوں مگر مجھے غرور سرکشی سے اتنی ہی نفرت ہے.... کہ اللہ کہتا ہے ”کبریائی میری چادر ہے جو اس کو مجھ سے چھینتا ہے، اس کے خلاف میں خود جنگ کرتا ہوں۔“ Throughout میں Media کو دیکھ رہا ہوں تو مجھے عجیب سا احساس ہوتا ہے کہ تمام یورپی میڈیا بار بار ایک ہی طنطنہ، ایک ہی دعویٰ رکھتا ہے کہ We are powerful. Our instruments of destruction are very powerful. We have penetrated the Earth with cluster bombs. ہمارے بمبار B. 51 اور B.52 آسمانوں سے اس طرح گزر رہے ہیں[1] کہ کابل کو تمام مسلمانوں کا قبرستان بنا دیا جائے گا یا ہرات کو بنا دیا جائے گا۔ مگر ایک بات بڑی واضح ہے کہ تکبرات کا ایک عالم کھلا پڑا ہے اور ایک خروش ہے، ایک تمرد ہے، جو نمایاں ہے اور ایک دعویٰ ہے جو بار بار ان کے حلق سے اچھلتا ہے مگر کبھی کبھی ان کے حلق میں واپس چلا جاتا ہے۔ جیسے سات دن تک یہ دعویٰ اچھلتا رہا کہ ہم نے افغانستان کی فضاؤں پہ مکمل قابو پا لیا ہے تو پانچویں دن ہلکا سا یہ کہا کہ نہیں نہیں، ان کے Anti air crafts ابھی سلامت ہیں۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ ان کے Anti air crafts سلامت رکھے، اللہ ان کے میزائل سلامت رکھے، میں کہتا ہوں کہ اللہ ان کی خطا کو اپنی رحمت سے دور فرما دے۔ اور میں کہتا ہوں کہ ان کو بھی عقل آئے کہ ایک طرف ہو کے اور اسلام کی ایک Local interpretation کر کے وہ عالم اسلام کو اپنا نہیں بنا سکتے۔ بلکہ اس عالم اسلام کی طرح ہو جائیں جو باوجود ان سے اختلاف کے، ان پر مصیبت آئی تو ان کے دلوں میں ان کے لیے درد اٹھا اور کاش کہ یہ احساس آگے بڑھتا ہوا ایک ارب مسلمانوں کے رگ و پے میں سما جائے اور ہم اسلام کی Value پہ، گروہی ایمانوں کی Value پہ نہیں بلکہ اپنے آپ کو سادہ سا مسلمان سمجھتے ہوئے، اخوت و محبت کا نیا سبق پڑھیں۔ تو یہ وہ وقت نہیں ہے کہ ہم وہابی بنیں اور سنی بنیں اور دیوبندی بنیں اور شیعہ بنیں۔ یہ وقت ہے کہ ہم صرف اور صرف مسلمان ہوں اور میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہمیں صرف مسلمان بننے کی توفیق دے۔ ایک دوسرے سے محبت کرنے کی توفیق دے۔

”اللھم الف بین قلوبنا، واصلح ذات بیننا، واھدنا سبل السلام، ونجنا من الظلمات الی النور“ (حصن حصین)

سوال: جس طرح آپ نے بتایا کہ اس وقت ہمارے گروہ بنے ہوئے ہیں تو آپ کے خیال میں کیا یہ بہتر نہیں کہ اپنی اپنی قابلیت کے مطابق ہم ان کے ہاتھ مضبوط کریں جو ہمارے خیال میں دین کی تھوڑی بہت خدمت کر رہے ہیں؟

جواب: پہلے تو اس سوال کا فیصلہ کرنا ہے کہ وہ دین کی خدمت کر رہے ہیں کہ دین کو خراب کر رہے ہیں؟ اگر گروہوں میں بانٹنا دین کی خدمت ہے تو پھر ہم اس خدمت پر راضی ہیں۔

مجھے ایک دفعہ IPC میں جماعت اسلامی کے لوگوں سے واسطہ پڑا۔ پروفیسر خورشید میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اس بات کی داد دیتا ہوں کہ بعد میں انہوں نے مجھے ہمیشہ اچھے نام سے یاد کیا............

He said even in England, while he was talking to the people, "I've seen only one person in Pakistan who impressed me in religion."

اور میں بھی اس وقت ان کے بارے میں یہ سمجھ کے کہ یہ پڑھے لکھے بندے ہیں، پانچ گھنٹے کی discussion کے بعد، جہاں ان کے سارے لوگ بیٹھے تھے۔ In the end they asked me a simple question. How can we improve our selves. تو میں نے ان سے کہا تھا کہ جماعت توڑ دو، بے نام و نشان ہو جاؤ، لوگوں میں چلے جاؤ۔ تشخص جدا نہ کرو۔ تو پھر دیکھو کہ لوگ کیسے تمہیں قبول کرتے ہیں۔ I know that it was not acceptable for them, Organization ایک ایسی لعنت ہے، ایک ایسی محبت ہے کہ لوگ اپنی بنائی ہوئی زنجیروں میں خود جکڑے جاتے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ

جشنِ بہاراں کے موقع پر ایک نشست

اعوذباللہ السمیع العلیم ط من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب ادخلنی مدخل صدقٍ و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا

خواتین وحضرات السلامُ علیکم ! میں اس پروگرام کے منتظمین کو مبارکباد دیتا ہوں کہ بغیرِ بہار جشنِ بہاراں کا اہتمام کرلیا۔ پچھلی نصف صدی سے، جو تین بڑے حقائق انسان کی زندگی میں ہوتے ہیں، ایک اس کی دنیاوی اور آخرت کی کمٹمنٹ جو مذہب سے نمایاں ہوتی ہے۔ دوسرا اس کی خاک کا تعلق، اس کی مٹی کی خوشبو، جو اسے اپنے ملک سے وابستہ رکھتی ہے اور ایک، اس کو اپنی ذات کے حوالے سے زندگی کے علم میں جو خوشی اور غم نصیب ہوتے ہیں۔ تو پچھلی نصف صدی سے ان تینوں فیلڈز میں مجھے بہار کا احساس نہیں ہوا۔ اس کے باوجود میں اس جشنِ بہاراں میں شرکت کے لیے اپنے دوستوں کی محبت کے طور پہ آیا ہوں کہ یہ ایک شئے ارزاں نہ تھی، جو جہلم میں بڑی سستی ملتی ہے اور یہ محبت اور خلوص جوان نوجوانوں کے دلوں میں میرے لیے یا میرے مکتبۂ فکر کے لیے پایا جاتا ہے مجھے شاید سارے زمانے سے عزیز تر ہے۔ ویسے بھی خواتین وحضرات ! بہار کوئی خارجی کیفیت نہیں ہے۔ بہار تو ایک داخلی کیفیت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دنیا بھر کی نعمتیں آپ کو نصیب ہوں اور آپ کی توجہات میں خوشی اس لیے نہ آئے کہ کوئی بہت پیچیدہ، دیرینہ غم آپ کو تہوں سے کھنگال رہا ہو اور ہوسکتا ہے کہ آپ مصائب کے کڑے سمندر میں ہوں، آپ الم انگیز حالات سے گذر رہے ہوں، مگر دل کسی ایسی ذات سے جا لپا رہا ہو جو اُداسی کی لہر آپ تک پہنچنے نہ دے تو کسی نے بڑے خوبصورت شعر میں کہا کہ:

بہار نذرِ تغافل ہوئی خزاں ٹھہری
خزاں شہیدِ تبسم ہوئی بہار ہوئی

تو یہ کیفیت اور یہ رنگتوں کا بدلنا اور یہ انسانی قلب کی ماہیت کی تبدیلیاں، یہ تمام اُس وقت حالتِ اضطراب میں رہتی ہیں، جب تک کہ کوئی ایسی مکمل پائیدار وابستگی نہ نصیب ہو جائے کہ جو انسان کے دل کو ہمہ وقت ایک جیسے حالات میں رکھے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ نے کہا کہ تیری Maturity تیرے ذہنِ رسا کی گرفت، اس وقت مضبوط ہوگی اور تیرا دل اس وقت مقام پائے گا جب تو کسی خوشی سے زیادہ خوش نہ ہوگا اور کسی غم سے تیرا دل زیادہ متغیر نہ ہوگا۔ ہم اس کو اس لیے اعتدال کہتے ہیں کہ وہ دل جو زیادہ خوشی کی طلب کرتا ہے وہ فلسفۂ حیات سے ناآگاہ ہے۔ ایک مختصر سے مقام میں اگر

آپ زندگی کے مقاصد پر غور کرو، اگر آپ پوری نسلِ انسانی کے مقصدِ حیات پہ غور کرو، اگر آپ حیات کی غائتِ اولیٰ پہ غور کروتو کم از کم ہمیں اس بات کا مکمل احساس ہوتا ہے کہ یہ قطعاً خوشی کا مقام نہیں ہے۔ جب اُس بلا اور کشیدگیٔ اعصاب سے آدم کو حکمِ سفر ملا:

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

آدم جب جنت سے نکلے تو ان کے دل پہ کیا غم و حُزن کی کیفیت وارد ہو رہی ہوگی؟ سب سے بڑھ کر پروردگارِ عالم کا ساتھ چھوٹ رہا تھا۔ ایسی ہمسائیگی کا ضائع ہونا بھلا کس کو اذیت میں نہ ڈالے گا؟ وہ حضرتِ انسان جو ,,حضرتِ الٰہ،، کی نگاہوں میں بستے تھے۔ جو محبت کے پھولوں سے پروان چڑھتے تھے۔ جو اپنے اس دوست کے ساتھ، اپنے غم گسار کے ساتھ، ہمہ وقت سایۂ رحمتِ پروردگار میں رہتے تھے۔ جب ایک مکر و فریب اور ریاکاری کی ایک حرکت کی وجہ سے، ایک شیطنت کی کارپردازی کی وجہ سے، جب جنت سے رخصت کا اِذن ہوا تو کتنا اُداس ہوگا آدم، کتنی اُداس ہوں گی ان کی خاتونِ خانہ۔ مگر پروردگار نے ایک چھوٹے سے، بہت چھوٹے سے فقرے میں ان کو حوصلہ بخشا:

"فتلقی ادم من ربہ کلمت فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم" (البقرۃ:۳۷)

(پھر سکھائے گئے آدم کو اس کے رب کی طرف سے کچھ کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی۔)

Unlike Christian theology, کرسچن تھیالوجی کے برعکس جو انسان کو ازلی گنہگار سمجھتے ہیں اور جو سمجھتے ہیں کہ انسان صرف گناہ کا پتلا ہے اور گناہ کرنے کی وجہ سے زمین پر آیا ہے اور گناہ ہی کرتا چلا جائے گا تا آنکہ اس کی نجات ایک ایسے شخص کے ہاتھ سے ہو یعنی حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کے ہاتھ سے کہ ان کی قربانی اور ان کے صلیب پر چڑھ جانے نے پوری امتِ عیسوی کے لیے فلاح و بہبود کا، جنت کا اور واپسی کا راستہ پیدا کیا۔ مگر اسلام ایسے نہیں سمجھتا۔

بنیادی اختلاف مذاہب میں وہاں نہیں پیدا ہوتا کہ جہاں مذاہب ایک دوسرے سے جنگ کرتے ہیں یا لڑتے ہیں۔ بنیادی اختلاف وہاں پیدا ہوتا ہے۔ جہاں پوری کی پوری عمارتِ مذہب ایک ایسے Concept پر چلی جائے جس سے دوسرا مذہب بالکل انکار کر رہا ہو۔ مثال کے طور پر جب پورے کا پورا عیسوی مذہب حضرت عیسٰی علیہ السلام کو مصلوب سمجھے گا اور پھر مصلوب سمجھنے کے بعد ان کی ایک دائمی زندگی کی تردید کرے گا یا حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کو ایک دنیاوی عذاب کی گرفت میں آیا ہوا پیغمبر سمجھے گا اور قرآن کے بالکل برعکس جو ان تمام کیفیات سے مطلق انکار کرتا ہے اور سب سے بڑا مراقبۂ عیسوی جو عیسوی تصوف میں ہے اُسے مراقبۂ صلیب کہتے ہیں کہ جہاں کوئی بھی عیسائی ولی تنہائی میں جا کر ارتکازِ ذات کرتے ہیں اور ارتکاز کرتے ہوئے حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کی اُس حالتِ اذیت کو اپنے اوپر وارد کرتے ہیں اور اس واردات کے دوران ان کے بھی جسم پر کوڑوں کے نشان ابھرتے ہیں اور ان کے گلے میں صلیب کے پھندے کا نشان ہوتا ہے۔ خواتین و حضرات جب ہم قرآن پڑھتے ہیں تو اس افسانے کا سر پیر ہی نہیں ملتا بلکہ اس کے بالکل برعکس خداوند کریم بڑی وضاحت اور بڑے اہتمام سے یہ فرماتے ہیں کہ:

"وما قتلوہ وما صلبوہ" (النسآء:۱۵۷)

(نہ تو عیسیٰ کو قتل کیا گیا نہ صلیب دی گئی۔)

بھلا ہم اپنے پیغمبر کو کیسے ایسی اذیت میں ڈال سکتے تھے؟ اگر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو نہ قتل کیا گیا، نہ صلیب دی گئی تو پھر تمام Fabrications جو اس کے بعد اس قصے کہانی میں Built ہو گئیں وہ بے نام و نشان ہو گئیں۔ اس سے مراد قطعاً کسی کے مذہب میں اعتراض نہیں کرنا ہے بلکہ میں آپ کو صرف یہ بتا رہا ہوں کہ بعض اوقات اتنے دور کے مسالک ہو جاتے ہیں کہ Intellectualy اور ذہنی طور پر ان باتوں پہ کسی قسم کا عقیدہ رکھنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے اور قرآن آخری کتاب اس لیے کہی گئی کہ اگر پچھلی کتابوں میں کچھ تھوڑی بہت رد و بدل ہو گئی ہو:

"ثم یحرفونہ من ۢ بعد ما عقلوہ وھم یعلمون ہ" (البقرۃ: ۷۵)

کہ جانتے بوجھتے ہوئے اگر کسی کتاب میں تحریف ہو گئی ہو یا کتاب اپنے ابتدائی رنگ میں رہ گئی یا نغماتِ داؤد ہیں یا نغماتِ سلیمان ہیں یا صحائفِ موسیٰ و عیسیٰ ہیں، صحائفِ ابراہیم ہیں تو جزوی طور پر تو وہ ضرور سچائی کے حامل ہوں گے۔

مگر خواتین و حضرات! جزوی سچائی کے حامل لوگ بھی جزوی عقل کے مالک ہونے چاہئیں۔ جب تک آپ کی عقل و علم کو بلوغت نصیب نہیں ہے، اگر آپ بچے ہیں، نو عمر ہیں، چھوٹی کلاسوں کے طالب علم ہیں تو آپ کو پی ایچ ڈی کی کتابیں نہیں پڑھائی جا سکتیں۔ معاشرہ جب ترتیب سے پروگریس کرتا ہوا علمی تحقیق سے آگے گزرتا ہے تو ہم معاشرے کو اس طرح پچھلے زمانوں میں نہیں دیکھتے جیسے آج دیکھ رہے ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو پوری عصرِ حاضر کی تحریک ترقی و تمدن صرف سو اور سوا سو سال پرانے ہیں۔ اس سے پہلے تو ایک پہیہ...... ایک گاڑی۔ پورے کا پورا تمدن، چند بڑی اینٹوں سے بنے شاندار اہرام پر مبنی تھا۔ وہاں تو کوئی ایسے شاندار تمدن اور Sky Scrappers نظر نہیں آتے۔ یہ صرف ڈیڑھ، دو سو سال کی تاریخِ تمدنِ انسان ہے، جس میں سائنسز نے حرکت کی ہے اور اگر اسے Exactly Place کر دوں تو میں یہ کہوں گا کہ Reformation اور Renaissance کے بعد یورپ کی تحریکِ علمیہ نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ عین اسی وقت مسلمانوں کے فتح کے غرور نے اور Constentinople کی فتح نے اور وہ جو یلغار تھی سلطان سلیمان ذیشان کی، جس نے یورپ کو ہراساں اور پریشان کر رکھا تھا۔ عین اسی وقت یورپ کی اس پسماندگی اور پژمردگی نے ان کی دو بڑی تعلیمی تحریکات، Renaissance اور Reformation کو جنم دیا۔ تحریک احیائے علوم اور تحریک احیائے مذہب۔ تحریکِ احیائے مذہب کو میں زیادہ explain کرنے کی کوشش کروں گا، آپ حیران ہوں گے کہ تحریکِ احیائے مذہب کا پس منظر اگر آپ دیکھ لیں تو اسے آپ اپنے مذہبی پس منظر سے بڑا ہم آہنگ پائیں گے۔ اس وقت بھی علمائے عیسائیت کی ایک بہت بڑی تعداد جنت کے سرٹیفکیٹ بانٹتی پھرتی تھی اور اتفاق کی بات دیکھئے کہ انہوں نے دو قسم کے سرٹیفکیٹ تیار کیے ہوئے تھے۔ ایک پانچ پونڈ کا، ایک دس پونڈ کا اور وہ کہا کرتے تھے کہ اگر پانچ پونڈ چرچ کو ادا کرو تو آپ کو نچلی جنت کا سرٹیفکیٹ ایشو کر دیتے ہیں اور اگر آپ دس پونڈ ادا کرو تو ہم جنت الفردوس کا ٹکٹ کاٹ دیتے ہیں اور کوئی بھی عیسائی ان سے یہ پوچھنے کی جسارت نہیں کرتا تھا کہ اے جنت کا ٹکٹ بانٹنے والو! کیا آپ بھی کبھی جنت میں جاؤ گے کہ نہیں جاؤ گے۔

خواتین و حضرات! اسی طرح کا ایک واقعہ مجھے لاہور میں پیش آیا کہ ایک میرا طالب علم بیچارہ گھبرایا ہوا آیا اور

کہنے لگا کہ مولوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر آپ ہماری جماعت میں شامل ہو جاؤ تو میں آپ کو ضمانت دیتا ہوں کہ آپ جنت میں داخل کیے جاؤ گے۔ تو اس نے کہا کہ پروفیسر صاحب یہ بات سچ ہے؟ میں نے کہا کہ آپ کاغذ لے جاؤ اور ان سے صرف یہ لکھوا لو کہ کیا وہ جنت میں داخل ہوں گے کہ نہیں ہوں گے۔ تمہاری تو بعد کی بات ہے۔ تو یہ اس قسم کے پس منظر میں وہ تحریکات اٹھیں اور اس قسم کے Rigid مذہب کے تصور کے خلاف ہمیشہ احتجاج اٹھتے چلے آئے ہیں اور آپ یقین کرو کہ یورپ کے اس احتجاج کا نام ہی Protestant Religion پڑ گیا۔ Roman Catholicism کی ان حرکات کے خلاف جن لوگوں نے احتجاج کیا ان کو Protestant کہتے تھے اور نئے مذہب کی تخلیق ہی Protestant Religion کی تخلیق کہلائی۔ مگر جیسے ہمیشہ ہوتا ہے کہ protest کرنے والے بڑی دور تک نکل جاتے ہیں تو Protest کرنے والے ساتھ میں اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے اپنے سر منڈا لیے اور فقر و فاقہ کرنے لگے اور انتہائی سختی سے عمل پذیر ہوئے اور اتنے Rigid ہو گئے کہ انہی Christian نئے لوگوں میں سے ایک گروہ پیدا ہوا جنہیں ہم Calvinist کہتے ہیں یعنی گنجے سر والے پادری۔ اتنے Rigid! اللہ بہتر جانتا ہے، میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ اچھے بھلے خوبصورت بالوں والے جوان آج کل سر منڈا رہے ہیں، تو مجھے Calvinist کا دور یاد آ جاتا ہے۔ حالانکہ مذہب اسلام میں بال ہمیشہ خوبصورتی کا Symbol رہے۔ اتنی بڑی خوبصورتی کہ اللہ نے کہا کہ بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ نمازوں میں نہ جایا کرو۔ تمہارے الجھے ہوئے بال ہمیں پسند نہیں ہیں۔ اگر ہم نے تمہیں زینت بخشی ہے، خوبصورتی بخشی ہے تو نمازوں میں زینت کے ساتھ جایا کرو۔ بالوں کو سنوار کے جایا کرو۔ کنگھی پٹی کر کے جایا کرو........

دیکھئے ایک طرف تو اسلام کا ایک Aesthetic پہلو ہے کہ جو نہ تو حسنِ صوت کو چھوڑتا ہے، نہ حسنِ صورت کو چھوڑتا ہے نہ حسنِ انداز کو چھوڑتا ہے نہ حسنِ اخلاق کو چھوڑتا ہے۔ تو اس مذہب میں Rigidity کہاں سے آ سکتی ہے؟ آپ قرآن کو پڑھنے لگو تو اللہ میاں کہے گا دیکھو! یہ بے ڈھنگے پن سے بانکوتانکو نہیں بلکہ ترتیل کے ساتھ ترتیب کے ساتھ قرآن حکیم پڑھا کرو اور حدیث میں ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ اپنے وقت کے پیغمبر کا قرآن پڑھنا پسند ہے اور اس کے بعد وہ لوگ جو قرآن کو سنوار کر پڑھتے ہیں اور قرآن کو سنوار کر پڑھنے کی ایک جو بہت بڑی حدیث ہمارے پاس ہے، حضرت سیدنا اسید بن حضیرؓ کی کہ! ''حضرت اُسیدؓ'' اتنے اچھے قاری تھے، اتنی خوبصورت آواز سے قرآن پڑھتے تھے کہ ایک دفعہ گھوڑا پاس کھڑا تھا اور بچہ ساتھ لیٹا ہوا تھا اور آپ تلاوتِ قرآن پاک فرما رہے تھے تو دیکھا کہ بادل جھک آئے ہیں تو گھوڑا بدکا اور اس خیال سے کہ بچے کو زخمی نہ کر دے، حضرت اسیدؓ نے تلاوت بند کر دی اور صبح حضورِ گرامی مرتبت کے پاس حاضر ہوئے اور کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رات میرے ساتھ بڑا عجیب واقعہ پیش آیا کہ میں تلاوت کر رہا تھا تو بادل جھک پڑے اور ان میں روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں اور میں اس ڈر سے کہ ان کے بہت قریب آنے سے گھوڑا بدک کر بچے کو زخمی نہ کر دے، تو میں نے تلاوت ترک کر دی۔ تو فرمایا، ''اسید! یہ ملائکہ تھے جو تیری تلاوت کی خوبی کی وجہ سے زمین پر اتر آئے تھے اور اگر خدا کی قسم! تو تلاوت کرتا رہتا تو وہ بادلوں سے نکل کر تجھ سے مصافحہ کرتے۔''

خواتین و حضرات! یہ اعتقاد کی باتیں نہیں ہیں۔ ملائکہ اعتقاد کی باتیں نہیں ہیں۔ جنات اعتقاد کی باتیں نہیں ہیں۔ انسان جب کسی احمقانہ طرزِ فکر سے آشنا ہو جائے اور انسان جب بزعمِ خود ایک Intellectual Capacity سے

آشنا ہو جائے تو اس کو مترادت پیش ہوتے ہیں، سب سے بڑا تردد جو اس کو پیش ہوتا ہے کہ Unscientific باتوں کو وہ کیسے Scientific مان لے؟ وہ کیسے ملک مان لے؟ کیسے جن مان لے؟ اس کو یہ پریشانی ہے کہ میرے پاس ان کے Scientific حقائق موجود نہیں ہیں۔

خواتین وحضرات! اگر آپ غور کیجیے تو انسان جو اتنا نازاں ہے اپنے سائنسی علوم پر، اگر آپ آج ذرا بھی غور کریں تو آپ کو احساس ہو کہ انسان کے پاس زمین کی موجودات کا کتنا علم ہے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ زمین پر ایک بلین Species یا جنس کی مختلف مخلوقات موجود ہیں، اور سب سے بڑے Intelectual سے اگر پوچھ لیا جائے کہ تجھے کتنی مخلوقات کے نام آتے ہیں تو بڑی مشکل پڑے گی تیس چالیس سے آگے بڑھنے میں۔ سارے اندازے شکست ہو جائیں گے، لاعلمی واضح ہو جائے گی اور کم علمیت اپنا ڈھنڈورا پیٹ دے گی۔ تو ایسی معلومات جو اتنی مختصر ہوں اُس ربِ کریم کی تخلیقات کے مقابلے میں، اگر وہ ایک چھوٹی سی زمین میں، ایسے کیمپ میں جس کو وہ مستقل سیارہ اور ستارہ بھی نہیں کہتا۔ وہ تو کہتا ہے کہ ایک چھوٹا سا کیمپ میں نے لگایا ہے۔ اس میں تمہیں قید کیا گیا ہے۔ تمہارے لیے غیر معمولی Circumstances پیدا کیے گئے ہیں۔ یہ اس سے باہر کہیں نہیں ہے۔ ذرا اوپر چلے جاؤ تو قوانینِ خلا بدل جاتے ہیں۔ اس سے اوپر جاؤ گے تو Galaxies میں تم Exist نہیں کر سکتے ہو۔ ایک لاکھ میل سورج اِدھر آ جائے تو تمہارا وجود نہیں ہے۔ پرے چلا جائے تو تم Freeze ہو جاؤ گے۔ یہ خصوصی Conditions پیدا کی گئی ہیں۔ ایک چھوٹا سا کیمپ بنایا گیا ہے۔ اس کیمپ میں تمہارا کوئی مستقل قیام نہیں ہے۔ یہ جنت نہیں ہے، یہ دوزخ نہیں ہے:

"مستقر ومتاع الی حین" (البقرۃ ۲:۳٦)

(ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے۔)

اس میں تمہارا تھوڑا سا فائدہ ہے۔ اس لیے کہ میں تمہیں نامزد کر بیٹھا ہوں: خلیفۃ اللہ فی الارض۔ ایسا خلیفۃ اللہ جو زمین پر پہنچے گا۔ جس کی سیادت کی اہلیت زمین پر نمایاں ہو گی۔ زمین آپ کی خلافت کا گھر نہیں ہے۔ آپ کی خلافت کا Training House ضرور ہے۔ مگر یہ آپ کی خلافت کا مقام نہیں ہے۔ ایسی دنیا آپ کی خلافت کا مقام کیسے ہو سکتی ہے جس کو پروردگار کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

"الدنیا سجن المؤمن"

(یہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔)

بھلا قید خانہ بھی کوئی سلطنت ہو سکتی ہے؟ بھلا قید خانہ بھی کوئی عزت کا مقام ہو سکتا ہے؟

لو! سنی گئی ہماری یوں پھرے ہیں دن کہ پھر سے
وہی گوشۂ قفس ہے وہی فصلِ گل کا ماتم

جشنِ بہاراں کے موقع پر یہ شعر سوٹ تو نہیں کرتا مگر خیر بہرحال ...... تو میں عرض کر رہا ہوں کہ کیا اس قید خانے کو بھی کوئی اپنے لیے مقامِ فرحت سمجھ سکتا ہے؟ یہ مقامِ استہزا تو ہو سکتا ہے، مقامِ مسرت نہیں ہو سکتا۔ اس دنیا کو جس کے بارے میں قرآن وضاحت سے کہتا ہے اور صاحبِ قرآن وضاحت سے کہتا ہے۔

"متاع الدنیا قلیل" (النساء: ۷۷)

(دنیا کا برتنا تو تھوڑا ہے۔)

انگریزی کے الفاظ Few اور A few میں سے Few ۔ A few بھی نہیں، یہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کا وجود Billions years of galaxial life میں Nominal بھی نہیں ہے۔ جہاں پندرہ ارب سال کی کائنات چل رہی ہو، جہاں ایک ایک سیارہ کم از کم پندرہ پندرہ کھرب نوری سالوں کے فاصلے پر واقع ہو وہاں اس پینسٹھ، پچھتر سال کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے، ایک وقفۂ حیات ہے۔

زندگی اک سفر کا وقفہ ہے
اور آگے چلیں گے دم لے کر

اور پھر اللہ نے کہا:

"انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو" (محمد: ۳۶)

(دنیا کی زندگی تو بس کھیل کود ہے۔)

یہاں ہر کیفیت، کیفیتِ سراب ہے۔ یہاں ہر کیفیت Nominal ہے۔ یہاں کسی بھی کیفیت میں Permanence نہیں ہے۔ نہ اس کی خوشی Permanent ہے، نہ اس کا غم Permanent ہے، نہ غمِ جاناں مستقل ہے، نہ غمِ دوراں مستقل ہے، نہ جشنِ بہاراں مستقل ہے نہ المیۂ خزاں مستقل ہے۔ ایسی ناپائیدار دنیا میں تم پائیداری کہاں سے ڈھونڈ رہے ہو۔

اقبال بیچارے نے بڑی آزردگی سے کہا تھا:

؎ کیا عشق پائیدار سے ناپائیدار کا!

ہم خود ناپائیدار۔ دنیا ناپائیدار۔ ایک متزلزل کیفیتِ اضمحلال صبح و شام اس کائنات پہ جاری ہے۔ اس مختصر سے خطے پہ جاری ہے جس میں حضرتِ انسان کتنی بلوغتِ فکر سے اپنے آپ کو حاکمیتِ اعلیٰ کی منازل پہ Declare کر رہا ہے۔ کیا فراڈ ہے جو انسان اپنے ساتھ کر رہا ہے۔ کیا المیہ ہے کہ اپنے حقیقتِ کار کو نہیں جانتا۔ المیہ ہے کہ فریضۂ وقت کو نہیں جانتا۔ زیاں کار اتنا ہے کہ اپنے نفع کو نہیں جانتا۔ تو خدا نے ٹھیک کہا:

"انہ کان ظلوما جھولا" (الاحزاب: ۷۲)

(بے شک وہ ظالم ہے۔ جاہل ہے۔)

بے شک انسان امانتِ علیہ کو حاصل کرنے کے بعد بھی اپنا کارِ منصبی سرانجام نہیں دے سکا۔ اس وقت کیا جلدی تھی؟ لپک رہے تھے، پہاڑ پیچھے ہٹ رہے تھے، شجر و حجر بھاگ رہے تھے، امانتِ علیہ کو اٹھانے سے۔ مگر حضرتِ انسان کو عجلت پڑی تھی:

"وحملھا الانسان......" (الاحزاب: ۷۲)

(اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔)

جب امانت پیش کی گئی۔ بوجھ اٹھانے کے لیے کہا گیا تو زندگی کی ہر تخلیق گریزاں ہوئی اس امانت سے۔ اس امانت کے خطرات تو واضح تھے۔ اگر ایک طرف یہ فرما رہا تھا:

”واذقال ربک للملئکة انی جاعل' فی الارض خلیفة“ (البقرہ:۳۰)

(جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔)

تو اس لفظ کے ’’بھرّے‘‘ میں تو آ گیا انسان، مگر جو جہنم کے سات در کھلے ہوئے تھے، وہ نہ دیکھے اس نے۔ اتنی جلدی پڑی تھی اسے اختیارِ کار حاصل کرنے کی، خلافتِ ارضی حاصل کرنے کی اور خلافتِ سماوات حاصل کرنے کی کہ He has overestimated himself. اپنی استعدادِ کار کو Over Estimate کر گیا اور منزلِ تفکر کو Under Estimate کر گیا۔ یہ غلطی تو اب بھی جاری ہے۔

خواتین و حضرات! لگے ہاتھوں میں آپ کو جہاد کا ایک نیا مفہوم دینے کی کوشش کروں گا۔ وہ جہاد جو ازل سے انسان کی فطرت میں جاری ہے۔ وہ جہاد جو میثاق کے دن سے انسان کو عطا کیا گیا ہے۔ جہاد کبھی بھی Equal Powers میں نہیں ہوتا۔ غالب قوتوں میں جہاد نہیں ہوتا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ غزوہ حنین میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جب مسلمانوں نے اپنی تعداد دیکھی تو ایک صحابی نے کہا ”پہلے ہم کم تھے تو غالب آیا کرتے تھے۔ آج تو ہم بہت زیادہ ہیں۔“ یعنی پہلی دفعہ وہ اپنے آپ کو دشمنوں سے زیادہ دیکھ رہے تھے اور ساتھ ہی اللہ نے ہزیمت وارد کر دی اور ایک انتہائی بری شکست کے آثار پیدا ہو گئے حتیٰ کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس جنگ میں موجود نہ ہوتے اور اگر اللہ کی تائید و نصرت اپنے پیغمبر کے پا بہ گیر نہ ہوتی تو شاید اس جنگ میں بھی بہت برے نتائج ہوتے۔ مگر یہ محض اس وجہ سے ہوا کہ ایک تفاخر، ایک ایسا تفاخر جو خدا کے بغیر تھا۔ جو صرف اپنے اسباب کی کثرت پہ Built ہوا۔ تو اسباب کی کثرت پہ کبھی جہاد نہیں ہوتا۔ خواتین و حضرات! جب اسباب کم ہو جائیں اور جب اسباب نہ رہیں اور جب اسباب آپ کو اتنے حقیر نظر آ جائیں کہ دشمن کے اسباب آپ کو کثیر نظر آنے شروع ہو جائیں۔ جب آپ اپنے آپ کو زیر دست دیکھیں اور دشمن کو زبردست دیکھیں۔ جب اپنے آپ کو حقیر پائیں اور دشمن کو آسمان گیر پائیں تو اگر پھر اسباب سے منقطع ہو کر آپ یہ کہیں کہ اے پروردگار! ایسا تو کوئی سبب نہیں ہے کہ میں اپنے دشمن پہ غالب آ جاؤں سوائے اس کے کہ ”لا مولی لھم“ اور تو میرا مولا ہے۔

تو جہاد میں ترجیحِ اول کا انتخاب اشد لازمی اور ضروری ہے اور بغیر ترجیحِ اول کی تصدیق کے جہاد کبھی بھی Accomplishment کو نہیں پہنچ سکتا۔ جہاد نہ جذبۂ جنوں کا نام ہے۔ نہ جہاد جذبۂ تسخیر کا نام ہے۔ جہاد نہ Defence ہے نہ Offence ہے۔ جہاد اسباب کے تغیر سے منقطع ہو کر صاحبِ اسباب کو رجعت کا نام ہے اور جب صاحبِ اسباب کو رجعت نہ ہوگی اور جب آپ جان بوجھ کر اپنی کمی کے اسباب سے منقطع ہو کر فتح و نصرت صرف اللہ سے طلب نہ کریں گے تو اس کو جہاد نہیں کہا جا سکتا۔ کیا یہ Conditions پہلے نہیں آئیں۔ کیا قرآن اس بات کو درج نہیں کرتا: ”ام حسبتم ان تدخلو الجنة“ (تم تو گمان کرتے ہو کہ ٹھنڈے ٹھنڈے باغِ فردوس کی سیروں کو چلے جاؤ گے (This is not the Mall of Lahore)

”ام حسبتم ان تدخلو الجنة ولمآ یاتکم مثل الذین خلو من قبلکم مستھم الباسآءُ والضرآءُ

وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنو معه متی نصر الله" (البقرہ:۲۱۴)

کیا تم سے پہلی قوموں پہ یہ وقت نہیں آئے۔ اے بزدلانِ عصرِ حاضر! کیا ہم نے ان کو مصائب سے نہیں چھوا۔ ضرر سے نہیں چھوا۔ بیماریوں میں نہیں ڈالے گئے۔ آفات و بلا سے کیا وہ گریزاں رہے۔ کیا کوئی ایسی امت پروردگار بھی گزری ہے کہ جس کو ہم نے نازوں سے، سونے کے چمچوں سے پالا اور سونے کے تابوتوں میں دفن کیا۔ ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا۔ بلکہ تم سے پہلی قوموں کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ ان کو جنگوں کی سختیوں نے چھوا۔ متعدد قسم کے ضرر ان پر ڈالے گئے۔ وہ زلزلوں کے جھٹکوں میں آئے۔ ان کی کائنات تہہ و بالا کی گئی اور اس درجہ تہہ و بالا کی گئی کہ امید کی کوئی رمق سینوں میں باقی نہ رہی۔ نہ صرف وہ بلکہ پیغمبر، جو ثابت قدم اور صابر ترین لوگ ہوتے ہیں وہ بھی اپنی امت کا یہ حال دیکھ کر پکار اٹھے: "متی نصر اللہ" (اللہ کی مدد کب آئے گی)۔ جب اس عالم میں فرد امت چلا جائے، Just اس حالت میں امت چلی جائے تو پھر جہاد توقع، امید، خدا سے آرزو کا نام ہے۔

"الا ان نصر الله قریب (البقرہ:۲۱۴)

بلاشبہ اللہ کی نصرت عین اسی وقت آپ کے پاس آتی ہے۔ مصائب آتے کیوں ہیں؟ کیا اس لیے آتے ہیں کہ آپ کو اذیت دیں۔ کیا خدا اذیت پسند ہے؟ کیا وہ کوئی Psychotic ہے، کوئی Sadest اللہ ہے، کوئی Masochist ہے کہ اپنے آپ کو اذیت دیتا ہے لوگوں کے انکار کے ساتھ۔ بن کے بیٹھا ہے خدا.... طاقت ہے کہ زبردستی قبولیت حاصل کرے۔ پھر بھی اپنے آپ کو دکھ دیتا ہے لوگوں کے انکار کے ساتھ۔ Do you think God is a kind of masochist. کیا وہ اذیت پسند ہے؟ کیا وہ آپ لوگوں کو اس لیے اذیت دیتا ہے کہ بغیر مار پیٹ کے آپ سمجھ نہیں سکتے ہو۔ کیا حسنِ اخلاقیت، شناختِ پروردگار اور حسنِ معاملہ کی کوئی حس انسان میں باقی نہیں ہے کہ وہ غور و فکر سے کام لیکر واحدانیت کا اقرار کرے۔ اللہ کی طرف لپکے جیسے کوئی بچہ بچھڑی ہوئی ماں کی طرف لپکتا ہے۔ ایسی کوئی بات اللہ میں نہیں ہے۔ یہ تمام مصائب، تکالیف جنت کے لیے ہیں۔ درجات کے لیے ہیں۔ ایک فرد کے مراتبِ فکر متعین کرنے کے لیے ہیں تا کہ لوگ مختلف مراحلِ فکر سے گزریں، تا کہ ان کے Intellectual Calibres متعین ہوں۔

اگر ایک صرف Physicals میں رہ جاتا ہے تو ایک Meta Physicals کو جائے، اگر ایک صرف سادہ مولوی ہے تو ایک آگے بڑھتا ہوا عرفانِ ذاتِ خداوند کو بڑھے۔ اگر ایک پروفیسر احمد رفیق ہے تو شاید کل کو ان میں سے کوئی شیخ عبدالقادر جیلانؒی نکل آئے۔ یہ سب تلاش کے درجات متعین کرنے کے لیے ہے۔ یہ خیال کے رہتے ہیں اور یہ پروردگار نے بڑی وضاحت سے کہا کہ میں عبادات پر مراتب کا انحصار نہیں رکھتا:

"نرفع درجٰتٍ من نشآءُ"

(جس کے چاہتا ہوں درجے بلند کرتا ہوں۔)

"وفوق کل ذی علم علیم" (یوسف:۷۶)

(اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔)

اور کسی کو علم اذیت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ علم آسان نہیں۔ علم کوفت میں ہے۔ جہلتوں کی تسخیر میں ہے۔

نفس کے خلاف جد و جہد میں ہے۔ یہ جہادِ باطن میں ہے۔ جہادِ ظاہر میں ہے۔ اس کے بغیر علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ ”ولنبلونکم بشیء من الخوف“ بلاشبہ ہم تمہیں آزمائیں گے خوف کے ساتھ۔ اذیتیں دیں گے۔ تھوڑا سا پرکھیں گے۔ جاننے کی کوشش کریں گے کہ تم کہاں تک اس پرکھ کے اہل ہوتے ہو۔ ”والجوع“ (بھوک کے ساتھ) ”ونقص من الاموال“ (اموال کے نقصان کے ساتھ) ”والانفس“ (اور کیفیتِ ذات کے ساتھ) ”والثمرات“ کسی کے بچے لیں گے۔ کسی کا باپ لیں گے۔ کسی کی ماں لیں گے۔ کسی کی بہن لیں گے۔ ”وبشر الصابرین“ (البقرۃ:۱۵۵) اور یہ بھی کہا کہ ان کو ہماری طرف سے مبارک باد دو۔ بشارت دو۔ سزا نہیں کہا۔ یہ نہیں کہ خالی چھوڑ دے گا تمہیں ان مراحلِ فکر کے بعد۔ بلکہ کہا۔ ہماری طرف سے ان کو بشارت دو۔ ”الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالو انا للہ وانا الیہ راجعون“ (البقرہ:۱۵۶) جب تلخی آئی، جب مصیبت آئی، جب درد و رنج پہنچا، جب کرب و ابتلاء کے مراحل سے دل گزرا تو انسان کے دل نے ایک سبق حاصل کیا کہ نہ یہ کسی تعویذ کی وجہ سے ہے، نہ جادو کی وجہ سے ہے، نہ سازش کی وجہ سے ہے، نہ دشمن کی وجہ سے ہے۔ ہر مصیبت اور ہر بلا میرے رب کی طرف سے ہے اور اسی کی طرف پلٹ جائے گی اور جو علم کی اس معراج تک پہنچا، جو علم کے اس مسلک تک پہنچا، جس نے ہر دکھ، کرب، بلا اور اذیت میں صرف اتنی بات کہہ دی کہ اے پروردگار یہ مصائب کسی اور جانب سے نہیں ہیں۔ سب تیری جانب سے میرے علم کے اضافے کے لیے ہیں۔ میرے صبر کے لیے ہیں اور میں یہی بات کہوں گا۔ ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ اور جس نے ایسا کہا اس کو پروگار کہتا ہے۔ ”اولئک علیھم صلوت من ربھم ورحمۃ“ (میری طرف سے ان پر درود و سلام اور رحمت ہو۔) یہ کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں۔ میری طرف سے ان لوگوں پر درود و سلام اور رحمت ہو۔

”واولئک ھم المھتدون“ (البقرہ:۱۵۷)

اور یہ میرے پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ یہ میرے Intellectuals ہیں۔ یہ میرے وہ دانش ور ہیں جنہوں نے زندگی کے اسباب، غرض و غائت، اس کی Nature اور معاملات کو سوچا، سمجھا اور پرکھا اور وہ قائل ہوئے اس بات کے:

”وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور“ (ال عمران:۱۸۵)

(اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا مال ہے۔)

کہ دنیا میں غرور کے سوا ہے کیا؟ دنیا سراب ہے۔ سراب دنیا کے سوا ہے کیا؟ عرفی شیرازی کا بڑا خوبصورت شعر ہے۔ تھوڑا سا اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس نے ایک عقل مند کی مثال دی کہ صحرا کے سفر میں اس نے سراب دیکھا تو سراب دیکھ کے وہ چلا اٹھا کہ میں اتنا نادان نہیں ہوں کہ میں اس سراب کو پانی سمجھ لوں۔ میں اتنا ذہین ضرور ہوں کہ یہ فرق کر سکوں کہ یہ پانی نہیں ہے۔ تو عرفی شیرازی اس پہ طنز کرتا ہے:

زِ نقصِ تشنہ لبی داں بہ عقلِ خویش مناز

ارے بے وقوف! اپنی عقل پہ ناز کرتا ہے۔ یہ تو تیری پیاس کا المیہ ہے۔ یہ تو تیری پیاس کا نقص ہے۔ اگر تجھے پیاس شدید گی ہوتی تو یہ تجھے پانی نظر آتا سراب نہ نظر آتا۔

زِ نقصِ تشنہ لبی داں بہ عقلِ خویش مناز

دلت فریب گراز جلوۂ سراب نخورد

اگر تیرے دل نے سراب کا فریب نہیں کھایا، تو اپنی عقل پہ ناز نہ کر بلکہ اپنی پیاس کا نقص سمجھ۔ جو تلاشِ خداوند میں نکلا ہی نہیں اس کے پاس اعتراض کے سوا ہو کیا سکتا ہے۔ جس کو کبھی آرزو نہیں ہوئی ہمسائیگی پروردگار کی، جس کو کبھی خیال ہی نہیں آیا طبیعات سے مابعدالطبیعات کو پڑھنے کا۔ نفسیات سے بالائے نفسیات کو جانے کا۔ حواس ظاہرہ سے حواس باطنیہ کو دیکھنے کا شوق ہی پیدا نہیں ہوا، اس نے کیا Intellectualism پانا ہے۔ عقل تو وہاں تک ہے جتنا آپ مطمحِ نظر اس کو دیتے ہیں۔ عقل کی بھی ایک نظر ہوتی ہے۔ اُس کا ایک Vision ہے۔ اس کا ایک دائرۂ فکر و کار ہے۔ عقل کو بھی ایک Sensor چاہیے جو اس کے لیے ایک Vision مقرر کرے۔ جب اس کی سکرین پر خدا کا نام و نشان ہی نہیں ہے، جب اس کی سکرین پر بالائے طبیعات کوئی شے نہیں، جب اس کی سکرین پر صرف پیسہ لکھا ہوا ہے، جب اس سکرین پر صرف Status لکھا ہے، وجاہتِ دنیا لکھی ہوئی ہے، سرابِ حیات لکھا ہوا ہے، غرورِ زندگی، Vanity Fair لکھا ہوا ہے، تو اس عقل نے خدا کو کیا پڑھنا ہے۔

علم کے تین مقاصد تھے۔ علم کا ایک مقصد تھا Facility of life سہولتِ دنیا، Friction کم کرنا، علم کی مدد سے زندگی آسان کرنا۔ ایک علم کا مقصد تھا۔ تحقیق و جستجو۔ علم بذاتِ خود ایک بڑی خوبصورتی ہے۔ شائستگی ہے۔ علم بذاتِ خود ایک مطمحِ نظر ہے۔

Socrates کو دیکھو! بڑا عالم تھا۔ بڑا دانشور تھا۔ تحصیلِ علم میں یونانی کہاں سے کہاں نہیں گئے۔ آج بھی ان کے ناموں سے کتابِ علم مزین رہتی ہے۔ Socrates ہے۔ افلاطون ہے۔ ارسطو ہے۔ بابائے علم و دانش سمجھے جاتے ہیں، مگر کیا عقل ہوگی ان لوگوں کی جن کے وجدان بالائے حقائق نہیں گئے۔ کیا ترفع تھا کہ اپنے آپ کو ایک عقل مند اور دانش مند انسان کہلوا لینا ہی ان کی منزلِ آخر بن گئی۔ کون سا یورپ کا ایسا فلاسفر ہے۔ کیا ہیگل ہے؟ برگسان ہے؟ کانٹ ہے؟ نطشے ہے؟ نشطے ہے؟ رسل ہے؟ کبھی آ کے کسی نے آپ سے کہا کہ لوگو! ہم نے خدا کی تلاش کی ہے۔ خدا نہیں ملا۔ کسی نے آپ سے کہا کہ میں نے دس برس دیے ہیں اللہ کی تلاش کو مجھے اللہ نہیں ملا؟ کوئی ایسا شخص، جس نے اپنی زندگی کی بیشتر استعداد اللہ کے حوالے سے کی ہو؟ ایسا نہیں ہوا۔ یہ وہ دانشور ہیں جنہوں نے اپنے اپنے معاشرتی ماحول میں اپنے اپنے معاشرتی مسائل پر غور و خوض کیا۔ انہوں نے اپنے اپنے علمی مسائل پر غور و خوض کیا اور اس کے بعد اُن کے حل لے کر آپ کے پاس آئے۔ کوئی جدلیات سے مادیت لے کر آیا، کوئی Sementics کے فلسفے لے کر آیا۔ انہوں نے معاشرۂ انسان کے جملہ مسائل کو دیکھتے ہوئے ان کے حل، ذہنی حل، پیش کیے انہوں نے نہ خدا کو تلاش کیا، نہ انہیں خدا ملا۔ خدا تو اس نے تلاش کیا۔ بایزید بسطامیؒ نے تلاش کیا کہ جس نے کہا:

’’میں نے چالیس برس خدا کو تلاش کیا جب میں نے اسے پایا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے میری تلاش میں تھا۔‘‘

آج تک تمام صوفیا حضرات کا محاورہ ایک، انداز ایک، علمیت ایک، ان میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ قطعاً کوئی ابہام نہیں ہے۔ جو رستہ ایک نے چنا، وہی رستہ دوسرے نے چنا۔ اگر تمام علمیت کی راہیں متعین ہیں تو خدا کی راہ کیسے غیر

متعین ہو سکتی ہے۔ اگر آج Christian کو اللہ نہیں ملتا، اگر آج Budhist کو اللہ نہیں ملتا، ہندو کو اللہ نہیں ملتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے ہی وہ رستے بند کر دیے ہیں۔ خدا کہتا ہے کہ دیکھو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ کسی مذہب والے کو رد کرو۔ ''لا اکراہ فی الدین'' (دین میں کوئی جبر نہیں۔) اگر تم ان کے ساتھ دین کے رشتوں میں نہیں بندھے ہوئے تو اس سے بھی بڑا ایک رشتہ ہے جس سے تم ان کا احترام کر سکتے ہو۔ تم بنی آدم ہو، انسانیت کا رشتہ ہے، ایک Christian سے بھی تم حسنِ اخلاق سے پیش آ سکتے ہو۔ تمہارے اور ہندو کے بیچ بھی ایک حسنِ اخلاق کا رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔ مگر تلاشِ خدا میں اگر کوئی انسان چلے گا تو بغیرِ اسلام اس تک نہیں پہنچ پائے گا:

''ان الدین عند الله الاسلام'' (آل عمران: ۱۹)

(اس لیے کہ مجھ تک پہنچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اسلام۔) نہ صرف یہاں کہا۔ یہاں تو کہا کہ مجھ تک پہنچنے کا صرف ایک راستہ اسلام ہے اور دوسری جگہ کہا کہ اسلام کے سوا میں تمہیں کسی اور رستے سے نہیں ملوں گا:

''ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ'' (آل عمران: ۸۵)

(یہ بات اچھی طرح سن لو کہ تم میرے پاس اسلام کے سوا کسی رستے سے چل کر آئے تو میں قبول ہی نہیں کروں گا) اور یہ جائز ہے، نا قبولیت......

افسانہ دنیا افسانہ دوستی ہے۔ رسم و رواج کا افسانہ نہیں ہے۔ یہ بڑا خوبصورت افسانہ ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ پروردگار کو چھوٹے موٹے قصوں سے بڑا انس ہے۔ کہیں پہ قصۂ یوسف پیش کر دیا۔ کہیں کوئی اور۔ داستانِ مدین سنا دی آپ کو۔ ایسے لگتا ہے کہ پروردگار کے سامنے صحراؤں میں اڑتی ہوئی ریگزار کے ایک ایک ذرے میں ایک کہانی چھپی ہوئی ہے۔ خدا بھی بہت بڑے داستان گو کی طرح ہے۔ جس نے داستانیں تخلیق کیں اور بنائیں۔ وہ خلاق ذہن ہے: ''ھو الله الخالق الباریٔ المصور'' (الحشر: ۲۴) اس نے مدین کی Situation تخلیق کی۔ اس نے اہرامِ مصر کے سائے میں فراعنہ مصر کی سلطنت کو تباہ کرنے کے لیے ایک حقیر اور بڑے کمزور انسان کو تخلیق کیا' اس انسان کو کہ جو فرعون کے دربار میں بھی جانے سے ڈر رہا ہے:

''اے پروردگار! کہاں بھیج رہے ہو، میں نے ان کا قتل کیا ہے یہ تو مجھے مار دیں گے۔''

کہا۔ ''اے موسیٰ! کیا میں تیرے ساتھ نہیں ہوں؟'' (الشعراء: ۱۳، ۱۴، ۱۵)

میں تو، جو کائنات تخلیق کرنے والا ہوں۔ میں تو، جو تیری داستان رہتی دنیا تک سناؤں گا کہ کیسے ایک فرد نے، ایک Single Individual نے، نہ تو کوئی پارٹی بنائی، نہ تو کوئی Revolution Create کیا۔ اس کی قوم کو ایسا واہیات کہا، جس نے کہا ''اے موسیٰ! جا اکیلا۔ ہمیں کیوں مرواتا ہے۔ اچھے بھلے دال سبزیاں کھا رہے تھے۔ لو جی! اٹھا کر صحرا میں پھنکوا دیا۔ تو پیغمبر ہے یا کہ ہمارا دشمن ہے۔'' اتنی حجت باز قوم تھی کہ موسیٰ پکار اٹھے:

''اعوذ بالله ان اکون من الجھلین'' (البقرۃ: ۶۷)

(اے پروردگار میں ان جاہلوں سے بڑا بیزار ہوں۔)

یہ سمجھنے کو ہی نہیں آتے۔ یہ تو وہ Theme ہی نہیں جانتے۔ میرے سوا اے پروردگار! مجھے چند ایک ایسے

بندے دے کہ جو میری طرح تجھ کو چاہتے ہوں، پہنچانتے ہوں، مانتے ہوں، تب اللہ نے کرم فرمایا اور چالیس سال کے بعد ''حضرت کالبؑ اور یوشع بن نونؑ'' کو ان کے حوالے کر دیا کہ چل یہ چھوٹے چھوٹے بچے آگے بڑھ کر تیری پیغمبری کی لاج رکھ لیں گے۔ افسوس کہ نوحؑ کو دو چار بھی نصیب نہ ہوئے اور کسی پیغمبر کو تو ایک بھی نصیب نہ ہوا اور قیامت کے دن بعض پیغمبر ایسے بھی آئیں گے کہ صرف ایک امتی ہو گا۔ اس کے برعکس جب رسول اللہ ﷺ کی امت جا رہی ہو گی تو موسیٰ رو پڑیں گے۔ پوچھا بھئی آپ کیوں روتے ہو۔ فرمایا میں بڑی دیر تک اپنی قوم میں رہا ہوں، بڑی باتیں ان کو سمجھائی ہیں، بہت زور لگایا تیری تسلیم کے لیے مگر ان کم بختوں کو میں وحدانیت سکھا کے نکلا۔ یہ حمص کے مندروں میں گئو شالہ بنا کر بیٹھ گئے۔ اے پروردگار! یہ نوجوان میرے بعد میں آیا لیکن اس کی امت میری امت سے ہزاروں گنا زیادہ ہے۔

The only difference that makes in your mind is : کہ کیا آپ اپنے اس دنیوی رطب و یابس سے کچھ وقت بچا کے، ہٹا کے، غور و فکر کے حوالے کر سکتے ہیں۔ آپ بڑی بحث کرتے ہو ماشاءاللہ بڑے دلائل۔ مگر کس لیے؟ کیا تنقید اپنی ذات سے باہر ہی تنقید ہوتی ہے؟ جو تنقید باہر جا رہی ہو اس کو ہم جہاد نہیں کہتے۔ جو تنقید اندر جا رہی ہو اس کو ہم جہاد کہتے ہیں۔ جو خیال آپ کو اپنی خامی کا آ رہا ہے تو سمجھیں آپ نے دشمن Detect کر لیا ہے۔ جب اس کے خلاف جنگ کرو گے تو آپ کا جہاد ہو گا۔ لیکن جہاد اندر ہو یا باہر۔ پہاڑ پر ہو یا میدان میں یا فضائے بسیط میں ہو، جہاد کے لیے سب سے بنیادی شق یہ ہے کہ کم سنی میں صاحبِ اسباب کو اپنا ساتھی سمجھنا اور پھر اسے اپنی جان بھی پیش کر دینا اور چوائس اس پر چھوڑ دینا کہ وہ آپ کو شہادت عطا کرتا ہے کہ غازی بناتا ہے۔ یہ اصلی جہاد ہے۔ جہاد Individual ہوتا ہے۔ بھری مجلس ہو اور لاکھوں کی فوج ہو تو ہو سکتا ہے کہ مجاہد صرف ایک نکلے۔ کہ جس چیز کا دارومدار آپ کی نیت اور آپ کے ایمان پر چلا گیا اس کا علم کسی خارجی بندے کو نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقت صرف اللہ کو پتہ ہو گی اور اللہ ہی کے ہاں محفوظ ہو گی۔ مسلم کی آخری حدیثوں میں سے ایک حدیث ہے کہ بہت سے ملائکہ بہت سارے نیک لوگوں کو لیے جنت میں جاتے ہوں گے تو آواز آئے گی۔ کہ اے میرے فرشتو! ان کو جہنم میں پھینک دو۔ تو فرشتے عرض کریں گے کہ اے پروردگار! اگر جرأتِ اظہار عطا فرماؤ تو With due apology ہم آپ کو ایک بات بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے تو نامہء اعمال میں شر قاطر بانیکی ہی لکھی ہے۔ صرف خوبصورتی لکھی ہے۔ خدمتِ خلقِ خدا لکھی ہوئی ہے۔ آپ کہتے ہو کہ ان کو جہنم میں پھینک دو۔ فرمایا ہاں! اس لیے کہ میرا اور بندے کا ایک معاملہ ایسا ہے جسے صرف میں ہی جانتا ہوں اور وہ ہے ''اخلاص۔'' خواتین و حضرات! ذرا غور کیجیے گا کہ خدا کیا کہتا ہے کہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ایک معاملہ ایسا ہے کہ جسے میں ہی جانتا ہوں اور وہ ''اخلاص'' ہے۔ اس کا مطلب آپ سمجھتے ہیں کیا ہے؟ کہ کراماً کاتبین کی زد میں بھی اخلاص نہیں آ سکتا۔ یہ ملائکہ صرف آپ کی خارجی حرکات ہی نوٹ کر سکتے ہیں۔ تہہِ قلب نہ جانے کیا ہے؟

؎ دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا ؟

اور یہ جو کہتے ہیں کہ دل سمندر سے بہت ''ڈونگے'' ہیں۔ ان کے ہاں کہاں تک ڈوب کے ذرۂ اخلاص کو تلاش کرنا پڑتا ہے، جو خدا کے لیے ایک اشک بن کر کسی نوجوان کی آنکھ سے ٹپکتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے کریم رسول نے ارشاد فرمایا کہ آٹھ چیزوں پہ جہنم کی آگ بند کر دی گئی اور ان میں سے ایک چیز کسی نوجوان کی آنکھ سے نکلا ہوا خدا کی طلب میں

ایک آنسو ہے۔

خواتین وحضرات! کتنا مشکل ہے یہ ایک آنسو۔ ویسے تو ہم روتے ہی رہتے ہیں۔ پاکستان میں تو ہر کوئی روتا رہتا ہے اور جشنِ بہاراں بھی رونے کا سماں لگتا ہے۔ نہ ہماری کوئی مذہبی اچھی خبر آتی ہے۔ نہ ملکی حوالے سے کوئی اچھی خبر آتی ہے۔ نہ کوئی انفرادی طور پر اچھی خبر آتی ہے۔ میں تو ویسے ہی Pandora's Box ہوں۔ Greek Mythology میں یہ تھا کہ لوگوں کے سارے کے سارے دکھ اور المیے ایک بکس میں بند تھے جس کو Pandora's Box کہتے تھے۔ میں تو اتنے المیے سن چکا ہوں کہ میرا دل ہی Pandora's Box بن گیا ہے۔ مگر ایک بات میں آپ سے ضرور کہوں گا کہ آپ کا یقین آپ کے اللہ کے ساتھ ہو اور آپ کا اعتماد اللہ کے رسول کے ساتھ ہو تو ایسی کوئی بری خبر مستقبل میں موجود نہیں ہے۔ سزا و جزا میں بڑھتا ہوا امتِ مسلمہ کا یہ قافلہ بالآخر فتح کو ہمکنار ہوتا ہے۔ فرمایا رسول ﷺ نے، مخبرِ صادق نے، کہ میری امت میرے بعد رومیوں سے جہاد کرے گی اور ان پہ غالب آئے گی۔ میری امت میرے بعد ایرانیوں سے جہاد کرے گی اور ان پہ غالب آئے گی۔ میری امت میرے بعد، چپٹی ناکوں اور ڈھال جیسے چہروں والے منگولوں سے جنگ کرے گی اور ان پہ غالب آئے گی اور زمانہ آخر میں میری امت ''دجال'' کے خلاف جہاد کرے گی اور اس پہ غالب آئے گی۔ تو کیا اداسی کی بات ہے؟ مگر خوفِ دجال تو نہ ہو۔ ابھی وہ ہلاکت اور تباہی جو ہوئی نہیں، جو آپ کو نظر نہیں آتی، مگر ایک خوفِ مبہم کی طرح سینوں کو لرزا رہی ہے۔ یہ خوف تو خواتین وحضرات! اللہ دشمنوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ یہ خوف مسلمانوں کے دلوں میں نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ کے بندوں کے دلوں میں ایک ہی خوف بڑا ہے۔ صرف ایک خوف۔ جب کسی کو دعا دیتے تھے لکھنؤ والے رخصت کرتے وقت، تو کہا کرتے تھے کہ خدا تجھے ''غمِ حسین'' کے علاوہ اور کوئی غم نہ دے۔ میں بھی آج آپ کو ایک دعا دے رہا ہوں کہ اگر خوف پالنا ہے تو اللہ اپنے سوا آپ کو کسی کا خوف نہ دے۔ آپ کی جرأت و استقامت انشاءاللہ تعالیٰ ہر مصیبت پہ غلبہ پائے گی۔ آپ سوچتے ہو کہ اللہ بندوں کی سنتا کیوں نہیں؟ اس لیے کہ آپ اللہ کی نہیں سنتے اور کوئی وجہ نہیں ہے۔

بخدا! اگر آپ اللہ کی سنو، اس کے اندازِ فکر کو دیکھو، وہ تو قرآن میں کہہ رہا ہے ''میں نہیں حالت بدلوں گا جب تک تم آپ اپنی حالت نہیں بدلو گے'' اور تمہاری حالت کا بدلنا اتنا Physical نہیں ہے۔ ایک Paralysis میں پڑے ہوئے بندے کی کیا حیثیت ہوتی ہے، اس لیے کہ اس کا دماغ کام نہیں کر رہا ہوتا۔

وجودِ امتِ مسلمہ اس وقت Desperation کے Paralysis میں ہے۔ دماغ بند، سوچیں بند، فکریں ختم، صفیں کج، نمازی پریشان حال، یہ بکھرے ہوئے اعصاب، یہ اجڑی ہوئی بستیاں، مسلمانوں کی گلی تو آباد ہیں مگر ان میں خدا نہیں بستا۔ آپ کو رجعتِ فکر چاہیے اور رجعتِ فکر کے بغیر غلبۂ احوال نہیں ہوگا۔ مصائب آئیں گے، اللہ نے کہا کہ آئیں گے۔ آزمائشیں آئیں گی، اللہ نے کہا کہ آئیں گی، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ دیکھو! میری یاد میں غفلت نہ کرنا ''ولاتھنو'' (میرے بارے میں سستی تو نہ کرنا یار!) رات گئے ایک دو بجے تک ٹی وی آپ دیکھتے ہو، میں نے منع نہیں کیا۔ ٹی وی دیکھو! تمام پسندیدہ اپنے ڈائیلاگز سنو، ہر پسندیدہ ایکٹر و ایکٹریس کو دیکھو، مگر یار! نماز کیوں Miss کرتے ہو۔ میری Cost پر شہواتِ ذہن کی یہ دنیا آباد کر کے پھر مجھے ہی کہتے ہو کہ میں تمہاری حمایت کروں۔ ایسے نہیں ہو

سکتا۔ Not at my cost اس لیے کہ میرا اصول ہے۔ میں نے بنو اسرائیل کو بھی کہا تھا۔ ''تم پلٹ جاؤ گے تو میں پلٹ جاؤں گا۔ تم لوٹ آؤ گے تو میں لوٹ آؤں گا۔''

"وان عدتم عدنا" (بنی اسرائیل: ۸)

"وان تعودوا نعد" (الانفال: ۱۹)

لوٹنے کا وقت ہے خواتین و حضرات! لوٹنے کا وقت---لوٹنا Physically نہیں ہوتا۔ آپ کہاں بھاگتے بھاگتے خدا کی آغوش میں جا گرو گے۔ بڑی کائنات حائل ہے بیچ میں---اللہ پتہ نہیں کہاں ہے؟ اس کو اِدھر ڈھونڈو جدھر وہ ہوتا ہے:

"لا بذکر اللہ تمطمئن القلوب" (الرعد: ۲۸)

(ہماری یاد کے بغیر تمہارے دلوں کا اطمینان نہیں ہے۔)

اگر دل میں خدا کی یاد کے بغیر اطمینان نہیں ہے تو پھر دل ہی مسکن ہوگا اللہ کا۔ دل ہی مقامِ شہِ پروردگار ہوگا۔ تو پھر دل کو فارغ کرو غیر کی یاد سے، شہواتِ ذات سے، طلبِ دنیا سے صرف اتنا رکھو جتنا ضروری ہے۔ ان کے لیے مر تو نہ جاؤ۔ مخلوق کے لیے مرنا جائز نہیں ہے ورنہ قبر تک آسان نہ پہنچو گے۔ قبر اس کو اذیت دیتی ہے جو بہت ساری Possessions لے کر قبر تک جاتا ہے۔ آپ نے کبھی خودکشی کرنے والے کو دیکھا؟ اس کو کیوں نہیں قبر کا ڈر آتا۔ وہ تو ہنستے کھیلتے خود ہی زندگی کی بھری پری برسات میں اپنے آپ کو پھانسی لگا لیتا ہے۔ اس لیے کہ اس کو خدا سے ناامیدی اس کا دنیا کا ہر تعلق قطع کر دیتی ہے۔ اس کو ماں اچھی نہیں لگتی، باپ اچھا نہیں لگتا، کھانا اچھا نہیں لگتا۔ جب لذتِ کارہائے دنیا ہی ختم ہو جائے تو اس کو لگتا ہے کہ زندگی کا مقصد ہی ختم ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ اپنی زندگی ختم کر لیتا ہے۔ مگر مسلمان اپنے ذہن اور غور و خوض سے لذات ختم نہیں کرتا، مگر کسی لذت کو لذتِ حصولِ پروردگار پر حاوی نہیں ہونے دیتا اور یہی اصولِ محبت خداوند ہے:

"لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" (ال عمران: ۹۲)

تم مجھے نہیں پا سکتے ہو جب تک کہ میری راہ میں وہ تمام محبتیں نہ قربان کرو جو تمہیں مجھ سے زیادہ عزیز تر ہیں۔ اگر تمہیں اولاد عزیز تر ہے تو میں نہیں ملوں گا۔ تمہیں اولاد میں نے دی اور جس نے دی اسی سے تم اسے عزیز تر کر بیٹھے۔ اگر بیوی مجھ سے زیادہ پسند ہے تو میں نہیں ملوں گا۔ بھئی! ان کو رکھو، جتنا چاہو ان کو چاہو، مگر مجھے ان سے بڑھ کر چاہو۔ مجھے اس طرح چاہو جیسے آبا و اجداد کو چاہتے ہو، جیسے اپنے بزرگوں کو چاہتے ہو، جیسے اپنے بچوں کو چاہتے ہو، ماؤں کو چاہتے ہو۔

"فاذکرو اللہ کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا" (البقرہ: ۲۰۰)

مگر مجھے ذرا زیادہ چاہو، ذرا زیادہ تاکہ مجھے معلوم ہو کہ تمہاری ترجیحات درست ہیں۔ تو مخلوق کو خالق کے مقابل نہیں لاتا ہے۔ یہ ایک Intellectual Question ہے۔ جو چیزیں تمہیں مل رہی ہیں، جس سے مل رہی ہیں، اس کو کمتر حیثیت کیونکر دو گے؟ چیزوں کو اوپر کی حیثیت کیسے دو گے؟ کتنا غلط ہے نصابِ عقل سارا، کہ خالق کو مخلوق سے پست درجہ حیثیت دی جائے۔ اس لیے پروردگار کہتا ہے کہ کچھ تکالیف کے بعد میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اے میرے بندو!

جو کہتے ہو:

"واذا سالک عبادی عنی فانی قریب" (البقرۃ:۱۸۶)

جب تم میرے بارے میں پوچھتے ہو کہ خدا کہاں ہے تو میں بہت قریب ہوں مگر میں تمہیں صبر کرا نہیں رہا ہوتا۔ میں تمہارے درجاتِ علم کو متعین کرنے کے لیے تمہیں Test کر رہا ہوتا ہوں۔ اب اگر آپ پاس ہو گئے کسی ٹیسٹ میں، آپ نے کہا کہ اللہ! تیرا شکر ہے۔ مجھے کوئی غم نہیں ہے۔ اللہ نے کہا" بندہ بڑا اچھا ہے اس کو اگلا ٹیسٹ دے کر دیکھتے ہیں ’’شاید دو، چار دس ٹیسٹوں کے بعد یہ اللہ کے ان دوستوں میں شامل ہو جائے کہ جن کو خدا خطاب کر کے کہتا ہے:

"یاایتہاالنفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ" (الفجر:۲۷، ۲۸)

اے میرے بندے! تو تو کمال کر بیٹھا یار! میں تجھ سے راضی ہوا۔ تو مجھ سے راضی ہو۔ آپ کو مقامات اور درجات کی بلندی کے لیے اگر چند مصائب سے واسطہ بھی پڑ گیا، تو علم غارت نہ کرو، جادو اور سحر کے نام زندگی نہ کرو، جس نے دی ہے اسی کے نام رکھو۔

"ولاتھنو ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین" (ال عمران:۱۳۹)

اگر ان مراحلِ فکر سے گزرے، ان مراحلِ صبر سے گزرے، تو اللہ کہتا ہے میں وعدہ کرتا ہوں:

"انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین"

(تم ہی غالب ہو اگر ایمان والے ہو۔)

اگر آپ غالب نہیں ہو تو ذرا دیکھو تو سہی! شاید آپ کا ایمان کہیں کم نہ ہو۔ اگر آپ ایمان والے ہو تو آپ ہی غالب ہو۔ اللہ نے شرط چھوٹی سی رکھی ہے۔ اگر آپ کو شکست در شکست معاملہ درپیش ہے تو Recheck, try to understand. ایک دفعہ اپنے آپ کو پھرولو۔ زندگی کو دیکھو، ایمان کہاں کم ہے۔ اور کہاں یہ رجعت پیش آ رہی ہے کہ ہم خدا کے حضور ایمان والے Declare نہیں ہو رہے۔

وما علینا الا البلاغ

میں معافی چاہتا ہوں کہ بات تو چند منٹوں کی تھی مگر لگتا یہ ہے کہ بے حساب ہو گئی۔

سوالات و جوابات

سوال: پروفیسر صاحب اللہ کے ہاں توبہ کا کیا مقام ہے؟

جواب: جس کے پاس کوئی Institution ہوتا ہے، اگر وہ Exploit ہی نہ ہو تو کتنا بے کار رہو گا۔ آدم کی پیدائش کے وقت جو سب سے پہلا Institution اللہ نے تخلیق کیا وہ ’’توبہ‘‘ ہے۔ آیئے چلئے ہم آپ کو reference کی طرف لے جائیں:

"فازلھم الشیطن عنھا فاخرجھما مما کانا فیہ" (البقرۃ:۳۶)

پھر شیطان نے ان کو گمراہ کیا، پھر ہم نے ان کو نکال دیا اس نعمت سے، اس مقامِ سکونت سے، امن سے، اب آدم بڑے پریشان ہوئے، پھر کہا: دیکھو ہم نے ایک خصوصی Institution اس کے لیے پیدا کیا ہے۔ وہ Institution جو شیطان کے مقدر میں نہیں تھا۔ تو ہم نے سب سے پہلا Institution جو انسان کے لیے پیدا کیا وہ توبہ کا تھا:

"فتلقی ادم من ربہ کلمتٍ فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم" (البقرۃ:۳۷)

سب سے پہلی بات جو خطا کے بعد انسان کے قلب پر القاء کی گئی وہ کلمات توبہ ہیں۔ سب سے پہلا دفتر جو اللہ کے حضور انسان کے لیے کھلا وہ توبہ ہی کا دفتر تھا۔ ابتدائی اور اولین سفر کائنات ہی انسان کا توبہ کا سفر ہے۔ خطا کا اور پھر توبہ کا سفر ہے۔ باقی سب Complications ہیں۔ اگر آپ غور کرو تو باقی تمام قوانینِ شریعہ social Complications ہیں۔ آبادیاں بڑھتی گئیں، مسائل بڑھتے گئے، Complicate Simplifications ہوتی گئیں۔ ساتھ ساتھ شریعت کے قوانین بھی آگے بڑھتے گئے مگر ابتدائی قانون صرف ایک ہے کہ انسان خطا کرے گا اور ابتدائی رحمت صرف ایک ہے کہ جب وہ توبہ کرے گا تو ہم اسے بخش دیں گے۔ تو سب سے پہلا سفر انسان خطا کا سفر ہے اور سب سے پہلا کرم اللہ کا انسان پر اس کی بخشش ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ وہ الفاظ بھی القا فرمائے جن کے Reference سے آج بھی، ہم اور آپ صبح و شام دعا مانگتے ہیں:

"ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین" (الاعراف:۲۳)

تو اگر آپ غور کریں تو یہ لفظ "لنکونن من الخسرین" اے پروردگار! میں نے خطا کی ہے۔ میں نے خطا کرنی تھی، تو اگر تو میری توبہ قبول نہ کرے گا تو میں خسارے میں رہوں گا۔ تو گناہ دراصل کوئی اعصاب شکن حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ یہ ایک خسارہ ہے۔ گناہ خسارے کو کہتے ہیں۔ ایک خسارہ جو آپ کی Balance Sheet کو معطل کر دیتا ہے۔ گناہ آپ کے Balance of Payment کو خراب کر دیتا ہے۔ اس لیے اگر مسلسل گناہ کیے جائیں گے تو آپ ایک ایسے بزنس میں پڑ گئے ہیں جس میں آپ کو مسلسل خسارہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور Unless you come back to God. وہ خسارہ پورا نہیں ہوتا مگر خسارہ بڑی آسانی سے پورا ہوتا ہے۔ صحیحین کی ایک حدیث ہے۔

پروردگار نے فرمایا کہ کیا تمہیں پتہ نہیں کہ لاالہ الااللہ کی ہمارے پاس کیا قیمت ہے؟ اور تمہیں نہیں پتہ کہ اس کا وزن کیا ہے؟ قیامت کے دن ایک پلڑے میں انسان کے سارے گناہ ڈالے جائیں گے اور دوسری طرف صرف ایک چٹ ڈالی جائے گی جس پر لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ لکھا ہو گا تو وہ پلڑا زمین سے ہی نہیں اٹھے گا۔ خسارے کی Payment معمولی ہے، یہ لفظی ہے، ذہنی ہے، قلبی ہے۔ یعنی ذہنِ سلیم سے، اقرارِ قلب سے ایک مرتبہ کہو کہ اے میرے پروردگار! باوجود تمام خطاؤں کے لاالہ الااللہ تو میرا اللہ اور محمد رسول ﷺ ہیں۔

مسلم کی ایک حدیث ہے جو اس سے بھی کچھ آگے کی ہے۔ فرمایا کہ ایک شخص اتنا گناہگار تھا، اتنا بدبخت تھا، اتنا شقی تھا، جب اس نے اپنی گناہوں کی لسٹ دیکھی تو اس کو اپنے تئیں بھی ایک نیکی نظر نہ آئی۔

آپ اپنے گناہ لکھتا
فارغ منکر و نکیر ہوں میں

جب اپنے تئیں بھی ایک نیکی نظر نہ آئی تو وہ اتنا گھبرایا کہ جب لمحۂ مرگ آیا تو اس نے وصیت کی کہ دیکھو اگر تم نے مجھے قبر میں اتارا تو میں بے موقع مارا جاؤں گا، پکڑا جاؤں گا۔ تو ایسے کرنا کہ میری لاش کو جلا دینا اور میری راکھ کو تقسیم کر دینا۔ تھوڑی سی سمندر میں ڈالنا، کسی پہاڑ پر ڈال دینا، کسی جانور کو کھلا دینا، ایسی عجیب و غریب جگہوں پر ڈالنا کہ کسی کو نظر نہ آ سکے۔ جب وہ مر گیا اور اللہ کے پاس پہنچا تو اللہ نے ہر اس چیز کو، جس کے پاس اس کے وجود کا ذرا سا بھی کوئی حصہ تھا، حکم دیا کہ اسے واپس کر Actually, this is an advance atomic theory کہ بہر حال انسانی وجود جیسے بھی ختم ہو جائے، جب اپنے ذرات کی باریکیوں میں بھی چلا جائے تو وہ بنیادی عنصرِ زندگی کا ایک حصہ بن جاتا ہے اور بنیادی عنصرِ حیات ایٹم کا وہ باریک ترین ذرہ ہے۔ جیسے Anti Quarks اور Quarks' Mesons کہ جو ناقابلِ شکست ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو حکم دے دیا کہ جس جس کے پاس اس کا ذرۂ حیات ہے، اسے واپس لے کر آؤ۔ جب اس کو بلایا تو کہا کہ یہ کیا، تو نے کیا یار؟ خدا کی ایک عادت ہے جس کو انگریزی میں Dramatic Aside کہتے ہیں۔ Connivance کرنا۔ مثلاً آپ کو بڑی ایسی حدیثیں نظر آئیں گی کہ خدا نے پوچھا، تو نے ایسا کیوں کیا؟ حالانکہ اس کو پتہ ہوتا ہے کہ اس نے کیوں کیا۔ مگر وہ ایک، بہت بالا، بہت بڑا Intellectual، ہو تو پوچھے کہ اچھا اچھا! اس میں تیری رائے کیا ہے؟ حالانکہ اسے پتہ ہے کہ اس کی رائے کیا ہو سکتی ہے۔ جتنا علم ہے اتنی ہی رائے ہو گی، مگر پھر بھی وہ ایک Situation پیدا کرتا ہے تاکہ اس کی وجہ سے اور لوگ جان جائیں کہ میرا مسلک کیا ہے۔ تو اس سے پوچھا، تو نے ایسا کیوں کیا بھئی! اس نے کہا۔ ''اے پروردگار! میں نے اس لیے کیا کہ میں اپنے آپ کو بڑا Judge کرنے والا اور بڑا چیک کرنے والا تھا۔ میری تو پوری زندگی میں ایک بھی نیکی مجھے نظر نہیں آئی۔ میں نے سوچا پکڑا گیا تو مارا جاؤں گا، بڑا عذاب پڑے گا، اللہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔'' اللہ نے کہا ''کیا تجھے یہ یقین تھا۔'' اس نے کہا ''اے اللہ! اس بات پہ تو مجھے بڑا یقین تھا کہ تو ہے اور تو پکڑنے والا ہے اور مارنے والا ہے۔'' اللہ نے کہا، اچھا! جا، اتنے اچھے یقین پر تجھے کون مارے گا یار۔'' تو اللہ نے اسے بخش دیا۔ اب آپ خود سوچو کہ یہ دل بہلاوے کی باتیں نہیں ہیں۔ یہ اللہ کے رسول کی باتیں ہیں۔

بات یہ ہے کہ جتنا بھی تمہارا Practical Faith ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک ذرہ Faith کا پورے Practical Aspect کو Direct کرتا ہے۔ اگر ذہن کی کسی گہرائی میں ایک ذرہ، کہیں خدا کے لیے اخلاص کا موجود ہو تو آپ کو ضائع نہیں کیا جائے گا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ذرا خود تو غور کرو، کہ آپ کی ہستی میں ایک جزو خداوند موجود ہے۔ اللہ کی محبت کا ایک ذرہ بھی جہنم میں کیسے جل سکتا ہے، اگر وہ آپ کے وجود میں موجود ہو۔

"فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ۝ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ"(الزلزال: ۷،۸)

(اور جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔)

اللہ کا ایک نام ہے لطیف اور ایک نام ہے خبیر۔ اسم ''لطیف'' کے معنی ہی یہی ہیں کہ اگر پاتال کی تہوں میں بھی ایک ذرہ اخلاص موجود ہے تو اس کو نکالا جائے گا، اس کو خالی کیا جائے گا، اس کی خطاؤں کی بخشش کی جائے گی اور اس کی پوری ذات کے لیے اس کا ایک پردہ اور چھتر تانا جائے گا اور وہ اللہ کے سکون کی آغوش میں رہے گا۔ یہ توبہ کا مطلب ہے۔ توبہ سے بڑا کوئی Institution مذہب میں نہیں ہے اور جو توبہ کو Ignore کرتا ہے وہ خدا کے پورے Institutions

کو Ignore کرتا ہے۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے جبکہ انسان تو بہت بری فطرت والے بھی ہوتے ہیں؟

جواب: کہا تو نہیں جاتا بلکہ یہ خاصی Confirmed بات ہے کہ اللہ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے، مگر اس میں صرف ایک فطرت نہیں رکھی۔ Perfection نہیں رکھی۔ عادات تو اللہ نے دی ہیں.... اگر اللہ رحمان ہے تو آپ بھی رحمان ہو سکتے ہو، اگر اللہ رحیم ہے تو آپ بھی رحیم ہو سکتے ہو۔ جب اس نے اپنے رسول کو بہت پیار کیا، لاڈ کیا، اس کی عزت افزائی فرمائی، اس کو بڑا رتبۂ عالیہ بخشا تو اس کو یہ نہیں کہا کہ یہ میرا پیغمبر بڑا عبدالرحمان اور بڑا عبدالرؤف ہے۔ فرمایا، یہ میرا پیغمبر بڑا رؤف ہے بڑا رحیم ہے۔ اپنے نام اس کو دیے۔ ناموں کی اور عادات پروردگار کی جو فہرست ہے، اس کے Level ہیں۔ ایک وقت وہ ہے جو اللہ کا ہے، ایک وقت وہ ہے جو اس نے کائنات کی تخلیق کا رکھا، ایک وقت اشیائے زمین کی تخلیق کا رکھا، ایک وقت اس نے انتظامات کا رکھا۔ دورانِ زمانہ اور مختلف تقسیمات میں آ کر، Ultimately پروردگارِ عالم کی اپنی صفات جب خدا کی سطح پر Move کریں گی تو وہ انتہائی بالا سطح پر ہوں گی۔ اگر انسانوں کی سطح پر آپ نے رؤف و رحیم دیکھنا ہو تو آپ محمد ﷺ کو دیکھ لیجیے۔ پھر جب ان سے بھی ذرا کمتر درجات آئیں گے تو رحیمیت کا Level قریباً قریباً ہر انسان میں پایا جائے گا۔ جیسے اللہ نے کہا کہ میں انسان کے لیے سو ماؤں سے بھی زیادہ محبت رکھنے والا ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی محبت سو ماؤں کے برابر ہے تو ماں کا بھی تو کوئی رتبہ ہو گا کہ جس کی محبت خدا کی محبت کی طرح ہے۔ تو سو میں سے ایک حصہ ماں کے پاس ہے اور ننانوے حصے اللہ کے پاس ہیں۔ خدا کی صفات انسانوں میں موجود ہیں، ہر وقت موجود ہوتی ہیں۔ صرف اس کی جبلتیں مختلف ہیں۔

ہماری جبلتیں دو ارب سال سے Progressive جبلتیں ہیں۔ ہم جانوروں کی سطح سے اٹھ کر آئے ہیں، دنگا فساد، قتل و غارت، بغیرِ عقل کے یہ جبلتیں ہمیں Motiviation دیتی تھیں۔ جب سے ہمیں عقل آئی ہے، ہم نے ان جبلتوں کو Motivate کرنا شروع کر دیا۔ مگر دیکھیے! زمانہ حاضر ہے، کہ دورِ حاضر کے سب سے بڑے So called مہذب ملک کا جو سب سے بڑا صدر ہے، وہ اپنے قیدیوں کے ساتھ جانوروں کی طرح سلوک کر رہا ہے(1)۔ دیکھیے! کہ اس زمانے میں بھی، اس تہذیبِ حاضر میں بھی، انسان کی فطرت و جبلتِ حیوانیہ نہیں بدلی۔ باوجود اس کے کہ اتنے طویل عرصے سے خدا کے نام اور خدا کی صفات انسان کے پاس موجود ہیں اور دورِ حاضر تک انسان آیا ہی اللہ کی صفات کریمانہ کے بل پر ہے۔ مگر اس کے باوجود آج کے دور میں بھی So Called مہذب ترین معاشروں کے حکمران اپنی حیوانی جبلتوں پہ موجود ہیں، جو آج سے دو ارب سال پہلے موجود تھیں۔

سوال: ابھی آپ نے جہاد کا ذکر کیا ہے، تو Individual اور State دونوں طرح کے جہاد میں سے کون سا عسکری جہاد ایسا ہے جس کی فرضیت کا فیصلہ عوام یا حکمران کر سکتے ہیں؟ اور بغیر فیصلے کے کیے جانے والے جہاد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی؟

جواب: انفرادی جہاد تو کوئی بھی شخص کسی بھی وقت کسی Motivation کے تحت کسی بھی وقت کر سکتا ہے، یہ

اللہ اور بندے کا آپس کا معاملہ ہے۔ کوئی بھی فردِ واحد کسی بھی ایسی Situation کی Judgement کے لیے جب نکلتا ہے۔ مثلاً کوئی فردِ واحد یہ کہتا ہے کہ میں نے اہلِ کفر کے خلاف جہاد کرنا ہے تو Situation صرف غیر مسلم ہونی چاہیے کہ جہاں ایک کافر اور مسلمان کے بیچ میں جنگ ہو رہی ہو، باقی اس فرد کی نیت Matter کرے گی کہ کیا وہ خدا کے لیے جہاد کر رہا ہے۔ یا کسی جماعتی گروہ بندی کے لیے لڑ رہا ہے یا اپنے کسی Personal Locale کے لیے یا مفاد کے لیے لڑ رہا ہے۔ جہاں تک State کا جہاد کا فیصلہ Declare کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لیے State کا مسلم ہونا لازم ہے۔ اگر شریعت نافذ نہیں ہے اور عدل و انصاف کے قوانین نافذ نہیں ہیں تو State کو یہ Authority حاصل نہیں ہوتی کہ وہ جہاد کا فتویٰ پاس کرے۔ البتہ اگر علمائے حاضرِ وقت اور تمام دانش ورانِ مذہب مل جل کر، اس Situation کو اس طرح کی سمجھتے ہیں کہ کفر اور اسلام کا ایک معرکہ درپیش ہو، تو وہ State کی معاونت میں فتویٰ جہاد Issue کر سکتے ہیں۔ یہ فقیہہ وقت کا معاملہ ہو گا یا اس عالمِ زمانہ کا، کہ جس پہ لوگ اعتماد کرتے ہوں۔ یا اجماعِ امت کے علماء کا کہ جو اکٹھے بیٹھ کر اس کا فیصلہ دیں گے۔

سوال: والدین میں سے اگر کسی ایک کی وفات ہو جائے، اور اس کی اولاد اس کے غم میں نڈھال ہو جائے اور وہ صبر کرے تو اس میں اولاد کے لیے کیا اجر ہے؟

جواب: ایک خاتون کا بچہ فوت ہو گیا اور وہ بہت آہ و زاری کر رہی تھیں، بہت رو رہی تھیں، تو حضور ﷺ پاس سے گزرے اور فرمایا کہ صبر کر۔ تو جس طرح عورتیں ماشا اللہ، اپنے غم و الم میں ہوتی ہیں، اس نے چڑ کر کہا، ایسے عالم میں کس کو صبر آتا ہے۔ دو چار روز رونے دھونے کے بعد پھر اسے خیال آیا تو منہ وغیرہ پونچھ، آنکھیں دھو دھا کر، رسول اللہ کے پاس پہنچی اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے صبر کر لیا ہے۔ فرمایا ''اب بھی کوئی صبر ہوتا ہے۔''

تو بات یہ ہے کہ اگر کسی بچے نے صبر کیا..... بہت سارے بچے تو اپنے باپوں کی وفات کا انتظار کرتے ہیں۔ اگر یہ کوئی بہت اچھا بچہ ہے کہ جس نے باپ سے بہت اُنس اور محبت رکھی اور اس نے بعد میں اس کا بہت رنج محسوس کیا، تو اس کی بہت ساری وجوہات ہو سکتی ہیں، ایک Protection کا نہ رہنا، ایک Sudden ذمہ داریوں کا آن پڑنا اور اگر وہ ان سے عہدہ برا ہوا تو سب سے بڑا ایک انعام اللہ کی طرف سے اس بچے کے لیے اس کے کردار کا استحکام، اس کے مقابلے کی استعداد اور اس کے مستقبل کی ہمت و استقامت ہے۔ اگر اس صبر میں اس کا کردار Build ہو گیا ہے تو اس سے بڑا اللہ کا احسان اس کے لیے اور کوئی نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ بڑا مشہور محاورہ ہے کہ Adversity is the school of every great person. مصائب میں ہی بڑی ذاتیں ابھرتی ہیں، خواہ وہ چنگیز خان ہو یا تیمور لنگ ہو۔ اگر بڑے ہیروز کی آپ زندگی دیکھیں۔ ہمارے حضور ﷺ سے بڑی کس کی مثال ہو سکتی ہے کہ محرومیوں کا ایک جہان سمیٹا ہوا ہے۔ نہ باپ دیکھا، ماں کا اُنس نہ ملا، دادا کے پاس گئے تو وہ جاتے رہے، چچا نہ رہے، جس جس سے اُنس کی ذرا سی بھی گنجائش تھی، اللہ نے اس ہستی کو چھین لیا اور اتنی محرومیوں کے بعد، خدا کے رسول نے کائنات کو محبت کے علاوہ کیا دیا ہے؟ یہ ایک Singular کیس ہے کہ کوئی Complex Develop نہیں ہوا۔ بلکہ ہر ہر کمی کے بحران میں اتنی کثرتِ اُنس و محبت ان میں پیدا ہوئی اور میرے خیال میں ان صاحب کو بھی انہی کی تقلید کرنے چاہیے کہ اپنے کو غم ملا ہے تو اوروں کو نہ دیں۔

سوال: جنات کی حقیقت کیا ہے؟ آج کل بے شمار لوگ اپنے مسائل کے حل کے لیے پیروں، فقیروں اور جنات کے عاملوں کے پاس جاتے ہیں۔ جو مؤکلات کے ذریعے ان کا علاج کرتے ہیں۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب: دیکھئے بات یہ ہے کہ جنات اللہ کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بہت سی مخلوقات پیدا کیں تو توانائی کی مخلوقات پیدا ہوئیں۔ پھر Gaseous Volume کی تخلیقات پیدا ہوئیں۔ تھوڑا تھوڑا ان سب میں فرق تھا یعنی Pure Energy کی مخلوقات، Gaseous Energy کی مخلوقات، پھر اس کے بعد زمینی مخلوقات جن میں Weight تھا۔ تو زمین کے دو وزن ہیں، ان کو ”ثقلین“ کہتے ہیں کیونکہ گیس کا بھی وزن ہوتا ہے اور مٹی کا بھی وزن ہوتا ہے تو زمین کے دو ثقل ہیں مخلوقات میں۔ ایک جنات اور دوسری زمین کی مخلوقات۔ ان کا بھی ایک ثقل موجود ہے۔ اسی لئے آپ کو یاد ہو گا کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو ”غوث الثقلین“ کہتے ہیں کہ وہ دونوں ثقلوں کے استاد تھے۔

جیسے زمین پر ایک ارب مخلوقات ہیں اور آپ کو قطعاً پتہ نہیں ہے کہ وہ کس نوعیت کی درجہ بندی ہے تو Obviously یہ کبھی بھی نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ان مخلوقات کو بنا کر عاجز ہو گیا ہو۔ جب ہم زمین کی مخلوقات کو دیکھتے ہیں تو یہ امر محال ہے کہ اس سے پہلے بے شمار مخلوقات نہ پیدا ہو چکی ہوں۔ اگر یہاں ایک بلین مخلوقات ہیں تو ظاہر ہے وہاں، اوپر اس سے بھی زیادہ مخلوقات ہوں گی، تو خدا یہ کرتا چلا آیا تھا کہ زمین سے، وجودِ مادیہ سے، تخلیقات کو ترفع دیتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ یعنی خالصتاً تراب، طین، طینِ لازب، صلصال کالفخار اور پھر سنگل سیل Amoeba, Paramecia Caratum, Proteus ان Singular Cellular مخلوقات سے اوپر چڑھتا ہوا چلا آ رہا تھا اور Sophistication آ رہی تھی مخلوقات میں، یعنی Dinosaurs کے زمانے میں، پھر Dinosaurs ختم ہو گئیں، پھر بڑی Huge مخلوقات Rhinos اور Dinos کو Reduce کیا گیا، ان کو Sizeable کیا گیا۔ انسان اس وقت چھوٹا سا تھا، بڑا نہیں تھا، عجیب کدو سا انسان تھا، لمبوترا سا، جیسے وہ کھیرا اور ککڑی ہوتا ہے ویسا، اس کا سر تھا اور اس کو ہم Basically parental Homosapiens کہتے ہیں۔ تو یہ اس وقت بہت چھوٹا سا تھا کیونکہ بڑے جانوروں میں اس کا وجود تباہ ہو سکتا تھا، تو ایک زلزلے کے ذریعے پہلے بڑے جانور مٹائے گئے، یہ چونکہ اس وقت بہت چھوٹا سا تھا اس لیے کسی جھاڑی کو پکڑ کر، بڑے زلزلوں میں بچ گیا۔ آگے بڑھتا ہوا پھر اس کا ازسرنو ایک Survival شروع ہوا اور یہ آگے بڑھتا ہوا پھر Homoerectus بنا۔ Homo Habilous بنا۔ پھر Homo Sapiens سے Sapines تک آیا۔ Neanderthal سے Sapiens بنا۔ تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خداوند کریم ایک Simple Cell سے آغاز کرتا ہے۔ اگر آپ قرآن کریم پڑھیں تو خدا کہتا ہے کہ ہم نے ”نفسِ واحد“ سے تخلیق شروع کی۔ پھر سورہ دہر میں، جہاں ٹائم کا ایک بہت بڑا Span Involved ہے، انسان کے بارے میں خدا Particularly کہتا ہے:

> ”ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا“ (الدھر: ۱)
> (بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔)

کہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا، بس ایک Single سیل تھا، جیسے اب بھی موجود ہے ہمارے پیٹ میں، Amoeba کی شکل میں، تو آپ حیران ہوں گے کہ جو انسان کی ابتدا ہے وہ اب بھی اس کے اندر موجود ہے، ایک ایسا Single Cell جو خودبخود Multiply ہوتا ہے اور Millions اور Billions میں چلا جاتا ہے اور آپ کو Dysentry پیدا کرتا ہے۔

یہ تو نیچے سے Sophistication ہو رہی تھی ایک Physical وجود کی، اور اوپر سے جو High Sophistication تھی اس کو Lessen کیا جا رہا تھا یعنی پہلے تو بہت اعلیٰ ترین نورانی وجود تخلیق کیے جا رہے تھے اور اس کے بعد اس کے نیچے، اس کے بعد اس کے اور Patterns نیچے..... ہزاروں ارب ہا ارب کے لشکر، شیاطین، جنات وغیرہ تو ''جن'' کے بارے میں اللہ نے بڑی وضاحت سے کہا کہ اس کو ہم نے ''نار سموم'' سے تخلیق کیا، لویں کاٹتے ہوئے Gaseous Flame سے۔ اگر میں اس کی Exact آپ کو مثال دوں کہ جب آپ آکسیجن جلاتے ہیں تو جو Blue شعلہ پیدا ہوتا ہے، یہ مثال ہے کہ اس گیس کے Volume سے یا اس قسم کی کسی Gas کے Volume سے، اس قسم کی حالت سے، High Degree Volatile Energy جب Gases نے Produce کی تو جنات کی تخلیق ہوئی۔ اسی لیے جنات Gases Volume کی طرح ہر چیز کے وجود میں ڈھل جاتے ہیں۔ یہ کوئی بھی شکل وصورت اختیار کر لیتے ہیں۔ Normally ان کی زندگی 1500 برس سے لے کر 3000 برس تک ہوتی ہے۔ ان کا بھی پیغمبر وہی ہے جو انسانوں کے پیغمبر ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو ملائکہ کو Automatically ان کی پیغمبری کی تصدیق کرنا پڑی۔
اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ جب آدم نبی تھے تو ان کا پیروکار کون تھا۔ اگر آپ غور کریں تو نبوت کو سب سے پہلے سجدہ تعظیم وتسلیم ملائکہ نے کیا:

''واذقلنا للملئکۃ اسجدو لا دم فسجدوا'' (البقرۃ:۳۴)

(اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا۔)

تو یہ سجدہ تعظیم ان کی علمیت کے تقدس کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ علمیت جس کا Test پہلے گزر چکا تھا۔ حضرت آدم اور حضراتِ ملائکہ کے درمیان ایک Contest پڑ گیا تھا:

''وعلم ادم الاسمآء کلھا ثم عرضھم علی الملئکۃ فقال انبئو نی باسمآء ھؤلآ ءِ ان کنتم صدقین'' (البقرہ:۳۱)

(اور اللہ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔ پھر سب کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا۔ سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ)

ایک میچ پڑا ہوا تھا علمیت کا۔ جب علمیتِ آدم مستند قرار پائی تو ملائکہ اس کی تائید وتسلیم اور تعظیم میں سجدہ ریز ہو گئے۔ شیطان کے سوا، جس نے دنیا کا سب سے پہلا تعصب تخلیق کیا کہ میں آگ سے پیدا ہوا اور یہ مٹی سے، تو میں اس کو تعظیم کیوں دوں۔ تو سب سے پہلا تعصب ہی نسبی تھا، جو شیطان نے تخلیق کیا۔ یہ اب بھی موجود ہے۔ تو اس لحاظ سے جنات وزن رکھتے ہیں، وجود میں یہ Change ہو سکتے ہیں۔ جنات کے اعمالِ تسخیر کو حاضرات کہتے ہیں، یعنی کچھ ایسے

اعمال موجود ہیں جو جنات کو حاضر کر سکتے ہیں اور خواتین و حضرات! حاضرات کے عمل میں اور اس خبط میں لوگ بڑے ملوث ہوتے ہیں مگر حاضرات کے عمل کی نوعیت کیا ہے؟

Negative Reasoning اور Positive Reasoning دونوں کے Patterns انسان میں موجود ہیں:

"فالھمھا فجورھا وتقوھا" (الشمس: ۸)

فسق و فجور بھی انسان پر الہام کیئے جاتے ہیں اور تقویٰ بھی۔ جب بھی کوئی انسان تسخیر کے لیے نکلتا ہے تو وہ تصوف کے اور خدا کی محبت کے دائرے سے نکل جاتا ہے۔ یہ بات بہت اچھی طرح یاد رکھیے گا کہ جب بھی کوئی انسان کسی تسخیر کے عمل کے لیے نکلتا ہے تو وہ تسلیمِ خداوند کے دائرے سے نکل جاتا ہے۔ اس لیے کہ تسخیر کے تمام اعمال نفسی ارتکاز پر مشتمل ہوتے ہیں۔ آپ نفس کے حق میں ارتکاز کر رہے ہیں، کسی قوت اور غلبے کے لیے اور دوسری طرف خدا کے بندے نفس کے خلاف ارتکاز کر رہے ہوتے ہیں، خدا کی رضا کے لیے تو یہ دونوں میں بنیادی فرق ہے۔ تسخیر کے اعمال میں They concentrate in favour of the self against God اور دوسری طرف جو خدا کے بندے ہیں۔ They concentrate against the self in favour of God. یہ دو بنیادی اصول ہیں۔ اس لیے حاضرات کے تمام اعمال سے تمام فقرا، اور اولیاء اللہ نے منع کیا ہے۔ اگرچہ سیکھنے، پڑھنے کے لیے کچھ علما، ان اعمال سے گزرے ہیں۔ اب حاضرات کا عمل کیا ہے؟ اگر آپ نے غور کیا ہو تو کچھ عامل جب کوئی وظیفہ یا عمل دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ پہلے ایک دائرہ کھینچنا۔ اس دائرے کے اندر بیٹھنا اور پھر اتنے دن یہ کلمہ پڑھنا تو آپ کو پانچویں دن بلی نظر آئے گی۔ ساتویں دن ایک شیر نظر آئے گا۔ نویں دن آپ کو سانپ نظر آئے گا۔ تیرہویں دن فلاں نظر آئے گا۔ چودھویں دن فلاں۔ اب اگر آپ غور کرو تو یہ Pre-concepts of fear ہیں، جو انسان کے ذہن کو پہلے سے دے دیے گئے ہیں۔ آپ کو میں جنات کے عمل کی بڑی سادہ سی وضاحت کر دوں۔ ایک شخص جب چلے میں بیٹھے گا تو اس کے ذہن میں یہ ہے کہ ساتویں دن مجھ پر ایک بلی حملہ آور ہوگی، چاہے بدقسمتی سے اس کی خاتون وہاں سے ساتویں دن گزری ہو، اب اس نے تو یہی سمجھنا ہے کہ یہ کوئی شیطانی چیز ہے جو مجھ پر حملہ آور ہو گئی ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ چلے سے نکلنے کے بعد اکثر لوگ، حاضرات کے عمل کا تو پتہ نہیں سیکھتے ہیں کہ نہیں سیکھتے مگر دماغ سے حاضر نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ جب آپ Pre-determined بیٹھے ہو کہ اتنے دنوں کے بعد ایک شیر جنگل کا آئے گا، ایک چڑیل آئے گی، ایک دن بھوت آئے گا تو آپ کا خوف آپ کے اندر جمع ہو رہا ہے۔ اگر آپ کے اعصاب مضبوط ہیں تو آپ ان سے نکل جاؤ گے لیکن بڑی مشکل ایسی ہوتی ہے کہ اعصاب اتنے مضبوط نہیں رہتے۔ کیونکہ جب انسان Concentrate کر رہا ہوتا ہے تو باہر کی کوئی خراش، کوئی جھٹکا ہزاروں من زیادہ بوجھ، بن کر آپ کے اعصاب پر لگتا ہے۔ اس کی میں آپ کو ایک چھوٹی سی مثال دوں کہ دوسری جنگِ عظیم میں جاپانیوں نے ایک بہت بڑا عذاب جنگی قیدیوں کے لیے جو تخلیق کیا وہ بالکل حاضرات کے عمل کی طرح تھا.....انہوں نے ایک بڑی بالٹی میں سے ایک نقطہ، سوراخ نکال دیا تھا اور نیچے قیدی کو باندھ دیتے تھے اور بالٹی اس کے ماتھے کے اوپر لٹکا دیتے تھے۔ اس میں سے ایک ایک قطرہ اس کے ماتھے پر ٹپکتا تھا۔ اب سوچیے! لگنے کو تو کوئی تکلیف

نہیں ہے، مگر جب کوئی سوا ایک، قطرے برس چکتے تو اگلا قطرہ ایک عذابِ الٰہی کی طرح اس پر گرتا تھا۔ وہ منوں کا ہو کر گرتا تھا Because you are waiting and you are always looking upwards and you know کہ جی! آنے والا ہے، تو وہ اتنی بڑی اذیت تھی کہ ابھی تک تو ریکارڈ ہے کہ اس Water Drop کے عذاب سے کوئی بھی قیدی بچ کر نہیں نکلا، یا وہ پاگل ہو کر آیا یا وہ مر گیا یا پھر اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا۔

بالکل اسی طرح حاضرات کے عمل میں Concentration کی وجہ سے سو فیصد لوگ پاگل ہو کر یا جنونی ہو کر باہر نکلتے ہیں اور بعض ایسے مکر و فریب کے لوگ ہوتے ہیں جو جاتے ہی نہیں ہیں مگر لوگوں کو کہتے ہیں کہ میں چلے میں ہوں۔ ایک شخص میرے پاس آیا کہ میرے مرشد نے پچھلے بارہ دنوں سے کچھ کھایا ہی نہیں ہے۔ کمرے میں گھسے ہوئے ہیں، ہم نے بڑی سخت نگرانی رکھی ہوئی ہے، نہ انہوں نے کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے، تو میں نے کہا کہ یار اندر جا کر دیکھو تو سہی کہ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ اس قسم کی احمقانہ داستانیں سنا کر یہ مؤکلات کے فریب لوگوں کو دیتے ہیں۔ مجھے نہیں پتہ کہ ایک حاضرات کا عامل Why should he come to beg people for hundred rupees. مجھے آپ بتا دیں۔ کوئی Reason دے دیں کہ ایک وہ شخص جس کے پاس جنات کی عملداری موجود ہے۔ وہ آپ سے دو چار سو روپے اینٹھنے کے لیے کیوں بیٹھا ہے؟ وہ بھی ایک پاور ہے۔ ایک Negative Power ''حسن میواتی'' کا نام مشہور ہے کہ وہ حاضرات کا بہت بڑا عامل تھا۔ اس کا میں آپ کو واقعہ سنا دیتا ہوں۔ حسن میواتی حاضرات کا اتنا بڑا عالم تھا، کہ وہ بڑے سے بڑے فقیروں کو کچھ گھاس نہیں ڈالتا تھا اور وہ کبھی ویرانوں کے سوا ٹھہرتا ہی نہیں تھا اور حکم دیا کرتا تھا اور بڑے بڑے لوگ اس کے پاؤں چھونے کو آتے تھے۔ پیسے ویسے وہ نہیں لیتا تھا، کسی سے بھی نہیں لیتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کسی بازار سے گزرا تو راستے میں ایک قلندر سا، آدھا ننگا، بیٹھا ہوا تھا۔ حسن میواتی کے پاس چونکہ Powers تو تھیں، تو اس نے محسوس کیا کہ یہاں کوئی گڑبڑ ہے۔ Some super natural is there. تو اس نے کہا کہ پرے ہٹ! تجھے نہیں پتہ کہ میں کون ہوں؟ میرے رستے سے اٹھ! میں شہنشاہ جنات گزر رہا ہوں۔ لیکن وہ بیچارہ کچھ بھی نہ بولا اور چپ چاپ پڑا رہا۔ جب وہ کچھ نہیں بولا تو اس نے Feel کیا کہ یہ Match پڑ گیا ہے۔ وہ دوبارہ اس کے قریب گیا اور کہا ''تجھے نہیں پتہ کہ میں کون ہوں؟ میرے راستے سے اُٹھ اور جگہ خالی کر، میں شاہِ جنات ہوں۔'' لیکن پھر بھی ویسا ہی منظر رہا۔ تو پھر حسن نے اس کے اوپر حملہ کیا جیسے illusionist یا جادوگر کرتے ہیں کہ آپ کے Vision اور ذہن کو قابو کر لینا، مگر نظر کچھ اور آنا، مگر وہ درویش اسی طرح بیٹھا رہا۔ کافی دیر اعمال کرنے کے بعد حسن میواتی کچھ گھبرایا، تو اس نے اس پر Physical Attack کیا۔ اس نے کہا کہ تو باز نہیں آئے گا۔ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے اپنے جنات سے پٹواؤں گا اور پھر اسے ''ٹھڈا'' مارا۔ جب اسے ''ٹھڈا'' مارا تو اس درویش نے ایک آنکھ اٹھائی، آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''اے میرے مالک! یہ لوگ پاگل کیوں نہیں ہو جاتے۔'' بس وہ آخری لمحہ تھا جب حسن کو ہوش میں دیکھا گیا۔ اس کے بعد وہ کبھی ہوش میں نہیں آیا۔ تو فرق یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے آپ کو جناتی طاقتوں سے بھرتا ہے۔ سراب کی اور جھوٹ کی طاقتوں سے بھرتا ہے۔ ایک آدمی اپنے آپ کو بھر رہا ہے اور ایک آدمی اپنے آپ کو خالی کر رہا ہے۔ ادھر اللہ کا ایک بندہ ہے، جانتا ہے کہ میری ہر آرزو، میری ہر خواہش میرے لیے فریب کا باعث ہے اور مجھے اللہ کے لیے اپنی آرزو کو ترک کرنا ہے۔ اگر اس کو طاقت کی

آرزو ہے تو وہ اسے ترک کرتا ہے۔ اگر اسے Benefit کی آرزو ہے تو وہ اس کے خلاف جہاد کر رہا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خالی کر رہا ہے اور یہ شخص اپنے آپ کو بھر رہا ہے۔ فرق یہ ہوگا کہ یہ شخص خالی ہوگا تو اس میں خدا ہوگا اور دوسرا ابھرا ہوا ہونے کے باوجود خالی ہوگا۔ آج تک کوئی عالم کسی درویش اور خدا کے ولی سے نہیں لڑ پایا۔

خدا کی محبت، دوستی اور انس سے بڑی اور کوئی دولت انسان کو نہیں مل سکتی۔ اب دیکھو لوگ ولایت کو جاتے ہیں، پیروں فقیروں کے پیچھے جاتے ہیں، مؤکلات کے پیچھے جاتے ہیں، اور اللہ نے اپنے بندوں کی نشانی ہی کچھ اور رکھی ہے اور جو نشانی رکھی ہے وہ Practical ہے، In life ہے وہ خارجی نہیں ہے۔ وہ کوئی ایسی نشانی نہیں ہے کہ جس کے لیے آپ کائنات سے باہر کی آرزو رکھو۔ وہ آپ کی زندگی کے ہر لمحے کو پیش آنے والی حقیقت ہے اور وہ کیا ہے؟ کہ خداوند کریم فرماتے ہیں:

"الا ان اولیآء اللہ لا خوف علیہم" (یونس:۶۲)

اگر میرے دوستوں کا تمہیں پتہ نہیں لگتا ہے تو میں تمہیں ان کی پہچان بتا دیتا ہوں کہ نہ تم ان پر خوف دیکھو گے، نہ حزن وملال دیکھو گے۔ اس لیے کہ ان پر اس قسم کی کیفیات آ نہیں سکتیں.... کیونکہ "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" ہر وقت ان کے دل میری یاد میں ہوتے ہیں اور میری یاد کی وجہ سے دل مطمئن ہیں اور جس کا دل میری یاد کی وجہ سے مطمئن ہے، اس کو حزن وملال سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ تو اللہ کے اولیاء کی واحد پہچان خوف اور حزن سے آزادی ہے۔

سوال: آپ نے فرمایا ہے کہ انسان اگر گناہ کرے اور پھر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے لیکن اگر توبہ کرنے کے بعد وہ دوبارہ وہی گناہ کر لے اور پھر سچے دل سے توبہ کر لے تو ایسے شخص کی توبہ کیا حیثیت رکھتی ہے اور گناہ گار کو کیسے یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کر لی ہے؟

جواب: حضرت امام جعفر صادقؒ نے کہا کہ توبہ آسان ہے ترک گناہ مشکل ہے۔ غور کیجیے گا کہ کیا بات ارشاد فرمائی انہوں نے۔ بعض اوقات ایک گناہ اتنا ثقیل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

"ثم قست قلوبکم من م بعد ذلک فہی کالحجارۃ او اشد قسوۃ"

کہ ایسے لوگ موجود ہیں، ایسی قساوتِ قلبی والے، کہ دل اتنے شقی اور اتنے ظالم ہو جاتے ہیں کہ پتھروں سے زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

"وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانہار" (البقرۃ:۷۴)

اور ایسے پتھر موجود ہیں کہ جن سے نہریں پھوٹ جاتی ہیں۔ خدا کی محبت کی نہریں ....

"وان منہا لما یشق یخرج منہ الماء"

ایسے بھی پتھر موجود ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان سے خدا کی خشیت کے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ ہوائے قلبِ انساں! کہ اتنا شقاوت والا ہے، اتنا قسی القلب ہے کہ اس پہ ہزار جملے ہوں کارگر نہیں ہوتے۔ ایسے سخت گناہ بھی ہوتے ہیں کہ جو ایک بار کی توبہ سے نہیں جاتے۔ اسی لیے حضرت امام نے فرمایا کہ ترک گناہ مشکل ہے اور توبہ آسان ہے۔ حضرت سید نا علی بن عثمان ہجویریؒ نے فرمایا کہ ایک ولی سے بھی گناہ کبیرہ کا ارتکاب ممکن ہے بلکہ ستر گنا زیادہ ممکن ہے اور

کیسی توبہ قبولیت کا نشان ہوگی؟ کہ بالآخر ایک ذہنی جدوجہد کے بعد، آپ اس گناہ کو کرتے ہوئے بھی اس کے قیدی نہیں بنتے۔ آپ کا احتجاجِ ذات، آپ کی خدا کی محبت کے تحت، آپ کا احساسِ تلافی سلامت رہتا ہے۔ اور آپ اس گناہ کو کرنے کے باوجود غیر مطمئن رہتے ہو اور آپ کے احساس کی توبہ اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ You are not satisfied what ever you do. آپ جانتے ہو کہ آپ کمزور ہو۔ ایک جگہ توبہ کا مطلب گناہ کی معافی ہے اور ایک جگہ توبہ کا مطلب توفیقِ خداوند کا طلب کرنا ہے تا کہ اس کو استعانت ملے اور وہ اس گناہ پر غالب آئے۔ تو توبہ میں دونوں چیزیں شامل ہیں۔ توفیقِ الٰہی بھی شامل ہے اور بخشش بھی شامل ہے۔ اور توفیق کیا ہے:

”وماتوفیقی الا باللہ ط علیہ توکلت والیہ انیب“ (ھود:۸۸)

(اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔)

اگر اللہ پر انسان کو بھروسہ ہے اور ہر خطا کے وقت اس کی رجعت اللہ کی طرف ہے تو یہ توفیق ہے جو توبہ کا مستقل حصہ ہے۔

سوال: ایک شخص احکامِ الٰہی کی بجا آوری نہیں کرتا مگر مزارات اور درگاہ پر حاضری دیتا ہے اور اپنی حاجات کی تکمیل چاہتا ہے۔ اس شخص کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟

جواب: ”خرِ عیسیٰ چوں بمکہ رود چوں بیاید ہنوز خر باشد“ بڑا مشہور محاورہ ہے کہ اگر گدھا مکہ چلا جائے تو انسان تو نہیں بن جائے گا۔ سو یہ عقل کا بحران ہے، مگر سوال کرنے والے صاحب کو بھی پتہ ہونا چاہیے کہ ہر انسان کی آگہی ان کے پاس نہیں ہوتی۔ آپ کو چونکہ انسان کے باطن کا نہیں پتہ اور کیا پتہ ہے؟ پطرس شاہ بخاری نے ایک بھونکتے ہوئے کتے پر ایک آرٹیکل لکھا تھا۔ اس میں ایک جملہ بڑا دلچسپ تھا۔ ”یہ تو صحیح ہے کہ بھونکتے ہوئے کتے کاٹا نہیں کرتے مگر کیا پتہ کہ کب کوئی کتا بھونکنا بند کر کے کاٹنا شروع کر دے۔“ تو میں آپ سے التجا کروں گا کہ بے عملوں پر زیادہ تنقید سے گریز کیا کرو کہ پوری زندگی Transition ہے۔ عرصۂ حیات ہے۔ پوری زندگی توبہ کے لیے ہے اور پوری زندگی پلٹنے کے لیے ہے۔ کوئی پندرہ سال میں پلٹ گیا، کوئی پچیس سال میں پلٹ گیا، کوئی تیس سال میں پلٹ گیا، کوئی پچپن میں پلٹ گیا۔ جب تک سکرات نہیں پڑتا تب تک، وصیت رسول ﷺ کے مطابق پلٹنے کا وقت قائم ہے۔ تو یہ کسی کو کیا پتہ کہ کوئی عبادت گزار کب عبادت بند کر کے اُدھر کا ہو جائے اور کب کوئی اس قسم کا جھوٹا پیروکار، جاہلِ مطلق، اپنی جہالت سے نکل کر خدا کو چل پڑے۔ اس لیے یہ رائے دینی مشکل ہو جاتی ہے، ہاں میں آپ کو ایک بات ضرور بتا سکتا ہوں۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے مروت کی تعریف کی ہے، ان مسلمان بھائیوں کے لیے اور اپنے لیے بھی۔ اس مروت کی تعریف کے مطابق آپ عمل کیا کریں۔ فرمایا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ”مروت کی تعریف یہ ہے کہ جب تو کسی گناہگار کو دیکھے تو پہلے خدا کا شکر ادا کر کہ تو اس گناہ سے بچا ہوا ہے۔ پھر اپنے اس بھائی کے لیے دعا کر کہ اللہ اس کو بھی اس خطا سے بچائے۔“ بس یہی رویہ آپ کا ہونا چاہیے۔

سوال: آپ نے اپنے کسی لیکچر میں فرمایا تھا کہ آخر زماں میں لوگ تسبیح کھائیں گے اور تسبیح اوڑھیں گے۔ یہاں تسبیح سے کیا مراد ہے؟

جواب: دیکھئے ذکر توانائی ہے۔ یہ میں نے نہیں کہا بلکہ رسول اللہ ﷺ سے جب حضرت اسماءؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا آٹا گندھا ہوا ہوتا ہے اور ہم انتظار کرتے ہیں کہ بھوک لگے اور بہت لگے، تو پھر ہم اسے پکا کر کھائیں، آج ہمارے ہاں رزق کی اس قدر کمی ہے کہ ہم سخت بھوک کے علاوہ اپنی روٹی نہیں کھاتے اور جو وقت آپ بتا رہے ہو یا رسول اللہ ﷺ! اس وقت تو کسی قسم کا کوئی رزق نہیں رہے گا اور ایک دانہ گندم سونے کے ڈھیر پہ فوقیت رکھے گا تو پھر لوگ اس وقت کیا کھائیں گے۔ تو فرمایا جس پروردگار نے انہیں تقدیس وتہلیل بخشی ہے اس سے ان کو توانائی زندگی بھی بخشے گا اور وہ خدا کی تسبیح پر زندہ رہیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ آج جو تسبیح میں اپنے سکون کے لیے استعمال کر رہا ہوں، جس یادِ خدا کو میں اپنے ذہنی اور قلبی سکون کے لیے پڑھ رہا ہوں، آخر یہ بھی تو مجھے کسی Crisis میں کام آنی چاہیے۔ مثال کے طور پر حضرت یونس بن متیٰؑ چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں رہے اور عفونت وگندگی کے سوا، غلاظت کے سوا، پیغمبر کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ اگر یونس تسبیح کرنے والا نہ ہوتا تو ہم قیامت کے دن بھی اسے مچھلی کے پیٹ سے اٹھاتے۔ تو تسبیح کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ حضرت یونس بن متیٰؑ کے لیے وہ نجات کا باعث بنی، پھر ان کی خوراک کا باعث بنی ہوگی، ان کی زندگی کا باعث بھی بنی ہوگی۔ ان کی نجات کا باعث بھی بنی اور نہ صرف ان کی نجات کا باعث بنی بلکہ جملہ مومنین اور مسلمین کے لیے نجات کا باعث بنی کہ خدا نے وعدہ کیا: اے یونس تو نے اس طرح جو مجھ سے دعا کی ہے۔ تو نہ صرف یہ کہ ہم نے تجھے غم سے نجات دی بلکہ ہر زمانے میں ہم تمام جملہ مومنین کو اسی کلمے کے توسط سے نجات دیں گے:

”لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین“ (الانبیاء:۸۷)

یہ رہتے زمانے تک ہر قسم کے المیے سے خدا نے نجات کا باعث بنایا ہے۔ سادہ سی بات ہے مشکل نہیں ہے، کلمے کے اندر کیا ہے؟ یہ تو اللہ جانتا ہوگا، مگر مطالب بڑے آسان ہیں کہ O, my Lord, God i've made a mistake, i'm sorry, please, Forgive me. That's all. کہ اللہ میاں تُو تو پاک ہے۔ تو غلطی نہیں کر سکتا۔ ایک اُدھر دلیل دی کہ تُو تو پاک ہے۔ میں نہیں ہوں۔ تجھ میں کوئی خطا نہیں۔ مجھ میں ہے۔ تو مانتا ہے کہ مجھ میں خطا ہے۔ میں نے کی ہے۔ میں تھا ہی خطاوار! میں نے خطا کر چھوڑی ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں I am sorry خدا کہتا ہے ”ٹھیک ہے یار! جاؤ دفع ہو جاؤ..........“

سوال: آپ کی زبان میں اتنی تاثیر کیوں ہے؟ کہ جی چاہتا ہے آپ بولتے رہیں اور ہم سنتے رہیں حالانکہ جمعہ کے دن مولوی صاحب کو منبر پر دیکھتے ہی نیند آ جاتی ہے۔

جواب: (قہقہہ) ہر چیز کا ایک Drive Motive ہوتا ہے۔ میں جب آپ کو توبہ کی بات سنا رہا ہوتا ہوں تو آپ یقین کریں کہ میں اس پر یقین رکھتا ہوں۔ میں جب آپ کو خدا کی محبت کی کوئی بات سنا رہا ہوتا ہوں تو میں اس پر یقین رکھتا ہوں اور میں جب آپ کو کوئی خطا کی بات سنا رہا ہوتا ہوں تو میں خطا پر یقین رکھتا ہوں۔ اس لیے کہ میرے اپنے نزدیک انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا اپنا تکبرِ علمیہ ہے۔ اس کے تقدس کی بات ہے۔ اللہ قرآن حکیم میں بری طرح تقدس کو نظر انداز کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ”تم کون ہو؟ جو مقدس بنے پھرتے ہو۔“ ابھی آپ دیکھو کہ ہم کسی پیر فقیر کے پاس

چلے جائیں تو وہ نوعروس دلہنوں کی طرح وزنی ہو جاتا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ حضرت کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے ہیں۔ بڑے بوجھل، بڑی نازکیت سے اٹھیں گے۔ بڑے Pattern بنائیں گے۔ ایک پلک اٹھانے کے لیے بھی شاید منوں بھاری کرین چاہیے ہوتی ہے۔ اس قدر رازوادا سے بزرگ چلتے ہیں کہ خیال آتا ہے کہ اس منزلِ تقدس تک پہنچنا میرا آپ کا کام بالکل نہیں ہے۔ اوپر سے، ہزاروں دعوے ہم رکاب، کہ ہم لوحِ محفوظ دیکھ رہے ہیں یا دیکھ چکے ہیں یا ہم آپ کے ظاہر و باطن سے آشنا ہیں۔ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ موٴکلات کی وجہ سے دردِ گردہ کا علاج کرتے تھے تو مجھے آخر میں پتہ چلا کہ وہ فیلِ گردہ سے مر گئے۔ ابھی کچھ دنوں کی بات ہے تو مجھے تعجب ہوا کہ اگر اور کسی کا نہیں تو کم از کم اسی بیماری کا علاج کر چھوڑتے اپنی ذات کے لیے۔

ہر دعویٰ مکروہ ہے۔ خدا کی طلب میں ہر دعویٰ مکروہ ہے۔ نہ صرف مکروہ ہے بلکہ تکبرات کی، کبریائی کی، ایک چادر ہے جسے اللہ کبھی پسند نہیں کرتا۔ Mystic نہ کبھی دعویٰ کرتا ہے۔ نہ وعدہ کرتا ہے۔ اس بیچارے کو پتہ ہے کہ نہ میں وعدہ پورا کرنے پر قادر، نہ دعویٰ کرنے پر قادر ہوں۔ جو کمزور ترین ہے وہ خدا کے قریب ترین ہے۔ آپ کی زندگی کو کیوں خارج کر دیا بزرگانِ ملت نے؟ کیوں نہیں انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ ہر وقت اللہ کو یاد کر سکتے ہو؟ اللہ میرے لیے بنا ہے! اس نے مجھے اپنے لیے بنایا ہے۔ میری زندگی کا مقصد، میرے وجود کا، اس دنیا میں آنے کا مقصد ہی اس نے یہ رکھا۔ اس نے پوری نسلِ انسان کو خطاب کر کے کہا:

”انا ھدینہ السبیل اما شاکرًا واما کفورًا“(الدھر:۳)

(بے شک ہم نے اسے راہ دی چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کر دو۔)

یہ مجھ سے خطاب ہے یہ آپ سے خطاب ہے، ہر فرد و بشر سے خطاب ہے اور اگر ہر انسان کی اہلیت نہیں ہے خدا کو پہنچانا تو پھر قبر میں سوال کیوں ہے من ربک؟ مجھ سے نہ پوچھے۔ آپ سے نہ پوچھے۔ کچھ لوگوں کو چھوڑ دے۔ کچھ لوگوں سے کہے، تم تو ان پڑھ ہو یار۔ تم تو ساری عمر سبزی بیچتے رہے۔ تم نے تو آلو چھیلے ہیں۔ تم تو ریڑھا چلاتے رہے ہو۔ تم نے کون سا Horward اور Oxford میں پڑھا ہے کہ تم ان سوالوں کا جواب دو گے۔ تم تو Academics کے بندے ہی نہیں ہو۔ تو بندہ کہتا۔ پروردگار! جب تو نے مجھے ایک لفظ بھی پڑھنے کی توفیق نہیں دی، تو مجھ سے وہ سوال کیوں پوچھتا ہے جو پروفیسر احمد رفیق اختر سے پوچھتا ہے۔ میرا کیا قصور ہے اس میں۔ یا تو خدا بے انصاف ہے کہ Same question, from all of the people. یہ کبھی ہو نہیں سکتا۔ نا انصاف نہیں ہے اللہ۔ اللہ تو نام ہی انصاف کا ہے۔ تو اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ چاہے کوئی ان پڑھ ہے یا پڑھا لکھا، چاہے کوئی بے وقوف ہے، دانا ہے یا نادان۔ اگر کوئی اور صفت اس میں ہے یا نہیں ہے، ایک اہلیت اس میں ضرور ہے کہ وہ خدا پہچان سکتا ہے ورنہ پھر خدا صاحبِ انصاف نہ ٹھہرے۔ اگر ہر شخص سے یہی سوال پوچھے گا: من ربک؟ تو پھر اس کی اہلیت بھی اس نے ہر فرد و بشر کو دی کہ وہ اس سوال کا جواب ضرور دے سکتا ہے کہ خدا کون ہے اور میرا اس سے کیا رشتہ ہے۔ جب آپ اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں تو پھر آپ صوفی ہیں نا۔ آپ اللہ کے بندے ہیں۔ آپ اللہ کی مخلوق ہیں۔ آپ حقِ خداوند ادا کر رہے ہیں اور جو حقِ خداوند ادا کر رہا ہو اس پر کیسے عذاب آ سکتا ہے۔

جس نے ایک دفعہ دل سے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا اس پر دوزخ کی آگ ہمیشہ کے لیے حرام کر دی گئی ہے۔ میں تو حرام نہیں کر رہا۔ میرا بھی دل چاہتا ہے۔ میں بھی منتقم ہوں۔ میں ساری عمر جب ایک بے نماز کو دیکھتا ہوں، میرا دل بڑا غضب میں جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں "یا اللہ! ایہہ کی دوے برابر۔ اسیں مار کھا کھا کے وی او تھے۔ انہیں نہ پیاز کھادے نہ جوتیاں کھادیاں۔ ایہہ وی اے انعام دا مستحق۔" تو مجھے ناانصافی لگتی ہے کہ ایک بے عمل بھی جنت میں پہنچے، ایک باعمل بھی جنت میں۔ مگر کیا آپ کے پاس کوئی ایسا توازن موجود ہے جو اعمال کے علاوہ نیات کو بھی پرکھ سکے۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنے تمام تر عمل کے باوجود بھی اس شخص کی ادنیٰ سی نیت کو بھی نہ پہنچ سکوں جو، وہ خدا کے لیے رکھتا ہے۔ تو انجام کار فیصلہ صرف ایک کوالٹی پر نہیں ہوتا۔ دیکھئے جب Debate ہوتی ہے اور مقرر کھڑے ہوتے ہیں تو ممتحن کے پاس صرف ایک خانہ تو نہیں ہوتا۔ اس کے پاس اگر صرف ایک خانہ ہو کہ صرف شکل وصورت پر انعام دینا ہے تو بڑی جلدی دو منٹ کی Speech کے بعد فیصلہ ہو جائے۔ بھلا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دس آدمی ایک کو خوش شکل نہ سمجھیں۔ شکل تو سب کو بھا جائے گی۔ سب جانتے ہیں کہ کون کتنا ہینڈسم ہے مگر وہاں تو کچھ اور بھی لکھا ہوتا ہے کہ شکل کے علاوہ انداز بیان بھی دیکھنا ہے۔ جب انداز بیان دیکھ لیا تو مواد و فکر بھی دیکھنا ہے اور جب مواد بھی دیکھ لیا گیا تو Over all grasp of the subject بھی دیکھنا ہے۔ ان پانچ Heads کے تحت جو سب سے بہتر نکلے گا وہ، بہترین مقرر کہلائے گا۔ خالی اعمال پہ Judgement نہیں ہوگی اور بہت سے Heads ہیں اللہ کے پاس۔ چھوٹے چھوٹے۔ جب مارکس شیٹ بنے گی نا، تو کوئی پتہ نہیں، ایک بے نماز کیا پایا جائے اور کوئی نماز والا کیا پایا جائے۔ مگر خدا بے انصاف نہیں ہے۔ خلوصِ دل سے اور نیت سے ان احکامات پر عمل کرنے والے کو جو خدا کے ہیں، یقیناً انعامات سے نوازا جائے گا اور ساتھ ساتھ تھوڑی سے مشقتوں کے بعد ان اچھے احساسات والوں کو بھی نوازا جائے گا۔

قیامت کے دن جب آخری شفاعت کے لیے حضور ﷺ جائیں گے تو پھر بھی کچھ لوگ جہنم میں بچ رہیں گے تو حضور فرمائیں گے۔ "پروردگار! آپ نے تو مجھ سے حتمی شفاعت کا وعدہ کیا تھا۔ ابھی بھی کچھ لوگ جہنم میں موجود ہیں۔" اللہ فرمائے گا۔" اے میرے پیغمبر! اے میرے شفیع! میں نے آپ سے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ اب تیری امت میں سے کوئی ایسا شخص جہنم میں موجود نہیں ہے کہ جس کے لیے شفاعت درکار ہو۔ اب صرف ایسے لوگ جہنم میں موجود ہیں جن کو کتاب نے روک رکھا ہے" یعنی جنہوں نے خدا کا انکار کیا، اس کے احکام کا انکار کیا، خدا کے رسول کا انکار کیا، ان کے علاوہ تیری امت میں سے کوئی جہنم میں باقی نہیں ہے۔"

ایسے شخص کی اطاعت اور محبت..... آقا و رسول ﷺ نے فرمایا "اللہ معطی و انا قاسم" (اللہ عطا فرمانے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔) پھر اگر کسی شخص سے یہ پوچھا جائے کہ اللہ کتنے ہیں اور وہ کہے، ایک اور پھر اگر اس سے پوچھا جائے کہ اللہ کے بعد کس سے سب سے زیادہ محبت رکھتا ہے اور وہ کہے، محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ، تو ایمان پورا ہو گیا۔

سوال: امام مہدی کے بارے میں بتائیں کہ اصلی امام مہدی کب آئیں گے اور لوگ انہیں کیسے پہچانیں گے؟

جواب: املی کی قید بڑی سخت ہے ویسے۔ بات یہ ہے کہ آپ لوگوں نے مہدی کو بہت سر چڑھا رکھا ہے۔ یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ اگر میں بخاری کی حدیث دیکھوں تو مہدی ایک بڑا نیک، شریف اور مخلص سا آدمی ہے۔ بخاری کی حدیث جو صحیحین سے Confirmed حدیث ہے ہمارے پاس کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمانۂ آخر میں میری امت کا سردار ایک نیک آدمی ہوگا اور میرے خیال میں یہی جائز تعریف ہے۔ مہدی کے ساتھ جو آپ نے Super Natural صفات منسوب کر رکھی ہیں وہ غلط ہیں۔

زمانۂ آخر کے جو Patterns میں دیکھ رہا ہوں، اس میں مجھے پوری طرح یہ احساس ہے کہ جب امتِ مسلمہ کسی فردِ واحد پر اتفاق کرے گی اور وہ ظاہراً اور باطناً شریعت پر عمل پیرا ہوں گے، تو وہی مہدی ہوں گے۔ مہدی ایک Title ہے، جو اس شخص کے لیے مخصوص ہے جو زمانۂ آخر میں مسلمانوں کی قیادت فرمائیں گے۔ اس میں کوئی اچنبھا نہیں ہے۔ جو Crisis اب ہم دیکھ رہے ہیں اور جو ظلمت چلی آ رہی ہے مسلمانوں کے سر پر۔ اس میں ابھی دو بڑی جنگیں باقی ہیں بلکہ تین جنگیں باقی ہیں۔ ایک جنگ Middle East میں ہے کہ جس میں دشمن خانہ کعبہ پر چڑھ جائے گا اور قربانی بند کر دی جائے گی۔ اس کے بعد دشمن کو مدینہ پر حملے سے پلٹایا جائے گا اور دمشق میں جو جنگ ہوگی۔ اس میں جو مسلمانوں کی قیادت کریں گے ان کو مہدی کہا گیا ہے۔ اس میں اثنا عشری اور سنی مؤقفات الگ الگ ہیں۔ اثنا عشری امام مہدی کو امام غائب اور حاضر بیک وقت مانتے ہیں کہ وہ کبھی مرے نہیں ہیں۔ ہر وقت وجود میں ہیں اور ہر زمانے میں ہیں مگر غیاب میں ہیں، جو زمانۂ آخر میں اولادِ حضور ﷺ میں ہوں گے۔ اور اہل سنت والجماعت یہ سمجھتے ہیں، اس میں ان کی دو Interpretations ہیں کہ وہ اولادِ فاطمہ وعلی میں سے ہوں گے اور اس بارے میں ایک حدیث ناطق بھی موجود ہے۔ اصل میں اگر آپ غور کریں تو یہ بے معنی ہو جاتا ہے کہ وہ کس کی اولاد ہوں گے۔ یہ ہمارے لئے اس وقت وزن ہی نہیں رکھتا کہ وہ پہلے سے زندہ ہیں یا نہیں ہیں۔ ہمارے لیے جو سب سے بامعنی بات ہے وہ ایک خوشخبری ہے کہ زمانۂ آخر میں ایک نیک اور اعلیٰ ترین صفات کے مالک مسلمان کی قیادت میں امتِ مسلمہ دجال کے خلاف کامیابی حاصل کرے گی۔ دشمنوں کے خلاف، دجال کے خلاف اور اتحادیوں کے خلاف جنگ کریں گے۔ دو جنگوں کی شکست کے بعد تیسری جنگ میں مسلمانوں کو مکمل فتح حاصل ہوگی۔

سوال: آپ کی گفتگو سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے زمانۂ آخر کی دہلیز تک ہم پہنچ چکے ہیں۔ اگر ہم میں سے کچھ نوجوان جو زمانۂ آخر کو پائیں تو ان کے لیے آپ کچھ نصیحت فرمائیں گے؟

جواب: آپ کو کہہ دیا کہ زمانۂ آخر میں خوراک کا بہت شدید بحران ہوگا۔ تسبیح نہ چھوڑنا اور دوسری بات کہ میں سمجھتا ہوں کہ ہم میں سے بہت سے، زمانۂ آخر کو پائیں گے۔ اس لیے کہ حضورِ گرامی مرتبت نے فرمایا کہ اب زمانے بہت سمٹ گئے ہیں۔ پہلے صدیاں بڑی مشکل سے گزرتی تھیں۔ اب صدیاں لمحوں میں گزر رہی ہیں۔ انسانی Grasp اتنی Fast ہو گئی ہے کہ جو بڑے بڑے ثبوت تھے قیامت کے، پہلے اس بڑی جنگ (1) کے وہ قریباً قریباً سارے مشہود ہو گئے ہیں۔ اس میں سب سے بڑا ثبوت تھا، انسان کی تخلیق کا، اور کلوننگ سے ایک سال پہلے بدقسمتی سے، میں نے ہی سیالکوٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس وقت سمجھنا، کہ دجال ظاہر ہو گیا ہے، جب بڑی جلدی، Man will be able to create an exact replica of a human being. اتفاق سے اس کے تین یا چھ ماہ بعد کلوننگ آ گئی۔

احادیث آ کر، واقعات میں منطبق ہو گئیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دجال ایک ملک پہ حملہ آور ہو گا اور اس کے ایک ہاتھ میں خوراک اور ایک ہاتھ میں آگ ہو گی۔ جو اسے مانیں گے، اس پر خوراک پھینکے گا اور جو اس کا انکار کریں گے ان پر آگ برسائے گا۔ اب آپ غور کریں کہ اس حدیث کو منطبق کرنے کے لیے کہیں دور نہیں جانا پڑتا(a)۔ اس طرح ہم بہت سارے شواہد ملا کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم زمانۂ آخر کی دہلیز تک پہنچ چکے ہیں۔ آج میں آپ کو ایک بڑے پتے کی بات بتاتا ہوں، کاش کہ پہلے بھی کسی عالم نے اس بات کی وضاحت کی ہوتی۔ آپ کو پتہ ہے کہ حدیث کہتی ہے کہ جب تمہیں دجال کے بارے میں یا اس کے اثر سے آگہی یعنی ہو تو سورہ کہف کی پہلی دس آیات پڑھنا اور لوگوں نے اسے دم سمجھا، تعویذ سمجھا، کہ جب دجال آئے گا تو ہم سورہ کہف کی پہلی دس آیات بازو پر باندھ لیں گے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ اگر سورہ کہف کی پہلی دس آیات آپ پڑھیں تو اس میں صرف Christians کا ذکر ہے کہ یہ لوگ خدا پر بہت بڑا بہتان باندھتے ہیں۔ اللہ کی کوئی اولاد، کوئی بیٹا نہیں ہے، اور یہ تکبرات میں شامل ہیں اور ان کو غرور ہے اور ان کو تجاہل ہے اور یہ بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں جیسے حضرت دانیال نے اپنے مکاشفے میں کہا کہ جب یہ چھوٹا سینگ بڑا ہو گا تو یہ بڑے گھمنڈ کی باتیں کرے گا اور اجرامِ فلکی میں دراندازی کرے گا اور یہ مقدسوں کو رسوا کرے گا اور دائمی قربانی کو بند کرے گا۔

یہ چار علامات دجال میں موجود ہوں گی اور ظاہر ہے آپ اخبار تو پڑھ رہے ہوں گے۔ اب مشہور ہو گئی ہے Compaign کہ حج سازش کی جگہ ہے، مسلمان اس کو مت جایا کریں، کم کریں اور کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈا جائے گا، حج کو بند کرنے کا، تو میں سمجھتا ہوں کہ دجال بڑا واضح ہے۔ کوئی نرالا نہیں ہے کوئی عجیب نہیں ہے اور دجال کی ایک آنکھ روشن ہے، دنیوی ترقی اور تمدن کی۔ یہ خدائی کے رستے نہیں جانتا۔ یہ صرف اپنی طاقت پر غرور اور گھمنڈ کی باتیں کرتا ہے اور بہت بڑی بڑی باتیں کرتا ہے۔

آج کی آپ کو خبر سناؤں..... کل کی خبر یہ تھی کہ مسلمان کہتے تھے کہ ہم شہادت کے طلب گار ہیں اور شہادت تک لڑیں گے تو جنرل مار1 نے اس کے جواب میں ایک بڑی مزے کی بات کہی ہے کہ جس سے High degree repulsive attitude towards Islamic instititions. ظاہر ہوتا ہے۔ اس نے کہا، ہاں! ہاں! ان کو شہادت کا بڑا شوق ہے۔ ہم ان کو شہادت تک ضرور پہنچائیں گے۔ تو یہ بڑا Sarcastic Remark ہے اور ان کو اسلام کے ہر Institution سے بغاوت کی بو آتی ہے۔

جہاد کی جو پہلی بات ہے کہ خواہ وہ اپنے گھر کا ہو یا باہر کا، جب بھی کوئی نمرود وہامان وشداد اٹھا تو اس کے خلاف کلمہ حق سربلند کرنے والا بھی کوئی کہیں نہ کہیں پیدا ہوا، تو دجال ہر زمانے میں ہوا ہے اور ہر زمانے میں مہدی ہوتے رہے اور انشاء اللہ تعالیٰ حقیقی دجال کے مقابلے میں بھی حقیقی مہدی کہیں منتظر ہوں گے۔

سوال: اللہ کی محبت کے ساتھ ساتھ عشقِ رسول کو کس طرح اور کن کن تسبیحات کے ذریعے پکا کیا جا سکتا ہے؟

جواب: خدا اور رسول کی محبت میں تفریق اور جدائی ہو ہی نہیں سکتی۔ کسی Pattern میں نہیں ہو سکتی۔

حضرت کعبؓ حاضر ہوئے حضورِ گرامی کی خدمت میں۔ پوچھا ''اے کعب! کیا پڑھتے ہو۔'' فرمایا ''یا رسول

اللہ! میں یہ، یہ اور یہ تسبیحات پڑھتا ہوں۔" فرمایا" کعب! درود پڑھا کرو مجھ پہ۔" فرمایا" یا رسول اللہ! ایک تہائی کرلوں۔" فرمایا" کعب! اور پڑھا کرو۔" فرمایا" یا رسول اللہ! نصف کر دوں۔" فرمایا حضور ﷺ نے" اور پڑھ لو۔" فرمایا کعب نے" یا رسول اللہ ﷺ میں درود ہی نہ پڑھا کروں۔" فرمایا" کفایت کرے گا۔" تو درود کی فضیلت تو یہ ہے کہ یہ تسبیح تسبیحات ہے اور دورود کا اصل مطلب جو ہے۔ وہ یاد ہے---محبت کی یاد---اور یہ جو آپ دیکھتے ہو کہ اللہ اور اس کے ملائکہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے ملائکہ محمد ﷺ کو یاد کرتے ہیں۔ سو آپ بھی اپنے رسول کو یاد کرو۔ ادھر اللہ نے اپنے بارے میں حکم دیا:

"فاذکرونی اذکرکم" (بقرۃ:۱۵۲)

(جو مجھے یاد کرے گا میں اسے ضرور یاد کروں گا۔)

ایک اللہ کے ولی سے کسی نے پوچھا کہ یار! یہ جو طویل اور بے ہنگم قسم کی تسبیح تم لیے پھرتے ہو تو کیا خدا بھی تم کو یاد کرتا ہے کہ نہیں۔ تو اس نے کہا کہ اے جاہلِ مطلق! میں اللہ کے وعدے پہ اعتبار نہ کروں اور تیری بات پر کروں۔ جب وہ قرآن میں کہتا ہے کہ جو مجھے یاد کرتا ہے میں اسے ضرور یاد کرتا ہوں۔ میری یاد تو ناقص ہے، فضول سی ہے، لذاتِ دنیا میں، ہزار Interests میں الجھی ہوئی یاد ہے۔ لیکن جب اللہ مجھے یاد کرے گا تو یقیناً میری ذات کے اندر اور باہر ضرور اس کا بے پناہ فرق پڑے گا۔ جب وہ مجھے یاد کرے گا تو میں اپنے آپ پہ ناز کرنے کے قابل ہوں گا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی یاد، اور اللہ کی یاد، یہ درود میں آ کر مکمل ہو جاتی ہے۔ لوگ یہ دورد پڑھتے ہیں "صلی اللہ علیہ وسلم۔" یہ ناقص اور غلط ہے اور جن بزرگوں نے یہ تلقین کیا، ان کو مطلب سمجھ نہیں آیا۔ درود کا تو مطلب ہی بیک وقت اللہ اور رسول کے نام کی تلاوت کرنا ہے۔ اللھم صل علی محمد۔ تو جوں جوں یہ پڑھا جائے گا، اللہ کا اسمِ گرامی آپ کی زبان پر آئے گا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا اسمِ گرامی آپ کی زبان پر آئے گا اور حضور فرماتے ہیں، جس نے میرا نام لیا اور مجھ پر سلام نہ پڑھا وہ بخیل ہے۔ اب دیکھیے! درود پڑھنے والا بخیل کیسے ہو سکتا ہے؟ فطرتِ انسان کو بدل دے گا درود۔ رحمتِ کبریا اس کے شاملِ حال ہوگی۔ رحمت اللعالمین کی دعا ان کے شریک ہوگی۔ البتہ تسبیحات میں ہم اس کی تلقین کم کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہر تسبیح کے خلاف ایک Mechanism کھڑا ہوتا ہے۔ جیسے "رحمان" کے خلاف غضب کھڑا ہے۔ جیسے "شکور حلیم" کے خلاف "احضرت الا نفس الشح" کھڑی ہے۔ اسی طرح درود کے خلاف بعض اوقات انسانی ذہن میں sacrilege کے خیالات ابھرتے ہیں اور ایک عام انسان جس کا اچھا ذہن نہیں ہے تو درود پڑھتے ہوئے وہ Guilt کا شکار ہو جاتا ہے۔ تو درود آخری تسبیح ہے اور اللہ کی یاد میں اس کو ایک معتبر ترین مقام حاصل ہے اور محبتِ خدا و رسول دونوں کے لیے درود کافی ہے۔

سوال: آپ نے فرمایا کہ "صلی اللہ علیہ وسلم" جو لوگ پڑھتے ہیں تو یہ ناقص ہے۔ اس بارے میں مزید وضاحت فرمائیے اور جو لوگ Counting میں اضافے کے لیے یہ درود پڑھتے ہیں تو کیا یہ درست ہے؟

جواب: زبان و بیان کے لحاظ سے یہ درود "صلی اللہ علیہ وسلم" کسی تکمیل یا Completion کا احساس نہیں دیتا۔ تو چونکہ "صلی اللہ علیہ وسلم" Generally آپ تمام پیغمبروں اور ان کی اولاد کے لیے بھی بھیج سکتے ہو اور اللہ

تعالیٰ درود و سلام اپنے پیغمبروں پر بھیجتا رہتا ہے، مگر ہمارے لیے درود کی تخصیص یہ تھی کہ ہمیں اپنے نبی ﷺ کا اسمِ گرامی لینے کا بھی شرف حاصل ہو اور اللہ کا نام لینے کا بھی شرف حاصل ہو۔ تو ایک شخص جو درود پڑھتا ہے اور ان ناموں کو چھوڑ بھی دیتا ہے تو وجہ یہ بھی پوچھنی چاہیے کہ آپ ان دونوں ناموں کو لینے سے کیوں گریزاں ہو۔ جب دوسری طرف Negatively دیکھیں گے کہ آخر کیوں آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہنے سے گریز کر رہے ہو۔ اور آپ کو اختصار کیا پڑ گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اکتفا کر بیٹھے ہو۔ جو کسی قیمت پر تسلی بخش نہیں ہے۔ بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ جب نامِ گرامی محمد ﷺ لیا جاتا ہے تو اگر آپ غور کریں، تو یہ نام لینے میں ہماری زبان دو مرتبہ Dip کرتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس نام کو جب تک آپ چومو نہیں، یہ ادا ہی نہیں ہوتا۔ ''محمد ﷺ۔'' تو جب محمد ﷺ ادا کریں تو خود بخود ہونٹ ایک دوسرے کو چومتے ہیں۔

اور بعض لوگ جو Counting میں اضافے کے لیے اگر یہ اختصار کرتے ہیں تو میرے خیال میں عقیدت اور محبت میں Counting اتنی Respectable نہیں گنی جاتی۔ مگر جب Counting کے لیے بھی اختصار کرنا ہو تو اس کے کچھ معانی ہونے چاہئیں، جیسے درود لکھی ہے کہ جس کو پڑھتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ اے اللہ! درود بھیج اپنے رسول پر بمقدار کہ جتنے تمام دنیا کے اشجار کے پتے ہیں یا جتنے سمندروں اور دریاؤں میں پانی کے قطرے ہیں۔ مگر اگر آپ غور کریں تو اس سے بھی بڑی تعداد کا خیال ذہن میں آتا ہے۔ مگر شاید یہ اس طرح نہ ہو جس طرح ہم سوچ رہے ہوتے ہیں۔ یہ اس طرح ہو جیسے حضورِ گرامی مرتبت نے فرمایا کہ تم اتنی بڑی تسبیح جو لے کے بیٹھے ہو تو انہوں نے حدیث میں بتایا کہ میں تو تین مرتبہ پڑھنے سے بھی اتنا ہی ثواب پا لیتا ہوں جتنا تم ایک لاکھ مرتبہ پڑھنے سے پاتے ہو۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ تین مرتبہ پڑھ کے فارغ ہو گئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تین سو مرتبہ پڑھیں گے تو آپ ثواب کا سوچ سکتے ہو کہ کتنا زیادہ ہو گا۔

مگر یہ تو کہیں بھی نہیں آیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے نام درود سے نکال کر اسے پڑھیں بلکہ جس درود کو بھی آپ بہتر پائیں گے اس میں اسمِ گرامی کو لینا ضرور پسند کیا گیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ میں تو ضرور پسند کروں گا۔ بعض اوقات ہم تھوڑی سی کمی کر سکتے ہیں جیسے یہ ہے کہ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث۔ اگر ایک شخص کہے کہ یا حی یا قیوم یا حی یا قیوم.... کئی دفعہ کہنے کے بعد وہ ایک دفعہ کہہ لے: برحمتک استغیث تو یہ اختصار قابلِ قبول ہے۔ مگر اگر کوئی شخص یہ کہتا جائے کہ برحمتک استغیث۔ برحمتک استغیث.... تو کیا Sense بنے گی؟ جب تک وہ نام آپ نہ لیں جو جملے کی اساس ہیں، یا کسی کیفیت کی، تو اس کے بغیر آپ کا اختصار بامعنی نہیں ہوتا۔

ایمان: خوف یا اُمید

اعوذ باللہ السمیع العلیم ط من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
رب ادخلنی مدخل صدقٍ و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا

خواتین وحضرات! یاد کرنے والے کو یاد کرنا سنتِ اللہ ہے۔ آپ یاد کرتے ہیں تو سنتِ کریم کے مطابق میرے دل میں بھی آپ کی یاد آتی ہے۔ مختصراً جب میں ادھر آ رہا تھا تو استاد ''ذوق'' کا ایک شعر مجھے بہت یاد آ رہا تھا کہ:

؎ اے ذوق کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

خواتین وحضرات! آج کا موضوع اس لحاظ سے انوکھا ہے کہ ایک طرف اس کے Practical Aspects ہیں اور دوسری طرف اس کے انتہائی ذہنی اثرات ہیں۔

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ایمان کیا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہی اس بات کا یقین ہوسکتا ہے کہ ایمان خوف ہے یا امید۔ اتفاق سے یوں تو آپ کو Dictionary Definitions بہت نظر آئیں گی ایمان کی، مگر رسولِ گرامی مرتبت ﷺ نے جو ایمان کی تعریف فرمائی مختصر اور جامع ہے۔ فرمایا: ''ایمان قول وفعل ہے۔'' اگر ایمان قول وفعل ہے تو افعال کے بارے میں ایک اور حدیث موجود ہے کہ ''انما الاعمال بالنیات'' اگر ان دونوں احادیث کو جمع کریں تو مختصراً ایمان کی Definition یہ بنتی ہے کہ:

''نیت، فعل اور قول ان تینوں کی یکجائی کو ایمان کہتے ہیں۔''

ایمان Transitional ہے، وقتی ہے اور اس میں Permanence اس وقت آتی ہے کہ جب آپ دہانۂ مرگ میں ہوں، سکرات کا عالم ہو اور زندگی رخصت ہونے کو ہو اور نئے اندازِ زندگی روشن ہو رہے ہوں اور پھر بھی آپ کو خدا پر یقین ہو تو آپ نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔ حدیثِ رسول ﷺ ہے فرمایا: جس نے زندگی میں دل سے ایک بار لا الہ الا اللہ کہا اور موت تک اس پر قائم رہا تو یہ ایمان ہے۔

خواتین وحضرات! اسلام کے برعکس کہ جو ایمان کی وجوہات کے بغیر بھی قائم رہ سکتا ہے اور اسلام پہ ہونے کے باوجود لوگ جہنمی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اسلام میں بعض اوقات نفاق کی شدید علامات پائی جاتی ہیں۔ اللہ نے قرآن

حکیم میں ارشاد فرمایا: ”لیس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من امن بالله واليوم الاخر“ (البقرہ: ۱۷۷) (اگر تمہارے منہ مشرق کو ہوں یا مغرب کو ہوں۔ تمہاری نمازیں قبلہ کو ہوں یا غیر قبلہ کے ہوں اس وقت تک تم درستگی سے آدابِ محفلِ خداوندی ادا نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اللہ پر ایمان نہ لاؤ)۔ وہ تمام عبادات جو خدا کی شناخت کے بغیر ہیں، خدا کی محبت کے بغیر ہیں، خدا کے لیے اخلاص کے بغیر ہیں، اس اسلام کو اتنی واضح طور پر نجات حاصل نہیں ہے جیسے کہ Usually ہم لوگ سمجھتے ہیں۔

حدیثِ رسول ہے۔ حضور ﷺ ایک بار مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے بارے میں میں نے یہ خیال کیا کہ یہ مومن ہے اور حضور ﷺ اس کو کچھ بھی نہیں دے رہے۔ تو میں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو مومن ہے، رسول اللہ نے فرمایا، بلکہ مسلم کہو۔ تھوڑی دیر بعد حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ میرا گمان تو یہ ہے کہ یہ مومن ہے۔ فرمایا، مسلم کہو۔ جب تیسری مرتبہ حضرت سعدؓ کو پھر چین نہ آیا اور فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ میرے نزدیک تو مومن ہے۔ فرمایا، بلکہ مسلم کہو پھر فرمایا کہ بعض اوقات تالیفِ قلب کے لیے ہم ایسے شخص کو مال دیتے ہیں کہ اگر اسے مال نہ ملے تو وہ خدا کے غضب کا شکار ہو جاتا ہے، وہ حسد اور کینے کا شکار ہو جاتا ہے اور باوجود اس کے کہ ہم بعض بندوں کو اچھا جانتے ہیں، اس کے باوجود میں ان کو غنیمت میں حصہ نہیں دیتا۔

خواتین و حضرات! قرآن حکیم میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اعراب جو تیرے پاس آتے ہیں یہ بڑا دعویٰ رکھتے ہیں ایمان کا، تو ان سے کہہ دو کہ ابھی وہ مومن نہیں ہوئے۔ تم صرف اسلام میں داخل ہوئے ہو اور اسلام میں داخل ہونے کا مطلب ایمان نہیں ہے۔ یہ ایک Inner Value ہے۔ یہ ایک انتہائی اعلیٰ ترین ذہنی قدر ہے۔ ایمان ایک ایسا یقین ہے، جس میں کوئی وسوسہ اور کوئی خدشہ نہیں ہے۔ ایمان اس ذہنی اعتقاد کو کہتے ہیں جو وساوس سے گزر جانے کے بعد، تنقید سے گزر جانے کے بعد، Scepticisim سے گزر جانے کے بعد، تمام شکوک و شبہات سے گزر جانے کے بعد، جب اللہ آپ کے لیے کنفرم ہوتا ہے تو پھر آپ صاحبِ ایمان ہوتے ہیں۔

خواتین و حضرات! اگر آپ کو ایمان کا ایک ذرہ بھی نصیب ہے تو پھر آپ کو کوئی خوف نہیں۔ ایک ایسی آنکھ — رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسی آنکھ جو اللہ کے لیے ایک آنسو بھی بہا دے۔ اس کے لیے نارِ دوزخ ہمیشہ کے لیے حرام کر دی گئی ہے۔ اس لیے کہ وہ آنسو اسلام میں نہیں ٹپکتا، وہ آنسو ایمان میں ٹپکتا ہے اور ایمان کی تین بہت بڑی اور Basic Conditions ہیں۔ اگر آپ دیکھیں تو وہ Conditions معاملاتی نہیں ہیں۔ وہ Conditions ایسی نہیں ہیں کہ جو نماز اور روزہ سے حاصل ہوں۔ ایمان کی پہلی شرط یہ ہے کہ:

حضرت محمد ﷺ کو اپنے جان و مال، اولاد، اقربا، ہر چیز سے بہتر اور قریب تر جانو۔

حضراتِ محترم! آج کے زمانے میں اسلام کے دو Basic Fundamentals ہیں اور وہ Fundamentals عباداتی نہیں ہیں ایک Fundamental ہے کہ خدائے واحد پر بحیثیت واحد کے یقین رکھنا۔ آپ دنیا کے کسی مسلمان کے پاس جائیں، سوائے ان لوگوں کے جو گھڑی بھر میں کفر یا شرک کا طعنہ دے دیتے ہیں، تمام مسلمان چاہے وہ کسی بھی طبقۂ خیال سے تعلق رکھتے ہوں اگر آپ ان کو ایک Straight سوال کریں کہ اللہ کتنے ہیں؟ تو وہ کہے گا، ایک — اور

جب کوئی شخص کہہ رہا ہو کہ اللہ ایک ہے تو پھر آپ اسے کسی بھی قیمت پر کافر یا مشرک نہیں کہہ سکتے اور یہ Fundamental تمام عالمِ اسلام میں ہے۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اللہ کو واحد نہ جانے، اللہ کو اکیلا، تنہا، احد نہ سمجھے۔ مگر دوسرا Fundamental جو امتِ مسلمہ کے لیے انتہائی لازم اور ضروری تھا— جیسے میں نے ابھی آپ کو شرطِ اوّل میں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے جان و مال واولاد، ہر چیز سے عزیز تر جاننا، وہ Fundamental پورے عالمِ اسلام میں موجود نہیں ہے۔ زیادہ تر لوگ خدائے واحد کے اقرار کے شائق ہیں اور لوگ اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ اللہ ایک ہے مگر محبتِ رسول جو ایمان کی بنیادی شرط ہے اور شرط بھی اس سطح کی کہ آپ کے جان و مال واولاد سے عزیز آپ کو رسول ہوں، یہ شرط سوائے Sub-Continent کے مسلمانوں کے کہیں موجود نہیں ہے بلکہ بعض اسلامی ممالک میں Deliberately محبتِ رسول کو Decadent Value سمجھا جاتا ہے۔ بعض مکاتبِ فکر کے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ ایک Local اور Temporal Messanger تھے اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کی اہمیت وہ نہیں رہی بلکہ بعض آج کے علما اپنی اہمیت میں اس وقت سے بھی زیادہ اہمیت پاتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ حاضر تھے۔

بہت سے مکاتبِ فکر جو جدید عملیات کی بنیاد پر استوار ہوئے ہیں وہ بدقسمتی سے محبتِ رسول کو فروغ نہیں دے رہے اور یہ محبتِ رسول ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا۔ ''اے عمر! میں تمہیں کتنا عزیز ہوں۔'' فرمایا، یا رسول اللہ! ''میری جان کے بعد آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔'' فرمایا ''عمر! ایمان پورا نہیں ہوتا اگر میں تمہاری جان سے بھی بڑھ کر تمہیں عزیز نہ ہو جاؤں۔'' عمر نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! آج کے بعد آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔''

خواتین و حضرات! اگر یہ Basic Fundamental محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت اس Idealistic Pattern پہ استوار نہیں ہے، اگر اس انداز پہ استوار نہیں ہے، اس اخلاق پہ استوار نہیں ہے جو آقائے کائنات کا تھا، جو محمد رسول اللہ ﷺ کا تھا تو پھر آپ کے ایمان میں کچھ کمزوری ضرور واقع ہے۔ Basic کمزوری واقع ہے۔ ایمان کی دوسری شرط خواتین و حضرات یہ ہے کہ آپ صرف اللہ کے لیے دوستی رکھیں اور آپ صرف اللہ کے لیے دشمنی کریں۔ یہ ایمان کی دوسری بنیادی شرط ہے۔ اگر کوئی شخص ہجرت بھی کرتا ہے اور وہ اللہ کے لیے نہیں ہے تو اس مہاجر کو چاہے وہ بادی النظر میں مہاجرِ مکہ ہی کیوں نہ ہو، اسے مہاجرِ پروردگار نہیں کہا جائے گا۔

ایک بڑا مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص کو ایک خاتون سے بڑا گہرا اُنس تھا۔ ان کا نام اُمِ قیس تھا۔ تو جب باقی اصحابِ رسول نے اللہ کے رسول کی معیت میں ہجرت فرمائی تو یہ شخص ان خاتون کی خاطر ہجرت کر گئے مگر زمانۂ رسولِ اکرم میں اور اس کے بعد بھی تمام احادیث میں، تمام روایات میں، وہ ہمیشہ ''مہاجرِ اُمِ قیس'' ہی کہلوائے۔ ان کو کبھی بھی اس ہجرت کا صلہ نہ ملا کہ جو ہجرت خداوندِ کریم کے لیے ہوتی ہے۔

خواتین و حضرات! ایک تیسری شرط بھی ہے جو ایمان کی مٹھاس کا حصہ ہے اسے حلاوتِ ایمان کہتے ہیں کہ اگر اللہ نے ایمان کا کسی کو مزہ دینا ہو، سرور دینا ہو، ایمان کا Taste کسی شخص میں ہو تو اس میں یہ تین باتیں نمایاں ہوں گی: ایک تو رسول اللہ ﷺ کو اپنی ذات سے بڑھ کر جاننا اور دوسرا اللہ کے لیے محبت کرنا، اللہ کے لیے نفرت کرنا اور تیسرا کہ جب

اس کو کفر کا خیال آئے۔ جب اس کو انکارِ خداوند کا خیال آئے تو اسے ایسے لگے کہ جیسے مجھے جہنم میں پھینکا جا رہا ہے۔ یعنی خدا سے یہ تعلق ہو، خدا سے یہ دوستی اور خدا سے یہ محبت ہو کہ ہر وقت یہ خوف دامن گیر رہے کہ مجھ سے کوئی ایسا عمل نہ سرزد ہو جائے کہ جو خدا کی محبت کے خلاف ہو تو وہ شخص کفر کو اختیار کرنا جہنم میں گرنے سے بھی بدتر جانتا ہے۔

عقیدہ اگر کم علمی پر بنیاد ہو تو کبھی بھی ترقی پذیر نہیں ہوتا، کہیں نہ کہیں وہ متقابل نظریات کی زد میں آ کر خطرات کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر عقیدہ علم پر بنیاد ہو، غور و خوض پر بنیاد ہو، عقل و معرفت پر بنیاد ہو تو وہ آپ کو مہد سے لے کر لحد تک کبھی کسی وسوسے میں ڈالنے نہیں دیتا۔

پروردگارِ عالم نے جو ایمان کی Processing کی ہے وہ بالکل آپ کی زندگی کے باقی ادوار کی طرح ہے۔ جب ایک نوجوان اپنی زندگی میں محبت اور خلوص کے عناصر لے کر Inquiry کی Spirit لے کر، جستجو اور اضطراب لے کر نکلتا ہے، جب وہ اپنے ایمان میں نکلتا ہے تو Invariably ایک Condition آپ تمام نوجوانوں میں پائیں گے اور وہ Condition یہ ہے کہ شروع کے مصلے، عبادات، نمازیں، مسجدوں میں جانا، ٹوپیاں پہننا اور تراویح میں شریک ہونا، یہ ہمارے مسلمان نوجوان کا وطیرہ ہے۔ پھر جب وہ ذرا بڑے ہوتے ہیں اور زندگی کے حقائق کو Face کرتے ہیں اور معاملاتِ دنیا میں ان کا رسوخ ہوتا ہے تو اکثر ماں باپ ایک شکایت کرتے نظر آتے ہیں کہ پہلے میرا بچہ بہت نیک تھا، بڑے خلوص والا تھا، ہر وقت پانچ وقت کی نماز میں لگا رہتا تھا۔ مگر اب عجب حال ہے کہ نہ نماز رہی، نہ اخلاق رہا۔ اس لیے کہ اس عقیدے کی بنیاد علم پر نہ تھی۔ جب Counter نظریات کی چوٹ پڑی، دنیا کی Attractions بڑھیں، طلب بڑھی تو وہ ایمان جو Basically ایک illeterate ایمان تھا، جس پہ اس کا بنیادی خیال قائم نہ تھا، سنا سنایا Faith تھا، صرف Following Ship تھی، وہ آگے نہیں چل سکا۔ اس کے برعکس اس شخص کو دیکھیے جس کو یہ تجسس رہا کہ میں خدا کو جانوں، میں وہ تعلیم حاصل کروں جو اللہ کی طرف لے جاتی ہو تو اس کے رستے میں بے شمار مشکل، دشوار گزار پیچیدہ سوال حائل ہوں گے۔ اب سوال حل کرنے کا خواتین و حضرات ایک بڑا سادہ سا طریقہ ہے۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ وہ اپنے جیسے ہی کسی کم فہم اور کم علم کے پاس چلا جائے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ متجسس رہے اور کبھی بھی اس جواب سے مطمئن نہ ہو جو اس کے دل کو نہ لگے کیونکہ ایمان دل کو لگتا ہے۔ ایمان کی جگہ ہی دل ہے۔ اگر دل باوجود کسی جواب کے اضطراب میں رہے گا تو ایمان پورا نہ ہوگا۔

یہ یاد رکھیے کہ ایمان گھٹتا بھی ہے، ایمان بڑھتا بھی ہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام باوجود ایک مکمل نبی ہونے کے اور اللہ کے دوست ہونے کے، جب ان سے سوال کیا گیا، اللہ نے پوچھا: ”اولم تؤمن“ اے ابراہیم! ابھی تک! اتنی ساری باتیں دیکھنے، پڑھنے، لکھنے کے بعد، اتنی ساری Intellectual Curiosity کے بعد، کیا اب بھی آپ کے دل کو امن نہیں ہے؟ کیا آپ ایمان نہیں لائے ہو؟ فرمایا، نہیں پروردگار! ایسا تو بالکل بھی نہیں ہے۔ I have a confirmed faith in you. I have a total faith in you ”ولکن لیطمئن قلبی“ (البقرہ: ۲۶۰) (مگر میرا دل اطمینان چاہتا ہے۔) دل ایمان کا مرکز ہے۔ یہ وسوسے سے خالی ہونا چاہتا ہے اور وسوسہ صرف مشاہدے سے جاتا ہے اور ایمان میں چونکہ قلب Involved ہے، اس لیے قلب کسی نہ کسی صورت مشاہدہ چاہتا ہے۔

خواتین و حضرات! جب ایک نوجوان تجسس کے لیے نکلتا ہے تو Counter Philosophies اسے بے چین کر دیتی ہیں۔ بے شمار ایسے سوال ہیں جو اہلِ دل پر، اہلِ ایمان پر، اہلِ عقل پر گزرتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے اس ماحول میں ان سوالات کا جواب دینے کے لیے Efficient Probable Authorities نہیں ہوتیں۔ اب وہ صاحبِ ایمان ڈر کے مارے کہیں ایمان چھوڑ نہ دے۔ خوف بھی تو مسلط ہے اس پر اور تمام خوف Guilt کی پیداوار ہے۔ اگر اللہ پر ایمان نہیں ہے تو مجھے معاشرے کا خوف مارتا ہے۔ مجھے سنی سنائی باتوں کا خوف مارتا ہے۔ مجھے جادو اور سحر کا خوف مارتا ہے۔ میں کبھی بھی اس بات کا یقین نہیں کر سکتا کہ میں ایک Open Declaration کے بعد، جو خدا کے خلاف ہوگی، اس معاشرے میں صحتمندی کے ساتھ Survive کر سکتا ہوں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنا اضطراب دل میں چھپائے ہوئے کچھ ایسی مکروہات کا سہارا لیتا ہے، کچھ ایسی غلط Reasoning کا سہارا لیتا ہے اور اس کی محض ایک وجہ ہوتی ہے کہ جب بھی آپ اس سے پوچھو تو کہے گا کہ مجھے میرے تجسس کا شافی و کافی جواب نہیں ملا۔ میرے چند ایک سوال تھے جن کا کسی بھی عالم نے جواب نہیں دیا اس لیے کہ کسی بھی عالم کے پاس اس Meta physical level کا یا اس مابعد الطبیعاتی سوال کا جواب مشکل سے ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے مطالعے Localize ہوتے ہیں، اسلام پہ ہوتے ہیں، عملیات پہ ہوتے ہیں، اس لیے اگر کوئی نوجوان ایسا سوال لے کر ان کے پاس جائے گا تو وہ اس سے سب سے پہلے یہ کہیں گے۔ ''برخوردار یہ سوال سوچنا کفر ہے۔'' اب وہ بیچارہ کرے کیا؟ اس کے دماغ سے وہ سوال جاتا نہیں ہے۔ وہ بیچارہ کیا کرے کہ جس کا تجسس اسے چین نہ لینے دے؟

آپ کو پتہ ہے کہ جب کسی نوجوان کے ذہن میں خدا کا خیال ناقص آئے گا، رسول اللہ کا خیال ناقص آئے گا تو اس کا دل کتنا مضطرب و بے چین ہوگا۔ وہ یا تو سرے سے ہی خدا اور رسول کا انکار کر دے گا اور کچھ عرصہ اس بے چینی اور بربادی کی فضا میں گزارے گا اور یا پھر وہ ایک ایسا بیمار ہو کر رہ جائے گا کہ ساری عمر کے لیے ایک Depressed Individual بنے گا اور کبھی داڑھی رکھ کر ایک طرف جائے گا اور کبھی دوسری طرف جائے گا اور اعمال کی شدت میں پڑ جائے گا اور مذہبی ہونے کے باوجود ایک ایسی دیوانگی کا شکار ہوگا جو اسے اعتدال سے بہت دور لے جائے گی۔

خواتین و حضرات! جو کلمہ ابتدا ہی سے جدلیات کا سبق دیتا ہو، جو اللہ تبلیغی مراحل ہی میں یہ کہتا ہو: ''**وجادلھم بالتی ھی احسن**'' (النحل: ۱۲۵) بحث کر، (یہ نہیں کہ بحث نہ کر) اور جو بھی تیرے مخالف آئے اور جو بھی تجھے Reason دے، اس کے خلاف Reason کر، مگر دلیل اچھی ہونی چاہیے۔ یہ نہیں کہ شور و غوغا ہو، یہ نہیں کہ غصے میں کف آلود ہو جاؤ، اور بجائے سوال جواب کے آپ اینٹ روڑا برسانا شروع کر دو۔ بلکہ پروردگار کہتا ہے کہ بصیرت پیدا کرو۔ تبلیغ بصیرت پر ہے۔ اندازِ علم تخلیق کرو۔ اگر اگلا کوئی معتبر سوال کر رہا ہے تو تم کوئی معتبر جواب ڈھونڈو۔ خدا کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے اہلِ اسلام! اے اہلِ ایمان! اگر دنیا بہت عقل والی ہوگئی، بہت دانش ور ہوگئی۔ اس میں Hoppkins پیدا ہو گئے، Russel اور آئن سٹائن اور کانٹ پیدا ہو گیا۔ برگساں پیدا ہو گیا، نیٹشے اور فسطے پیدا ہو گئے، تو تمہارے ہاں ایک بھی، ایسا فلسفی خیال پیدا نہیں ہوا جس نے خدا کے لیے چاہا ہو، خدا کے لیے نفرت کی ہو۔ جس نے محبتِ رسول میں علم کی تلاش کی ہو۔ جس نے علم کو اپنا مقصدِ حیات بنایا ہو۔ جس نے یہ حدیث پڑھی ہو: ''**طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم**

ومسلمة ”اور جس نے یہ سوچا ہو کہ طلبِ علم کبھی میری زندگی سے ختم نہیں ہو سکتی، کوئی ابنِ سینا دوبارہ پیدا نہ ہوا۔ کوئی ابنِ رشد نہ ہوا۔ دورِ حاضر میں ”قحط الرجال علم“ پیدا ہو گیا ہے۔ جواب حل نہیں رہے۔ سوال بے شمار ہو گئے۔

خواتین و حضرات! سوال تو ہر چیز سے نکل رہا ہے۔ سوال بذاتہٖ مذہب سے نکل رہا ہے، سوال معاشرت سے نکل رہا ہے، سوال Modern Technology سے نکل رہا ہے۔ اگر سوال ہر جگہ سے نکل رہے ہیں تو جواب بھی تو کسی دل سے نکلنا چاہیے۔ جواب بھی تو کسی خیال سے آنا چاہیے۔ آج کا سب سے بڑا بحران یہ ہے کہ ایمان مضطرب ہے وہ اس لیے کہ..... میں سمجھتا ہوں کہ ایمان ہمارے سینوں سے جلاوطن ہے۔ وہ بیچارہ جنگل اور صحرا میں مارا مارا پھرتا ہے کہ کوئی مومن ہو، کوئی ایسا دیندار ہو، جو مجھے خدا کے لیے چاہے، اس کے دل میں خدا کی محبت ہو، اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت ہو۔ وہ خدا کے لیے چاہے اور خدا کے لیے نہ چاہے۔ وہ کفر سے ڈرے اور اپنے آپ کو کسی نہ کسی طرح سے خدا کے قرب و جوار میں آباد رکھنا چاہے۔ مگر اس کو استاد نہیں ملتا، اس کو شناخت نہیں ملتی۔ ایمان اس بیچارے کی متاعِ حیات نہیں بنتی۔

ایمان کا علم پر استوار ہونا بہت ضروری ہے۔ جب آپ Clash of Ideas سے گزرتے ہو۔ جدلیاتِ فکر سے گزرتے ہو اور آپ کا جو سب سے پہلا سبق ہے: ”لا الہ الا اللہ“ یہی آپ کو جدلیاتِ علم میں ڈال دیتا ہے۔ اگر آپ غور کرو تو یہ کہنا کہ کوئی اللہ نہیں ہے سوائے اللہ کے، اور ایک اللہ ہے۔ یہ پورے کا پورا جملہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا، جب تک بہت سارے الٰہ کو آپ الٰہ نہ بناؤ اور ان کو Intellectualy, Mentally رد نہ کرو۔ حتیٰ کہ جب تمام الٰہیات کو آپ Reject کرو گے، تمام ناقص خداؤں کو Reject کرو گے۔ تمام اسبابِ تخلیق کو آپ Reject کرو گے تو بالآخر آپ ایک اللہ کے اقرار تک پہنچو گے۔ جب تک آپ میں جدلیاتِ الٰہیات استوار نہیں ہوتیں، جب تک آپ غم و فکر کے ان مراحل سے نہیں گزرتے کہ ہم وحدانیت کا اقرار کیسے کریں؟ اس وقت تک آپ کا ذہنی اور عقلی ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

خواتین و حضرات! ذرا غور کر کے دیکھیں کہ آج کے زمانے میں میں حقیقتاً اور عملاً یہ کہہ سکتا ہوں کہ لوگ جادو، ٹونے اور ٹوٹکے پر زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں، بہ نسبت خدا کے۔ ایک چھوٹی سی مثال آپ کو پیش کرتا ہوں کہ تقریباً ہر گھر اور ہر گلی میں آسیب زدگی ہے۔ ہر گھر اور ہر گلی میں جادو اور اس کے اثرات اور تعویزات کی بھرمار ہے۔ اب اگر لوگ یہ جانتے ہوں کہ خداوندِ کریم نے قرآن کی دو خوبصورت آیات جادو اور سحر کے لیے رکھی ہوئی ہیں اور روز وہ ان کو پڑھ لیتے ہوں تو پھر ان کا جادو اور سحر جانا چاہیے مگر ایسا نہیں ہوتا۔ ”والناس“ اور ”فلق“ پڑھنے کے باوجود لوگوں کا جادو سے اعتبار اٹھتا نہیں ہے بلکہ ”والناس“ اور ”فلق“ پڑھنے کے باوجود گھر گھر حساب کے لیے خواتین چل رہی ہوتی ہیں اور مرد اپنی اداسیوں اور رزق کی کمی کے اسباب خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جب ہر گلی میں یہ شور ہو ہر جگہ معاشرہ اس الحاد و زندیقی کا شکار ہو تو آپ کا ایمان کہاں رہے گا۔ آپ کا تو اسلام بھی خطرے میں چلا گیا۔ جب ایمان کی بنیادی Definition پوری ہو جائے، جب آپ کو پتہ ہو کہ ایمان کیا ہے: ذہن کی جدوجہد سے نکلنا، اخلاقی Patterns کو استوار کرنا، اس کے بعد اللہ سے امید رکھنا۔

اب آپ دیکھیں کہ اللہ نے جنت کو کتنا سستا کیا ہوا ہے۔ جنت ایمان والوں کے لیے نہیں ہے جنت اسلام

والوں کے لیے ہے۔ کوئی ایمان والا جنت کی آرزو نہیں کرتا۔ آپ کو پہلے ہی ایمان کی شرائط کا علم ہے، پھر ایمان تو خدا کی محبت پہ استوار ہوا۔ ایمان تو رسول اللہ ﷺ کی محبت پہ استوار ہے۔ بھلا ایسا شخص جو اللہ سے محبت کرے گا وہ جنت کی کیا آرزو کرے گا۔ ہاں! اگر اس کو جنت کبھی پسند آئی تو صرف ایک وجہ ہے کہ جنت میں اہلِ ایمان کا سب سے بڑا Award یہ ہے کہ آج کے دن یعنی جمعہ کے دن ربِ کریم ان کو اپنا دیدار دے گا۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا جنت میں جنتی اپنی آنکھوں سے اللہ کو دیکھ لیں گے۔'' فرمایا، ہاں! بالکل اسی طرح جیسے تم سورج کو باریک بادلوں کی اوٹ سے دیکھ لیتے ہو، اور جس شخص کو خدا سے محبت ہے، خدا سے انس ہے، جو صاحبِ ایمان ہے وہ جنت و دوزخ کے مظاہر سے Impress نہیں ہوتا۔ اس کو یہ پتہ ہے کہ میں نے ایمان جنت اور دوزخ کے لیے استوار نہیں کیا مگر اللہ کا قانون جہاں ایک طرف اعلیٰ درجے کے اذہان کے لیے ہے۔ دوسرا اس کا قانون اس مزدور کے لیے بھی ہے جو شاید اتنی Intellectual Capacity نہیں رکھتا۔ جو اتنی ذہانت نہیں رکھتا، جو اتنی اخلاقیات کی اعلیٰ تعلیم نہیں رکھتا۔ اگر ایک طرف ایمان اعلیٰ ترین ذہانت ہے تو دوسری طرف اللہ نے یہ Create Facility کی کہ کوئی معمولی سے معمولی انسان بھی کوئی نہ کوئی سطحِ ادراک اس کے لیے رکھتا ہے۔

اب دیکھیے! ایک شخص کو آپ لالچ دیتے ہو، ایک شخص کو آپ خوف دیتے ہو۔ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآنِ حکیم بھی تو دوسرے لوگوں کی طرح لالچ دیتا ہے اور خوف دیتا ہے مگر ایسا اس لیے ہے کہ انسانوں کی ذہنی سطحیں مختلف ہیں اور قرآنِ حکیم میں آپ دیکھیں گے کہ جو آیات منسوخ ہیں ان کے بھی درجات ہیں: ''ماننسخ من اية اوننسها نات بخير منها اومثلها'' (بقرہ:۱۰۶) (جب ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر آیت عطا کر دیتے ہیں۔) دیکھیے! اہلِ ایمان کو اللہ نے کہا کہ اگر تم اہلِ ایمان ہو اور خدا کے لیے مرنے اور لڑنے کا جذبہ رکھتے ہو تو ہم نے تمہیں بہت بڑی برکت دی۔ تم میں سے ایک آدمی دو سو آدمیوں پہ غالب رہے گا۔ اب مسلمانوں کے درجات ہیں۔ اصحاب کے درجات ہیں۔ کوئی ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں اور کوئی:

ہے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے شوق

تو کچھ مسلمان گھبرا گئے، فرمایا، ''یا رسول اللہ ﷺ دو سو! ...... بھلا اتنی بڑی Average ہم سے کیسے نکلے گی۔ یہ تو بہت بڑی جنگ ہے۔'' تو پھر خدا نے کہا کہ ہم نے تم میں سے کچھ کی کمزوری دیکھ لی۔ اس لیے اب وہ قانون ہٹا کر، وہ قانون منسوخ کر کے، تمہیں ہلکا پھلکا ایک قانون دیتے ہیں کہ اگر تم واقعی خدا کے بندے ہو خدا کے لیے لڑنے والے ہو تو ہم ایک کو دو پر غالب کریں گے۔ ہر حال میں ایک کو دو پر غالب کریں گے۔

خواتین و حضرات! بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ یہ پہلی منسوخ ہے، مگر منسوخ نہیں --- اس تنسیخ میں جیسے اللہ نے کہا کہ ہم نے ایک آیت پیچھے ہٹا دی اور اس سے بہتر آیت دے دی۔ بہتر آیت عام لوگوں کے لیے ہے اور وہ آیت دو سو والی بھی قائم رہے گی قیامت تک ان ایمان والوں کے لیے جن کا سب کچھ خدا کے لیے ہے۔ ''قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمين'' (الانعام:۱۶۲) کہ وہ لوگ جو اپنی جان، زندگی، موت تمام تر خدا کے لیے صرف کریں گے تو ان کے لیے پہلی آیت کا ریوارڈ بھی قائم رہے گا، وہ ایک، دو سو پر ضرور غالب آئے گا۔

تو ایمان کم ہوتا ہے، بڑھتا ہے۔ آپ کوئی خطا کرتے ہو، خلافِ خدا کرتے ہو، خلافِ شرع کرتے ہو تو کچھ عرصے کے لیے ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ایمان آپ سے نکل کر ایک چھتری کی طرح آپ کے سر پر آ جاتا ہے۔ پھر جب وہ خطا ختم ہوتی ہے، جب آپ کا گناہ ختم ہوتا ہے تو وہ ایمان پھر آپ کے پاس واپس آ جاتا ہے۔ اس لیے کہ خطا اضطراری ہے، Local ہے۔ ایمان انسان کے دل میں رہنے والا ہے۔ انسان ہو سکتا ہے کہ خدا کی خلاف ورزی ذہنی اور منطقی طور پر نہ کرنا چاہتا ہو مگر اضطرار میں، وقتی اشکال میں اور ایک Momentary Influence میں وہ ایک ایسی خطا کر بیٹھتا ہے جو اس کا دل قبول نہیں کرتا۔ بعد میں جب وہ تاسف کا اظہار کرتا ہے تو اس کا ایمان اس کو واپس مل جاتا ہے۔

یہ بات بڑی Important ہے کہ اتنے لمبے Span of life میں کتنے ایمان پر انسان کی نجات ہے؟ ابھی میرے اس عزیز نے ایک آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

“قل یعبادی الذین اسرفو علی انفسہم لاتقنطو من رحمة اللہ” (الزمر: ۵۳)

کہ دے میرے بندوں کو کہ تم نے بڑے گناہ کیے مگر گناہ کو اللہ گناہ نہیں کہتا، اسراف کہتا ہے۔ خطا کو اسراف کہتا ہے۔ اسراف، بڑی سادہ سی بات ہے، جیسے عبداللہ بن عباس نے فرمایا “لاخیر فی الاسراف” (اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے۔) مگر “لااسراف فی الخیر” (اور خیر میں کوئی اسراف نہیں۔) خدا کی راہ میں جتنا خرچو اسراف نہیں ہے اور خدا کے خلاف راہ میں اگر جتنا بھی خرچو گے اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

اللہ قرض لیتا ہے، دیتا ہے، اللہ نفع Return کرتا ہے۔ عجیب سی بات ہے کہ زمین پر بھی بینکوں کے کاروبار ہیں، ادھر اوپر بھی ایک بینک کھلا ہوا ہے۔ اللہ کو شوق ہے قرض لینے کا۔ لوگوں سے ادھار لیتا ہے۔ ایسا سرمایہ دار ہے جو کثرتِ نفع سے نوازتا ہے۔ عام حالات میں اگر کوئی آپ سے ایک روپیہ لے کر دس روپے واپس کرے تو آپ کہیں گے کہ یا تو بہت بڑا فراڈ ہے یا آپ اُسے مجنوں یا پاگل کہو گے مگر عادتِ شریفہ اللہ کی یہ ہے کہ قرض لیتا ہے اور پھر بہت بڑے نفع کی صورت میں لوٹا دیتا ہے۔ ”من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضعفہ لہ اضعافاً کثیرۃ“ (البقرہ: ۲۴۵) (جس نے اللہ کو قرض دیا۔ اللہ کے لیے خرچ کیا۔ اللہ کے لیے بانٹا۔ اللہ کی محبت میں دیا پھر اللہ اس کا قرض ہزار گنا کر کے لوٹا دیتا ہے۔)

خواتین و حضرات! صاحبِ ایمان کو اس آیت پہ اعتبار ہو سکتا ہے مگر ذرا اپنے دل کو ’’پھرول‘‘ کر دیکھ لیں کہ آپ کو کتنا اعتبار ہے؟ ایسے لگتا ہے کہ اس آیتِ شریفہ پر ہمیں قطعاً اعتبار نہیں ہے۔ ہم روپیہ دو روپیہ خرچ کرنے کے بعد اس کو آزمائشی روپیہ قرار دیتے ہیں کہ اس ایک روپے کے دس روپے آئے تو دیکھیں گے۔ بہت سارے لوگ عمومی زندگی میں اس طرح میرے پاس آتے ہیں کہ پروفیسر صاحب! آپ دعا فرمائیں ہمارے مال میں کثرت ہو۔ میں پوچھتا ہوں۔ کیوں؟ فرمایا، ایک آرزو ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں بہت خرچ کریں۔ میں کہتا ہوں کہ کچھ نہ کچھ تو اب بھی تمہارے پاس ہو گا۔ اب جو مال ہے اس میں سے کتنا تم خرچ کرتے ہو۔ اب اللہ پہ یہ Claim ہے کہ پیسے تمہیں اللہ اس لیے دے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچو تو سب سے پہلے جو کچھ تمہارے پاس ہے تھوڑا سا، اس میں سے تو کچھ خرچ کر کے بتاؤ۔ اللہ کو کوئی

Basic اعتبار تو آئے۔ مگر! بخلِ جان سے بڑا کوئی بخل نہیں ہے اور انسان ہمیشہ Insecurtiy کے احساس میں مبتلا ہے اور خدا Security کا احساس دیتا ہے۔ Insecurity کسی شخص کی مہینہ بھر، کسی کی ایک سال بھر، اور بعض سرمایہ دار ایک سو سال کی Insecurity Cover کر رہے ہوتے ہیں۔

خواتین وحضرات! یہ خاک اعتبارات ہیں اللہ پہ، آپ اگلے سال کا سوچتے ہو۔ چلو یہ تو مناسب لگتا ہے کہ ایک بچہ آپ نے داخل کیا کالج اور سکول میں، اور آپ اس خیال سے ڈرتے ہو کہ سال کی فیس اتنی ہے اور اتنا ہمارے پاس ہونا چاہیے۔ مگر میں نے یہ دیکھا ہے کہ لوگ نہ صرف اولاد کی تعلیمات کا سوچتے ہیں، بلکہ پھر ان کی شادیوں کا سوچتے ہیں، پھر اثاثے بنانے کا سوچتے ہیں، پھر شاید ان کے شاندار مقابر بنانے کا بھی سوچتے ہوں۔ اتنی لمبی Insecurity خدا پہ مکمل بے اعتباری کا ثبوت ہے اور اس میں تو کم از کم ایمان کا شائبہ تک بھی موجود نہیں ہے اور اللہ کو جو سب سے زیادہ چیز لوگوں میں پسند ہے وہ ہم میں رفتہ رفتہ شاید کم ہوتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اگر سب سے زیادہ حسنِ اخلاق پسند ہے، اچھی بات کرنا۔ حیرت کی بات ہے کہ اخلاق آج کل منافقت کا حصہ بن گئی ہے، سیاست کا حصہ بن گئی ہے۔ آج آپ دیکھ لیں۔ اس شور وغوغا(1) میں سیاستدان اتنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کر رہا ہوگا۔ گلی گلی، کوچہ کوچہ، کہ انسان اسی پر فیصلہ دے دیتا ہے کہ چلو جو بھی ہو، بات تو بڑی اچھی کرتا ہے اور دوسری بات جو اللہ کو پسند ہے وہ کھانا کھلانا ہے۔ اگر اخلاق اچھا ہے اور اگر آپ مہمان نواز ہیں تو اللہ آپ کو پسند کرے گا اور آپ کو ایمان دار سمجھے گا۔

آپ کو پتہ ہے کہ عرب کی جاہل سوسائٹی میں کوئی وصف نہ تھا۔ بدترین لوگ تھے۔ اس زمانے کو جاہلیت کا بدترین زمانہ کہتے ہیں مگر پھر خدا نے ان کو کیوں چنا؟ کیا ان سے بہتر لوگ موجود نہ تھے؟ کیا زمین پر ایسے اشراف موجود نہ تھے جو اللہ کو بہتر کام دیتے؟ پھر آخر اس بدتمیز ترین، جاہل ترین، اخبث ترین قوم کو اس نے کیوں چنا؟ اس کی دو بنیادی وجوہ تھیں: کہ مہمان نواز بڑے تھے۔ دلیر تھے۔ شجاع تھے۔ مرنے کی ہوس رکھتے تھے۔ جذبہ زندگی سے گریز کرتے تھے۔ آپ دیکھیں تو سہی! کتنے دلیر تھے کہ مرتے وقت ان کا کافر بھی کہتا ہے:

’’او ساربان زادے! میری گردن ذرا نیچے سے کاٹنا تا کہ نیزے پر چڑھے تو سردارِ قریش کا سر لگے۔‘‘

اتنے دلیر تھے مرنے پہ۔ (یہ ابوجہل کا قول ہے۔) اور مہمان نواز اتنے کہ ’’بنو طے‘‘ کے حاتم کی داستانیں تو آپ نے سنی ہوں گی۔ خواتین وحضرات! یہ خالی داستانیں ہی نہ تھیں۔ جب عدی بن حاتم کی بیٹی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی‘ اور آپ کو پتہ لگا کہ یہ بنو طے کے حاتم کی بیٹی ہے تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے اپنی چادر بچھائی اور اس کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ لوگوں نے استعجاب کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک فیاض اور مہربان شخص کی بیٹی ہے۔ اس کا باپ بڑا فیاض آدمی تھا اور بڑی نیک شہرت کا مالک تھا۔ اور حدیثِ رسول ہے کہ:

’’شیطان سب سے زیادہ ایک فاسق فیاض سے ڈرتا ہے۔‘‘

وہ ساری زندگی اُس سے مطمئن رہتا ہے۔ وہ منافق پر زور لگا رہا ہوتا ہے۔ وہ متقیوں کو گمراہ کر رہا ہوتا ہے اور اس کا گمان ہوتا ہے کہ یہ تو ہے ہی اصلی اور نسلی فاسق۔ یہ شراب خور، یہ زنا کار، یہ جوا کھیلنے والے، یہ بدکار، اس کے تو سارے رستے ہی بند ہیں اس کو تو میں جب چاہوں جہنم کے رستے پر ڈال دوں مگر اس کی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ وہ فیاض ہوتا

ہے اور وہ فسق و فجور کے باوجود جب کسی غریب کی، جب کسی ضرورت مند کی حاجت پوری کر دیتا ہے، جب کسی غریب کی دعائے اجابت سن لیتا ہے تو پروردگار اس کے تمام گناہ معاف کر کے اسے بخش دیتا ہے۔

جب حضورِ گرامی مرتبت خواتین کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا: کہ تم ایمان کی بڑی کمزور ہو--- خواتین و حضرات! ایمان عجلت پسند نہیں ہوتا، جلدی جلدی Shiftable نہیں ہوتا۔ جس کے دل میں ایک ذہنی اعتبار قائم ہو جائے، اخلاص قائم ہو جائے، ایک مکمل عقیدہ بن جائے تو وہ اتنی جلدی نہیں جاتا۔ جب حضور نے یہ فرمایا تو خواتین نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں ایسا کیا قصور ہے؟ تو ایک تو حضور نے طبعی وجہ بتائی کہ تمہارے دین کا نقصان یہ ہے کہ تم طبعی وجہ سے کچھ عرصہ نماز و روزہ سے گریز کرتی ہو۔ اور پہلی وجہ ذہنی بتائی کہ تمہارے اتنے Local اثرات ہوتے ہیں، اتنے تمہارے محدود تفکرات ہوتے ہیں، اتنی Possession ہے تم میں کہ--- Matriarchal نظام سارے کا سارا Possession ہے۔

آپ کو پتہ ہے کہ جب معاشروں کی تقسیم کی گئی تو دو قسم کے معاشرے بنائے گئے، ایک کو ہم مادرانہ نظام کہتے ہیں Matriarchal System اور ایک کو پدرانہ نظام کہتے ہیں. Patriarchal System تو Sub-Continent میں زیادہ تر مادرانہ نظام کی حکومت ہے۔ جب Nomade Tribes چلتے ہیں، جب صحرا نشین چلتے ہیں، جب بدوی قبائل چلتے ہیں تو وہ کسی جگہ قیام نہیں کرتے، انہیں کسی جگہ سے انس نہیں ہوتا۔ وہ چراگاہوں کی تلاش میں گھومتے پھرتے کہیں سے کہیں نکل جاتے ہیں۔ اس لیے ان میں ایک مرد کا تسلط یا ایک لیڈر کا تعین ہوتا ہے جو اپنی قوم کو آگے بڑھاتا ہے، جو انہیں رستہ دکھاتا ہے اور ان میں جبر و استبداد کی ساری قوتیں باپ میں منتقل ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس جب یہی معاشرہ Civilized ہوتا ہے، کسی میدان میں اترتا ہے، زمین میں ٹھہرتا ہے، زمین سے انس رکھتا ہے، کاشتکاری کرتا ہے تو ہولے ہولے مادرانہ نظام کو پدرانہ نظام پر غلبہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ خواتین جو شروع میں مردوں سے بہت ڈرتی ہیں اور جابر مردوں کے تسلط میں رہتی ہیں اور اس وقت مرد طاقتور ہوتے ہیں اور من مانی کرتے ہیں۔ اور یہ خیال کر کے کہ بُرا وقت کبھی نہیں آئے گا۔ ہولے ہولے عورتیں اپنا کام کرتی رہتی ہیں۔ زمین کی جڑیں مضبوط تر ہوتی رہتی ہیں۔ بچوں کے اذہان بدلتے رہتے ہیں۔ جب بڑے میاں کوئی پچپن اور ساٹھ پہ پہنچے تو مادرانہ نظام نے بغاوت کر دی۔ اب بوڑھے پدرانہ نظام کے خالق کو کوئی پوچھتا نہیں ہے۔ بڑے بیچارے بوڑھے آتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ بچوں کی والدہ اب میری نہیں سنتی۔ تو میں ان سے کہتا ہوں کہ وہ جوانی والا جبر ذرا کم کرتا تھا۔ اب کیا شکایت کر رہے ہو۔ یہ تو دو نظاموں کی جنگ ہے۔ اگر شروع سے ان میں مصالحت ہوتی، شفقت ہوتی، محبت ہوتی، غلبے کی بات نہ ہوتی، اگر آپ عورت کو برابر کے حق دیتے۔ شریکِ حیات کو شریکِ حیات سمجھتے تو یہ نوبت نہ آتی۔

خواتین و حضرات! پدرانہ نظام میں آسمان کو بڑی حیثیت حاصل ہے اور مادرانہ نظام میں زمین کو بڑی حیثیت حاصل ہے تو Normally آپ دیکھیں گے کہ Nomades کو اللہ نے Messages کے لیے چنا اور اہلِ عرب، شاہسوار، بدو، آسمان کو دیکھنے والے ضدی، سرکش قوم، بہادر، مرنے پہ جرأت کرنے والے لوگ تھے اور ان میں سب سے بڑی صفت یہ تھی کہ یہ فیاض تھے۔ تو میں تھوڑا سا مڑ گیا ہوں۔ میں بات مختصر کر لوں کہ رسول اللہ ﷺ نے خواتین سے فرمایا

کہ تم بڑی جلدی ناشکری کرنے لگتی ہو۔ تمام عمر ایک مرد کوشش کرتا ہے، ایسے بھی مرد ہیں، ایک Balanced سوسائٹی میں، تمہاری خدمت کرتا ہے، تمہارے بچوں کو پالتا ہے اور پھر ایک دن اس بیچارے سے کوئی خطا ہو جاتی ہے اور اسی دن تم ایک فتویٰ دے دیتی ہو کہ تم نے کبھی میرا خیال نہیں رکھا اور Invariably چاہے خواتین اس سے انکار کریں لیکن یہ Short Tempered Statement ہم قریباً قریباً ہر خاتون سے سنتے ہیں۔ میں ابھی تک ہزاروں بلکہ لاکھوں عائلی مسائل سے گزر رہا ہوں مگر بہت کم کوئی خاتون آ کر کہتی ہے کہ میں اپنے Husband کے رویے سے بالکل مطمئن ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا، ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے اپنی Sacrifices گنوائی جاتی ہیں اور پھر ایک جملہ مطلق بولا جاتا ہے کہ میری Sacrifices کے جواب میں مجھ پر بڑے جور و ستم ہوئے ہیں اور خدا کے رسولؐ نے ایک بڑی اچھی، ایک بڑی مناسب Psychological Counselling دی کہ ایمان اتنی تیزی سے Shiftable نہیں ہوتا۔ ایمان ذرا مستقل مزاج ہوتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! پھر ہم اس کا کیا علاج کریں؟ (تو خواتین کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے۔) فرمایا، صدقات دیا کرو۔ خیرات کیا کرو۔ اس سے یہ تمہارا خوف، یہ عذاب ٹل جائے گا۔

اب ذرا Guilt کی سنیے! خوف کی سنیے! خوف مذہب کا مرض ہے۔ خوف مذہب کے لیے انس اور محبت کو پیدا نہیں ہونے دیتا۔ جب عقل کم ہوتی ہے اور جب علمائے اسلام اس بہتر طرف کو نہ دیکھیں۔ ان آیات کے مطالعے کو لوگوں پر عیاں نہ کریں۔

اور یہ Historical ہے جب برہمن اس ہندوانہ معاشرے میں جنگ ہارنے لگا کھشتری سے، تو اس کو بڑا افسوس ہوا کہ ہم تو بڑے عاقل و بالغ تھے۔ ہم تو دانش ور تھے اور یہ ’’راجپوت‘‘ فوجی آ کر ہم سے اقتدار چھین رہے ہیں، تو بڑی مشہور مثل ہے کہ جب ’’چندرا گپتا موریہ‘‘ کے زمانے میں اپنے وقت کا عظیم دانشور ’’چانکیہ‘‘ جو بادشاہ کو مشورے دیا کرتا تھا تو اس نے بادشاہ کے لیے ایک مکمل Espionage System (جاسوسی نظام) مرتب کیا اور اس کو بتایا کہ یہ بادشاہت کا طریقہ ہے کہ کسی انسان سے بھی جاسوسوں کی نظر نہ ہٹاؤ تو بادشاہ نے تنہائی میں سوچا کہ یہ اتنا چالاک آدمی ہے، اتنا دانش ور ہے، کہ مجھے اتنا قیمتی مشورہ دے رہا ہے تو اس نے ایک اور خفیہ نظام ترتیب دیا، تو مثل مشہور ہے کہ چانکیہ نے چندرا گپتا موریا کو خفیہ نظام سکھائے اور اس کے بدلے میں چندرا گپتا موریا نے ایک پوری Secret سروس چانکیہ پر لگا دی کہ اس کی مکاریوں سے بھی مجھے پناہ ملے۔ تو جب برہمن نے دیکھا کہ کھشتری صرف فوجی طاقت کی وجہ سے مجھ پر قابو پا گیا ہے۔ تو پھر اس نے طریقہ سوچنا شروع کر دیا کیونکہ مذہبی تو وہ تھے تو اس نے سوچا کہ کوئی ایسا طریقہ ہو کہ میں کھشتری کو اپنے بس میں رکھوں۔

خواتین و حضرات! برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ خوف کی ٹیکنالوجی استعمال ہوئی Alluring Techonology اور Religious Fear کی ٹیکنالوجی استعمال ہوئی۔ Alluringly دیوداسیوں کے رقص کے ساتھ--- کوئی بھی منظر اٹھا کر دیکھ لیں۔ برصغیر کا کوئی بھی منظر ہو۔ کالی کا ہو یا ’’درگا‘‘ کا ’’شیوا‘‘ کا ہو یا ’’وشنو‘‘ کا یا ’’گھنشام‘‘ کا ہو۔ کوئی منظر آپ دیکھ لو، دو صورتیں آپ کو نظر آئیں گی۔ ایک طرف میوزک، گھنٹیاں بجتی ہوئی، رنگ، دیوداسیوں کے رقص اور دوسری طرف تاریک خانوں میں، نیم دھندلکوں میں، چراغوں کی روشنی میں، زبانیں نکلی ہوئی

دیوی دیوتا، خون آشام دیویاں، ہولناک دیوتا اور یہ نئے طریقے ایک سادہ دل راجپوت کو پھنسانے کے لیے برہمن نے استعمال کیے۔ ایک طرف اس کو لالچ دیا، فریب دنیا دیا، رقص و سرود دیا، میوزک دیا اور دوسری طرف اس کے اعصاب پر خوف سمیٹ دیا۔ بیچارہ راجپوت جب گھر آتا تھا تو اس کو Alluring Philosophy کم ہی نظر آتی تھی۔ زبان نکلی ہوئی اور بارہ ہاتھوں والی ''کالی'' دیکھ کر ساری رات وہ کانپتا رہتا تھا۔ Naturally اب اس کو ضرورت پڑی کہ میں اس خوف اور آسیب سے کیسے نجات پاؤں تو اس نے برہمنوں کا سہارا لینا شروع کر دیا اور برہمن جو Physical طاقت کھو بیٹھا تھا، وہ دوبارہ اس مذہبی طاقت کے ذریعے کھشتریوں پر غالب آیا۔

جب انڈیا میں اسلام آیا تو اسلام کے بارے میں ایک بات بڑی واضح تھی کہ: Encyclopaedia of Religion کا مصنف یہ کہتا ہے کہ: There was such a geometrical precision about the oneness of God in Islam that no mythology is possible. کہ اللہ کی واحدانیت اتنا کڑا احتساب تھا اسلام کا، اتنا سخت Judgement دے رہا تھا کہ علم الاضام ممکن ہی نہیں ہو سکا۔ کوئی بت اسلام میں پیدا ہی نہیں ہو سکا۔ اب ہندو مایوس ہو گیا۔ ہندو اس بات سے مایوس ہو گیا کہ اسلام میں وحدانیت کا میرے پاس کوئی توڑ نہیں ہے، تو اس نے علمائے اسلام کو دوسری ٹیکنالوجی Transfer کر دی۔ خوف، وحشت اور عذابِ قبر کی ٹیکنالوجی۔ سانپوں کا خوف۔ اس وقت بڑی بڑی کتابیں خواتین اور مرد لے کر پھرتے تھے کہ قبر میں سانپ لپٹے ہوئے۔ فلاں جگہ یہ لپٹا ہوا ہے۔ فلاں جگہ وہ۔ عورتیں ان کو دیکھ کر کانپا کرتی تھیں اور صلہ اس کا وہی تھا کہ نجات کے لیے آپ عوضانہ پیش کر دو۔ تحفظات کا فلسفہ عمل پذیر تھا۔

ہم سے اچھے تو وہ Christian نکلے۔ انہوں نے آسان تکنیک نکال لی، وہ خوف و وحشت سے بچ نکلے۔ انہوں نے کہا کہ جو یسوع مسیح کے خون میں نہا گیا، بس وہ پاک ہو گیا۔ بات ہی ختم کر دی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پیغمبر نے ہمارے گناہوں کا کفارہ دے دیا ہے اس لیے اب ہمیں ڈرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ پروردگار نے اپنی جانب سے ''برأت'' بھیج دیا اور اس نے پوری نسلِ انسانی کے گناہوں کا ذمہ اپنے اوپر اٹھا لیا اور پھر وہ قربان ہو گئے اور انسان کو گناہوں سے برأت دے گئے۔ ان کے لیے ایک Easy Escape قائم ہو گیا۔ ہمارا دیکھیے! کیا حال ہے؟ ہمارے پاس وہ ایمان نہ رہا جسے امید والا کہتے ہیں، وہ ایمان رہ گیا جسے خوف والا کہتے ہیں۔

آپ دیکھیے! کہ ایک شخص صبح سوٹ میں، ٹائی لگائے اور پائپ پیتے ہوئے نظر آتا ہے۔ تین مہینے کے بعد وہ پائینچے اونچے، لمبی سی داڑھی، سر گھٹا ہوا۔ اب اس ماہیت کی تبدیلی پر آپ حیران رہ جائیں گے کہ خداوند کریم! یہ کیا انقلاب آ گیا! ذرا دیکھیے! کہ خوف کا فلسفہ کیا کام کرتا ہے؟ مشہور کرکٹر ''سعید انور'' کو تو آپ نے دیکھا ہوگا۔ بھئی سعید انور میاں! سوچنے کی بات ہے کہ ساری زندگی آپ کو اسلام کا خیال نہ آیا۔ موصوف کی چھوٹی سی بچی فوت ہو گئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ خدا اس بچی کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ حضرت ایک دم ہی اس Guilt Psychology کے اسیر ہو گئے۔ یعنی اتنا صدمہ پہنچا کہ اس صدمے میں مفتون و مجنون ہو گئے۔ ایک دم سے Beyond Average داڑھی رکھ لی۔ Beyond Average تبلیغ میں نکل گئے۔ اب اس قسم کی Heavy Shift کبھی بھی ذہنی صحت کی علامت نہیں سمجھی

جاتی۔ آپ یہ کہہ سکتے ہو کہ اُدھر بھی سعید انور Extremist تھا۔ اِدھر بھی سعید انور Extremist ہے۔ یعنی یہ رستہ ہو یا وہ رستہ ہو، یہ اعتدال کے رستے نہیں ہیں اور ایمان اعتدال ہے۔ اگر پروردگار کو اعتدال سے آگے بڑھنا ہوتا تو یہ کبھی نہ کہتا:

"وقاتلوفی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولاتعتدوا"
(قتل کرو میرے لیے اُن سے جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرنا)۔
"ان اللہ لایحب المعتدین" (البقرہ: ۱۹۰)
(بیشک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

دیکھئے! اِدھر بھی اللہ یہی کہہ رہا ہے:

"قل یعبادی الذین اسرفوعلی انفسھم" (زمر: ۵۳)
(تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی)۔

بھئی! میں نے Reproduction کے لیے Sex دی تھی۔ میں نے مال خرچ کرنے کے لیے دیا تھا۔ تم بخیل بن گئے۔ تم نے مال و اسباب کی چابیاں گننی شروع کر دیں۔

ایک صاحب مجھے ملے۔ کہنے لگے پروفیسر صاحب! میرے پاس سالانہ اکیس کروڑ روپے کا منافع آتا ہے اور جو پہلے آ چکا ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ اگر ساری زندگی میں کوئی کام نہ کروں اور ایک دو کروڑ بھی ماہانہ خرچ کروں تو بھی مجھے اگلے سو برس میں کمی نہیں ہے مگر پھر بھی میں کیوں پیسہ کمانے کی کوشش میں لگا رہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ بات تو بڑی Simple سی ہے کہ پیسہ پہلے ضرورت ہوتی ہے۔ جب آپ ضرورت سے گزرتے ہو تو آسائش ہو جاتی ہے۔ کچھ چیزیں اِدھر سے خریدیں کچھ اُدھر سے خریدیں۔ مال و اسباب اکٹھا کیا، پھر جب آسائشات سے گزرتے ہو تو تعیش ہو جاتا ہے۔ قیمتی ترین، اعلیٰ ترین چیزیں آپ کو خریدنے کا شوق ہے۔ ایک جہاز بھی لے لیا۔ موٹر بوٹ بھی لے لی بلکہ پورا بیڑا ہی لے لیا۔ مگر جب اتنا سارا پیسہ ہوگا تو یہ ساری چیزیں خریدنے کے بعد پھر بچ جائے گا۔ اب آپ کو چیزوں کی ضرورت نہیں رہی۔ اب اگر آپ پیسہ کما رہے ہو تو صرف پیسے کے لیے کما رہے ہو۔ اب ضرورت نہیں ہے آسائش نہیں ہے تعیش نہیں ہے، اب آپ کا پیسہ آپ کا خدا ہے۔ اب اس کے حضور جانا۔ اس کی زیارت کرنا۔ اس کو دیکھنا۔ صبح و شام اس کی فکر کرنا۔ یہ وہی اُنس ہے جو اللہ اپنے لیے چاہتا ہے۔ یہ وہی اُنس ہے جو اللہ نے ایمان کی پہلی شرط قرار دی ہے۔ اللہ کی خاطر محبت کرنا۔ اللہ کی خاطر دشمنی کرنا۔ اب آپ کو پتہ ہے کہ اللہ آپ کو کثرتِ مال و اسباب دیتا ہے مگر کثرتِ مال و اسباب عثمانؓ کو دیتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ بہت بڑے سرمایہ دار تھے اسلام کے۔ جب فوت ہوئے تو عجیب و غریب وصیت کی۔ ایک مسلمان اللہ سے محبت کرنے والا، جو سرمایا دار ہے، اس کی فطرت ہی عجیب ہوتی ہے۔ تو وہ وصیت میں لکھ گئے کہ تمام بدری اصحاب جو اس وقت تک زندہ ہیں ان کو میرے اثاثے میں سے ایک ایک لاکھ درہم دیا جائے، اس کے بعد میری اولاد اور میرے عزیزوں کو دیا جائے۔ یہ وہ سرمایہ دار ہے جو اللہ سے اُنس رکھتا ہے اور اس صاحبِ ایمان کو خداوند کریم کی رضا حاصل ہے۔ خداوند کریم نے کہا کہ یہ جو آپ کی انسانی خصوصیات ہیں۔ اس میں تھوڑا سا غصہ ضروری ہے۔ تھوڑا سا جذبہ

ضروری ہے۔ تھوڑا سا Sex ضروری ہے۔ مامتا ضروری ہے۔ مگر آپ ان کو بے جا خرچتے ہیں۔ میں نے آپ کو جائز کاموں کے لیے دی، آپ نے اس کو بے جا خرچا۔ تو خدا اس صلاحیت کو جس کا بے جا مصرف ہو گناہ نہیں کہتا، اسراف کہتا ہے۔ The package which i gave to you for spending your life in normal way, you over did it. you committed excess. معتدل نہیں رہے ہو۔ اس لیے فرمایا: "قل یعبادی الذین اسرفو علی انفسھم" تم نے بہت اسراف کیا، بہت زنا کیے، بہت غلطیاں کیں مگر سب سے بڑی غلطی نہ کر بیٹھنا: "لا تقنطو من رحمۃ اللہ" (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا)۔

خواتین و حضرات! ایمان کا فیصلہ بھی یہیں ہو گا کہ "لا تقنطو من رحمۃ اللہ" اب دیکھیے! خدا نے ڈھیر سارے گناہ ایک طرف کر دیے۔ اور سب سے بڑا یہ گناہ قرار دے دیا: "لا تقنطو من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا" (زمر: ۵۳) (اللہ تمہارے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔) میرا تو کام ہی بخشنا ہے۔ تم عجیب مسلمان ہو کہ خطا کرتے ہو، گناہ کرتے ہو اور رجوع نہیں کرتے۔ مجھے اپنا سب سے زیادہ مرغوب و محبوب کام نہیں کرنے دیتے۔ مجھے تو سب سے زیادہ مرغوب و محبوب کام تم کو بخشنا ہے۔ آپ نے حدیثِ رسول ﷺ نہیں سنی؟ حضور کے اردگرد اصحاب تشریف فرما تھے۔ ادب کا یہ عالم تھا کہ محدث لکھتے ہیں کہ اس طرح مؤدب تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ سر ہلاتے بھی نہ تھے۔ بنی اسرائیل کے زاہدوں اور عبادت گزاروں کی باتیں ہو رہی تھیں تو ایک صحابی بولے، یا رسول اللہ ﷺ! ہم بھی پہلی قوموں کی طرح وہ تقویٰ اختیار کریں گے۔ عبادات کریں گے اور کبھی گناہ نہیں کریں گے۔ جنابِ رسالت مآب کا چہرہ جیسے تمازتِ آفتاب سے سرخ ہوتا ہے، ایسے سرخ ہو گیا۔ فرمایا، تم ایسی بات کرتے ہو، خدا سخت ناراض ہو گا اور تمہیں صفحۂ زمین سے نیست و نابود کر دے گا۔ اے متقیو! اے دعویٰ تقویٰ رکھنے والو! اگر تم گناہ نہ کرنے کا عزم کرو گے اور خدا کے سامنے اپنے تقوے لے کر جاؤ گے تو خدا تمہیں صفحۂ زمین سے نیست و نابود کر دے گا۔ جو خدا پر اعتبار رکھیں گے تو اللہ ان کو بخشنے میں زیادہ خوشی اور حلاوت و محبت اور مسرت محسوس کرے گا۔

خواتین و حضرات! کیا اس سے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ گناہ اعصاب کو شل کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی ناقص فلاسفی ہے جس کی وجہ سے آج کے ماحول میں Heavy Depressions جاری ہیں۔ جس کو دیکھو یہ شکوہ کرتا ہے کہ رزق میں کمی ہو گئی ہے۔ بھئی! اگر رزق میں کمی ہو گئی تو اللہ کو کیوں نہیں کہتے۔ اس کا منبع و ماخذ اللہ کو کیوں نہیں سمجھتے، یہ کیوں نہیں کہتے کہ: "اللہ یبسط الرزق لمن یشآءُ ویقدر" (الرعد: ۲۶) (کہ جس کو چاہے رزق عطا کرتا ہے۔ جس کا چاہے کھینچ لیتا ہے)۔ اس کے بجائے حضرت کیا فرمائیں گے؟ اور Invariably یہ Philosophy of guilt ہر مسلمان گھرانے میں موجود ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ فلاں مقبرے سے گزرتے ہوئے میں نے فلاں جگہ پیشاب کر دیا تھا۔ اس کی وجہ سے میرے رزق میں کمی آ گئی ہے۔ فلاں درخت کے نیچے میں نے یہ کر دیا تھا۔ مجھے لگتا ہے کہ ایک دفعہ میں نے ایک بوڑھے آدمی کو گالی دی تھی اس کی وجہ سے میرا رزق بند ہے۔ ہر جگہ آپ Guilt کو لے آتے ہو۔ یعنی رزق کی کمی اور کشادِ قلب کا ختم ہونا آپ اسبابِ ظاہرہ میں نہیں ڈھونڈتے۔ اسبابِ غیاب میں نہیں ڈھونڈتے۔ آپ اللہ کی مرضی میں نہیں ڈھونڈتے You try to locate the reason اور Reason اور کوئی مخفی نہیں۔ آپ کو کوئی جرم یاد آ جائے گا،

کوئی گناہ یاد آ جائے گا، آپ کو کوئی خطا یاد آ جاتی ہے اور آپ کہو گے کہ مجھ سے ایک خطا ہو گئی تھی، اس کے عوضانے میں میرے ساتھ ایسا ہوا۔ آپ قرآن پہ یقین نہیں رکھتے۔ یہ سچا ایمان نہیں ہے۔ جب آپ کو اللہ کہہ جو رہا ہے کہ ''ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً''۔

حضرت جنید بغدادؒ اور حضرت ابوالحارث محاسبیؒ دونوں اکٹھے بیٹھے تھے۔ ایک شخص سوال کرنے آیا۔ کہا، اے ابو القاسم جنید! توبہ کیا ہے؟ جنید نے کہا، ابوالحارث جواب دیں گے۔ اس نے کہا، کہ توبہ یہ ہے کہ گناہ تجھے ہمیشہ یاد رہے۔ پوچھا، جنید آپ کیا کہتے ہو؟ گناہ کیا ہے؟ جنید نے کہا: توبہ یہ ہے کہ گناہ تجھے کبھی یاد نہ آئے۔ آپ دیکھیں! کہ دو بہت بڑے مسلمان آئمہ اور کیا الٹ بات۔ ایک کہتا ہے کہ گناہ تجھے ہمیشہ یاد رہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ گناہ تجھے کبھی یاد نہ آئے۔ مگر خواتین و حضرات! علم کا فرق ہے۔ جنید بہت بڑا عالم تھا۔ بہت بڑا۔ سید الطائفہ۔ اس پائے کی ذہانت ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور علی بن عثمان ہجویریؒ جیسے تفاخر محسوس کرتے ہیں، جنید کی شاگردی میں۔ وہ ایک ایسا Intellectual ہے جو کہتا ہے کہ توبہ یہ ہے کہ اگر گناہ کو آپ یاد رکھے رہو گے تو تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس توبہ کے اثرات زائل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ وہ جو پہلا رونا ہے وہ دوسرا رونا نہیں ہو گا۔ تیسرے چوتھے دن آپ کے آنسو خشک ہو جائیں گے۔ پانچویں دن لذتِ گناہ توبہ کے ساتھ ہی آ جائے گی۔ ساتویں دن پھر وہی گناہ کرو گے۔ یہ توبہ نہیں ہے۔ اگر ہے تو ناقص توبہ ہے۔ جو جنید نے کہا وہی اصلی توبہ ہے کہ تجھے کبھی گناہ یاد نہ آئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا سے Committ کرائے بندے! کہ آج کے بعد نہ میں نے یہ بات سوچنی ہے، نہ کرنی ہے۔ یہ غیر متوازی رستے ہیں۔ یہ Parallel رستے نہیں ہیں۔ ایک رستہ مشرق کا ہے اور ایک رستہ مغرب کا ہے۔ آپ نے عہد کیا کہ آپ اس سمت جاؤ گے ہی نہیں۔ آپ نے اللہ سے عہد کیا کہ میں اس راہگزر پہ کبھی سفر فرما نہیں ہوں گا۔ میں کبھی سوچوں گا بھی نہیں۔ یہ اصل توبہ ہے۔ اگر گناہ یاد کرتے رہو گے تو لذتِ گناہ غالب آ جائے گی اور پھر اسی خطا کے مرتکب ہو جاؤ گے۔ یہی اصل طریقہ ہے ترکِ گناہ کا۔

حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ توبہ آسان ہے، ترکِ گناہ مشکل ہے۔ اس لیے کہ یہ عادت ہے۔ کبھی کبھی گناہ عادت بن جاتا ہے۔ اور باوجود خیر کی تکمیل کو پہنچنے کی خواہش کے آپ وہ گناہ ترک نہیں کرتے۔

مختصراً میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قولِ مبارک پہ یہ بات ختم کر رہا ہوں۔

''ایمان بیم و رجا کے درمیان ہے۔''

فرمایا: ''جب میں اپنی خوبیوں پہ نگاہ کرتا ہوں۔ جب میں اللہ کے وعدوں پہ نگاہ کرتا ہوں۔ تو مجھے خیال آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد جنت میں جو سب سے پہلا شخص ہو گا وہ میں ہوں گا اور جب اپنی خطاؤں پہ نگاہ کرتا ہوں، جب میں اپنے اعمال پہ نگاہ کرتا ہوں، اپنی کمی اعمال پہ نگاہ کرتا ہوں، تو مجھے یہ خوف ہوتا ہے کہ شاید سب سے پہلے میں جہنم میں ڈالا جاؤں گا۔'' اہلِ دل نے کہا کہ جو صدیق اکبر کا ایمان ہے وہی افضل و بہتر ہے۔ مگر بیم و رجا کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کی راہ میں اپنے آپ سے کبھی مطمئن نہ ہو۔ خوف اپنی ذات میں یہ ہو کہ میں اپنی کمی و بیشی کے سبب خدا سے زیادہ دور جا رہا ہوں تو اس کے دل میں خدا کی محبت کا خوف ہو اور وہ کوشش یہ کرے کہ مجھ سے خدا کی محبت دور نہ ہو۔ اگر مومن کے دل میں کوئی خوف ہوتا ہے تو پروردگارِ عالم سے دوری کا خوف ہوتا ہے اور اگر اس کے دل میں امید ہوتی ہے تو

اللہ کی محبت اور آرزو کی امید ہوتی ہے اور ایمان ان دونوں کے بیچ میں ہے۔ ایمان Guilt Conscience میں نہیں ہے۔ ایمان Over Expectations میں نہیں ہے بلکہ ایمان، خدا سے ہر وقت امید رکھنے میں ہے اور اپنے آپ سے ہر وقت نا امیدی کے عالم میں ہے۔" وما علینا الا البلاغ

سوالات و جوابات

سوال: اللہ نے پیغمبر بھیجے، جنہوں نے خوش خبریاں دیں اور گناہوں سے ڈرایا بھی۔ اگر انسان دانستہ گناہ کرے گا تو اللہ کی طرف سے اس کی سزا بھی سنائی گئی ہے۔ آپ کے کہنے کے مطابق اگر اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں گناہ کرنے والے کو معاف کر دوں گا تو انسان گناہ کی طرف زیادہ راغب ہوں گے۔ اس صورتحال کو ذرا واضح کریں۔

جواب: میں نے زیادہ تر آپ کو یہ بتایا ہے کہ خدا کی محبت گناہ پر غالب آجاتی ہے اور گناہ انسان کا ایک ذاتی عذر اور خوف بن جاتا ہے۔ اصل میں اتنی گناہ کی سزا نہیں ہے جتنی عذرِ گناہ کی ہے۔ جب Basically ایک کمپیوٹر ہی ناقص ہے۔ جب Basically انسان Incomplete ہے۔ جب قرآن میں اللہ کہہ رہا ہے کہ: "فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقی" (النجم: ۳۲) (کبھی اپنے آپ کو متقی مت کہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم کتنے متقی ہو) تو اگر انسان اپنی ذات پر گناہ گار اور ناقص کا گمان کرے تو یہ ناجائز نہیں ہے۔ اللہ کا ایک حق ہے بندے پر کہ بندہ اس کو واحد جانے، اس کو مانے اور خداوندِ کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ Basically میں نے انسانوں سے جو صلہ طلب کرنا ہے وہ گناہ و ثواب کی صورت میں نہیں کرنا ہے۔ اگر آپ نے گناہ کیے ہیں تو وہ آپ کے ہیں۔ اگر آپ نے ثواب کمایا ہے تو وہ آپ کا ہے۔ اللہ کو یہ چیزیں نہیں پہنچتیں۔ اس کی جو سزائیں ہیں وہ شرع میں ہیں۔ معاشرے میں ہیں۔ حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ اگر ایک انسان نے گناہ کیا اور دنیا میں اسے اس کی سزا مل گئی تو اللہ نے اسے معاف کر دیا اور اگر اس کی پردہ پوشی کی گئی اور اللہ نے اسے چھپا لیا تو پھر یہ اللہ پر ہے کہ اسے چھوڑے یا نہ چھوڑے۔ اس کا کوئی تعلق ہم خداوندِ کریم سے براہ راست نہیں جوڑتے۔ اللہ نے بار بار قرآن میں کہا ہے کہ بھئی گناہ تمہارے صرف تمہارے لیے ہیں۔ جو کوئی راستی اور اچھے عمل کرے گا تو اس کا ثواب اس کے اپنے لیے ہے اور جو کوئی برے کام کرے گا تو برے کام کا انجام اس کے لیے ہے۔ پھر اللہ کو کیا چاہیے؟ اللہ کو تو وہی بات چاہیے جس کے لیے اس نے آپ کو پیدا کیا ہے۔ اس نے آپ کو ایک ذہنی برتری اور فوقیت بخشی ہے۔ اس نے آپ کو اشرف المخلوقات کا عہدہ دیا ہے۔ اس نے آپ کو ملائکہ سے بہتر چنا ہے۔ ذہنی اعتبار سے ایک امانت اتاری ہے۔ ایسی امانت جس کو اللہ نے کسی اور کو عطا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اب ظاہر ہے کہ خدا نے جو چیز آپ کو دی ہے۔ اس کا کوئی کام بھی تو متعین کیا ہوگا۔ اس کا بھی کوئی صلہ اور طلب رکھی اور صلہ یہ رکھا: "واذ قال ربک للملئکة انی جاعل فی الارض خلیفة" (البقرہ: ۳۰) (میں زمین اور آسمانوں میں آپ کو معزز کروں گا)۔ بنا تو زمین پر رہا ہوں مگر معزز جنت میں بھی کروں گا۔ اور دوسرا یہ کہا کہ دیکھو بھئی! میں آپ کو صرف ایک کام کے لیے بھیج رہا ہوں: "انا هدینه السبیل اما شاکراً واما کفوراً" (الدهر: ۳)۔ (کہ عقل و شعور صرف اس لیے بخش رہا ہوں کہ چاہو تو مجھے مانو چاہو تو

میرا انکار کردو)۔ یعنی اللہ کا Concern آپ کی اس Mental Capacity سے ہے جس میں آپ اللہ کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں یا نہیں جانتے اور نہیں مانتے۔ فرمایا: "مایفعل اللہ بعذابکم" (مجھے کیا پڑی ہے کہ تم کو عذاب کروں)۔ دیکھا ہے انداز اللہ کا، کہ اے بندگانِ خدا! اے میرے بندو! مجھے کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب کروں۔ "ان شکرتم وامنتم" (النساء: ۱۴۷) اگر مجھ پر ایمان رکھتے ہو تو مجھے کیا پڑی ہے کہ تم پر عذاب کروں۔

باقی جو آیات ہیں عذاب و ثواب کی تو انہیں Shift کر کے احادیث میں Clarify کر دیا گیا ہے اور سب سے مشہور حدیث ابوہریرہؓ کی ہے جو متواتر مشہور، متصل، حسن اور صحیح ہے اور اس موضوع پر کم از کم پندرہ احادیث ہیں جو صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ سب سے زیادہ تواتر کے ساتھ صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دل سے ایک بار لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا، اس کو دوزخ کی آگ نہیں جلا سکتی اور ابوذرؓ نے اس پر سوال کیا۔ کہ چاہے اس نے زنا کیا ہو، چوری کی ہو فرمایا، چاہے زنا کیا ہو، چوری کی ہو۔ حضرت ابوذرؓ نے دوبارہ تعجب میں سوال کیا۔ چاہے زنا کیا ہو، چاہے چوری کی ہو! فرمایا، چاہے زنا کیا ہو، چاہے چوری کی ہو۔ جب تیسری مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے یہی سوال دہرایا تو فرمایا، ابوذرؓ! تیری ناک خاک آلود ہو، چاہے کیا ہو۔ جب حضرت ابوذر غفاریؓ یہ حدیث سنایا کرتے تھے۔ تو اپنی ناک کی طرف ضرور اشارہ کر کے کہا کرتے تھے کہ چاہے میری ناک خاک آلود ہو۔ گناہ کی جتنی بھی Limitations ہیں تو اس میں گناہ Is always committed against some body۔ اکیلے میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ آپ کے تصور کے کسی گناہ پر سزا نہیں ہے۔ متعدد مستند اور مشہور احادیث اس سلسلے میں ہیں کہ جب بھی آپ گناہ Commit کریں گے تو وہ شراکت میں ہوگا۔ وہ معاشرے میں ہوگا۔ وہ معاشرتی قوانین کے دائرے میں آئے گا، جسے آپ شریعہ کہتے ہیں۔ شریعہ وہ قوانین ہیں جو دراصل اللہ نے ایک معتدل اور مضبوط سوسائٹی کے لیے دیے ہیں۔ اگر آپ خطا کرو گے اور اسلامی معاشرہ ہوگا اور شہادتیں موجود ہوں گی تو آپ کو سزا ملے گی اور جس کو سزا مل گئی وہ پھر خدا کی طرف سے معصوم ہے۔ اللہ کی طرف سے اس کا کوئی عذر نہیں رہا۔ مگر جس کو سزا نہیں ملی اور خدا نے اس کی پردہ پوشی فرمائی تو پھر یہ اللہ پر ہے کہ وہ اسے سزا دے یا جزا دے۔ As Such جو Conduct قرآن میں درج ہے، وہ اسلامی معاشرے میں، ایک صحت مند معاشرے کے لیے وہ قوانین ایسے ہیں جو ہر معاشرہ اپنے لیے تخلیق کرتا ہے۔ وہ امریکن معاشرے میں بھی ہیں، وہ British معاشرے میں بھی ہیں، وہ انٹرنیشنل معاشرے میں بھی ہیں۔ معمولی بات ہے کہ اللہ نے قتل کی سزا قصاص رکھی۔ اگر یورپین معاشرے نے یہ سمجھا کہ یہ سزا بڑی ناقص ہے۔ ہم قتل کی سزا معطل کیے دیتے ہیں، تو آپ کرلو۔ چلو یہ تو بڑی بہتر بات ہے کہ اگر انسان معاشرے کو ایسا قانون دے جائے کہ قتل کی سزا کے بغیر مجرم ٹھیک ہو جائے تو بہت بہتر۔ ہم پہ قید نہیں ہے۔ ہم بھی آپ کی بات مان لیں گے مگر اس قانون کی کامیابی شرط ہے۔ تو پھر انہوں نے بارہ چودہ سال قانون لگائے رکھا کہ ہم نے قتل کی سزا قصاص نہیں لینی، قتل نہیں کریں گے۔ ماریں گے نہیں۔ مگر بارہ، چودہ سال کے بعد مسز جولیانی صاحب نے دوبارہ Death Penalty عائد کر دی۔

خواتین و حضرات! دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے قوانین کی پائیداری کے خلاف اگر کوئی شخص کوئی قانون پاس کرے گا اور معاشرہ ان کو Judge کرے گا اور اگر وہ واقعتاً اچھے قوانین ہوں گے تو پھر ہم، کہہ سکیں گے کہ خدا کے قوانین

پائیدار نہیں تھے معاشرہ Safe کرنے کے لیے اور یورپ کے قوانین زیادہ پائیدار تھے۔ کیونکہ ہر معاشرہ اپنے تحفظات تخلیق کرتا ہے، قوانین بناتا ہے، اس لیے اسلام نے بھی ایک معاشرہ تخلیق کیا، اسلام نے بھی معاشرے کی تخلیق کے لیے چند ایک حدود نافذ کیں۔ وہ حدود معاشرے کی Safety کے لیے ہیں۔ اس کے تحفظ کے لیے ہیں۔ اس لیے اگر وہ سزائیں بنائی گئی ہیں تو وہ قانون ہے Code ہے اور اس سے انحراف معاشرے کو ممکن نہیں ہے۔ مگر ہم بات کر رہے ہیں اس ذہنی سطح کی جہاں انسان اللہ سے Commit کرتا ہے تو پھر وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر دل میں اللہ کی محبت ہے تو وہ گناہ کرنے سے اجتناب کرے گا۔ اسے خدا کی محبت اور انس ہی اس گناہ سے روک لے گی اور اگر بالفرضِ محال وہ گناہ Commit بھی کر گیا۔ تو اس کی توبہ کی Range بڑی مختصر ہوگی اور وہ بڑی شدت سے خدا کو پلٹ کر آئے گا۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا کہ محبت کرنے والے اس لیے گناہ نہیں کرتے کہ انہیں پتہ ہے کہ گناہ خدا سے دوری ہے۔ یہ بدصورتی ہے اور اللہ ''جمیل'' ہے۔ ''اللہ جمیل ویحب الجمال''(اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے)۔ اور گناہ اسراف بھی ہے، بدصورتی بھی ہے تو جو شخص خدا کے قریب جانا چاہتا ہے اپنے آپ کو بدصورت نہیں رکھ سکتا۔

سوال: تمام علماء خدا سے ڈرنے کا حکم دیتے ہیں۔ خوفِ خدا کا حقیقی مطلب کیا ہے؟

جواب: حضراتِ گرامی! اگر رات ہمیں پتہ لگے کہ تھانیدار صاحب نے صبح ہمیں تھانے میں بلایا ہے تو رات بڑے کرب میں گزرے گی۔ بڑے پہلو بدلیں گے۔ بڑا خوف آئے گا۔ بڑے ڈریں گے ہم۔ تو اگر آپ ایک تھانیدار کی جھلی کا خوف نہیں سہار سکتے تو علمائے دین مجھے بتائیں کہ خدا کا خوف کیسے سہار سکتے ہیں؟ اگر آپ دنیا کے ایک معمولی سے بندے کا خوف۔ ایک زورآور کا خوف۔ ایک ایسے فوجی کا خوف نہیں سہار سکتے جس نے آپ پر بندوق تان رکھی ہو، تو آپ خدا کا خوف کیسے سہار سکیں گے۔ آپ کی ریڑھ کی ہڈی نہ چٹخ جائے گی--- آپ زندہ نہ رہ سکیں گے۔ کبھی بھی نہ رہ سکیں گے۔ دراصل یہ خوفِ خدا کی غلط Interpretation ہے۔ ہاں! فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ''میں تم میں سب سے زیادہ خدا کی خشیت رکھتا ہوں۔'' اور خدا کا خوف صرف ایک ہے۔ جب اصحابِ رسول ﷺ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کے تو تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہیں۔ ہم تو بڑی عبادتیں کریں گے، تو حضورِ گرامی مرتبت کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ فرمایا، میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور اس سے ڈرنے والا ہوں اور جو اللہ کو زیادہ جانتا ہے وہ علم والا ہوتا ہے: ''انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰؤا''(فاطر:۲۸)۔ (اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے اس کے عالم ہوتے ہیں)۔ اور جاننے والے کو پتہ ہوتا ہے کہ اللہ کس چیز سے ناراض ہوتا ہے۔ اس کو پتہ ہے کہ خدا حسین ہے حسن کو پسند کرتا ہے۔ اس کو پتہ ہے کہ گناہ بدصورتی ہے بدامنی ہے۔ اس کو پتہ ہے کہ تلخ زبانی اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اس کو پتہ ہے کہ حسنِ کلام اللہ کو پسند ہے۔ اس کو پتہ ہے کہ بخل اللہ کو پسند نہیں ہے۔ تو جو عمومی لوگوں کے ثواب ہوتے ہیں وہ خصوصی لوگوں کے گناہ ہوتے ہیں۔

کیا بات تھی؟ پیغمبر نے آخر کیا کر لیا تھا؟ صرف ایک ہی بات تو اللہ سے کہی تھی نا، یونس بن متی نے کیا، اتنا بڑا گناہ کیا تھا؟ وہ گناہ تھا کوئی؟ اس نے صرف یہ مختصر سی بات کی تھی:

''اے اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اس قوم کے عذاب کا اور تو نے ان کو عذاب نہیں دیا۔ میں بڑا شرمندہ ہوا۔

میں اب نکل ہی جاتا ہوں۔''

اب یہ کوئی گناہ کی بات ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ نے کہا کہ نہیں:

''اذ ذهب مغاضبا''(جب وہ چلا غصہ میں بھرا۔)

''فظن ان لن نقدر علیه''(الانبیاء:۸۷)

(تو اس نے گمان کیا کہ ہم اسے ظلمات میں نہیں گھیریں گے۔)

بعض ذہین تر لوگ، یا عالم لوگوں کی خطا وہ نہیں ہوتی جو عمومی ہوتی ہے۔ جتنا ذہن نفیس تر ہوتا ہے، اس کا احساسِ گناہ بھی نفیس تر ہوتا ہے۔ جتنی نگاہ تیز ہوگی، اشرافیہ میں سے ہوگی۔ اتنا ہی بدصورتی کا احساس بڑھ جائے گا اور ہر سطح پر خدا کا خوف یہ ہے کہ آپ وہ کام نہ کرو، جس سے خدا کی ہمسائیگی سے دور ہو جاؤ۔ اس کے علاوہ کوئی خوفِ خدا نہیں ہے۔

سوال: ستاون اسلامی ممالک میں سے کتنے ممالک میں اسلامی حکومت قائم ہے؟ اور اگر نہیں تو کیوں؟

جواب: خواتین وحضرات As Such تو کسی ملک میں بھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہے۔ ہاں البتہ کچھ قبائل میں اسلامی حکومت کے تصور قائم ہیں۔ جیسے سعودی عرب میں ہے، جیسے ہمارے پڑوس میں ایک Local interpretation of Islam ضرور موجود ہے۔

زوال سے نکلتی ہوئی مسلمان قومیں بہت سے بحرانوں میں سے گزریں۔ جیسے میں نے آپ سے عرض کیا کہ ایک بچہ اپنے عقیدے پر بڑی ضربیں کھاتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہوا ایک متفق علیہ یقین تک پہنچتا ہے۔ یہی اقوامِ اسلام کے ساتھ ہوا کہ جب یہ قید و بند سے نکلیں۔ غلامی سے نکلیں، تو یہ Change میں آئیں۔ Change یہ ہوئی کہ اقوامِ مغرب کی ظاہری قوت کو انہوں نے دلیل سمجھا اور اپنی پستی کو مذہبی اقدار کی وجہ سے جانا۔ اصل مسئلے پر تو انہوں نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔ انہوں نے خدا کے وعدے پر کبھی اعتبار نہیں کیا۔ کبھی یہ نہیں سوچا کہ اللہ تو کہتا ہے:

''ولاتهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین''(آلِ عمران:۱۳۹)(کہ میرے بارے میں سستی نہ کرنا۔ غم نہ کرنا۔ تم ہی غالب رہو گے اگر اہلِ ایمان ہو۔)

خواتین وحضرات! ہمیں بڑے غور سے یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اگر ہم غالب نہیں ہیں تو اللہ غلط نہیں کہتا۔ ہم اہلِ ایمان نہیں ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ ہم اہلِ ایمان نہیں ہیں۔ اگر ہم اہلِ ایمان ہیں تو خدا نے کتاب میں لکھ دیا ہے کہ میں، میرے رسول، میرے مومنین ہمیشہ غالب رہیں گے۔ پھر آپ پلٹتے کیوں نہیں ہو؟ یہ دیکھتے کیوں نہیں ہو کہ اگر ہم غالب نہیں ہیں تو یقیناً ہم اہلِ ایمان نہیں ہیں۔ کہیں خامی رہ گئی ہے۔ کوئی کمی ہے جو ہمارے مذہبِ فکر میں آ گئی ہے۔ اور وہ ایک سادہ سی خامی ہے۔ اس کا Analysis اگر آپ کرو گے تو وہ بڑا سادہ سا نکلے گا کہ یہ دین اپنی ترجیحات میں بگڑا ہوا ہے۔ مسلمان کی ترجیحات بگڑ چکی ہیں۔

Middle East کو دیکھو! مدتوں Nationalism ان کی ترجیحِ اول رہا اور جب وہ نیشنلزم سے Religion کو آئے تو تب بھی اللہ ان کی ترجیحِ اول نہ رہا۔ اسلام تشخص تو ہے مگر اللہ ترجیحِ اول نہیں ہے۔ یہ بڑی

Important بات ہے جو آپ کو یاد رکھنا ہے کہ اسلام موجود ہے مگر خدا کی محبت، جیسے ایمان کی شرائط میں نے آپ کو بتائی تھیں—اللہ کے لیے محبت رکھنا اور اللہ کے لیے دشمنی کرنا۔ کیا سعودی عرب اللہ کے لیے امریکہ سے محبت فرما رہے ہیں؟ کیا مصر اللہ کے لیے محبت فرما رہے ہیں؟ کیا عراق خدا کے لیے امریکہ سے نفرت فرما رہے ہیں؟ کیا ہم امریکہ سے اللہ کے لیے محبت فرما رہے ہیں؟ ہم میں ایمان نہیں ہے۔ ہم اپنے دنیاوی تحفظات میں ہیں۔ من جملہ پاکستان کے ہمارا کوئی بھی معتبر صاحبِ حکومت جملہ عالم اسلام میں خدا کی بندگی اور ایمان کا حق ادا نہیں کر رہا ہے۔ اب اگر آپ کسی سے کہو کہ آپ اچھے مسلمان نہیں ہو تو وہ کہے گا۔ جاؤ جاؤ کام کرو، ہم تم سے زیادہ صاحبِ ایمان ہیں۔ مگر دراصل ہم ترجیحاتِ اسلام سے گریز کر رہے ہیں اور اسلام اس طرح آپ کی مدد نہیں کرتا۔ آپ معجزات تلاش کرتے ہیں۔ طالبان کے ساتھ نہیں ہوئے۔ آپ خدا کی مدد تلاش کر رہے تھے، اس جدوجہد(1) میں نہیں آئی۔ آپ خدا کی مدد تلاش کر رہے ہو تو اس کی پہلی شرط پوری کرنی ہوگی۔ آپ معجزہ طلب کر رہے ہو تو آپ کو شرط پوری کرنی ہوگی۔ آپ میں سے کوئی تو صاحبِ ایمان ہو۔ ایک تو ہو۔ ایک پر بھی نجات ہے۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ فرمایا، جب دنیا پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ اس چھ بلین Human Beings کی لیبارٹری کا معیارِ تخلیق کتنا پست ہے۔ اللہ کے Choices کتنے Below ہیں! ایک مل جائے نا، اگر اس کو پوری دنیا میں تو وہ اسی کو غالب کر دے گا۔ رب کعبہ کی قسم!

اس نے فراعنہ کی 300 برس کی سلطنت کو اور نمرود کی سات سو برس کی سلطنت کو ایک ایک آدمی سے تباہ کروا دیا۔ یہ Miracles تاریخ میں گزرے ہیں۔ آج بھی ہو سکتے ہیں اور موجود ہیں اور اس کی خبر آپ کے پاس موجود ہے۔ جب دجال بہت ترقی کرے گا۔ جب آسمانوں سے آگ برسائے گا۔ ماننے والوں پر روٹیاں برسائے گا۔ Sky Scrappers تخلیق کرے گا۔ Escalators تخلیق کرے گا۔ جب سمندروں میں اس کے جہاز چلیں گے۔ جب موت کو زندگی میں بدل دے گا اور جب اپنی خدائی کا دعویدار ہوگا۔ Self concentrated narcissist God of the west. ظاہر ہے آپ اس کو Face کرنے کے قابل نہیں ہوگے۔ آپ کی ٹیکنالوجی پست ہوگی۔ آپ بڑے کمتر درجہ میں ہوں گے۔ پھر آپ خدا سے دعا کریں گے۔ مگر اس وقت آپ کے اندر ایک صاحبِ ایمان موجود ہوگا۔ وہ خدا سے دعا کرے گا۔ مہدی اس وقت موجود ہوگا۔

مہدی کی کیا تعریف ہے؟ کوئی خاص تعریف نہیں ہے۔ آپ بخاری پڑھ لو۔ مسلم پڑھ لو۔ بخاری بڑے سادہ سے لفظوں میں کہتا ہے۔ ایک بالکل چھوٹی سی تعریف دیتا ہے کہ حضور گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ زمانۂ آخر میں مسلمانوں کے گروہ کا سردار ایک نیک مسلمان ہوگا۔ That's all۔ صحیح بخاری میں بس اتنی سی تعریف ہے امام مہدی کی۔ اب بتاؤ یہ کتنی بڑی تعریف ہے۔ آپ کے گمان کے مطابق تو اس معاشرے میں ہزاروں نیک مسلمان گزرتے ہوں گے۔ پھر ان کی خاطر اللہ زمانہ کیوں نہیں بدل دیتا۔ فرمایا:

''زمانے کو برا مت کہو۔ زمانہ میں ہوں۔''

میں دن رات کو پلٹتا ہوں۔ میرے ہاتھ میں امر ہے۔ میں کسی بھی قوم کو پلٹ سکتا ہوں۔ انسانوں کے دل میری مٹھی میں ہیں۔ جیسے ایک ''پر'' سطح زمین پر، جس طرح چاہے اس کو پلٹاتا ہوں جیسے اس کو ہوا پلٹاتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں

کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں۔ جیسے چاہوں پلٹا دوں۔ جس کے چاہے ووٹ ڈلوا دوں۔ جس سے چاہوں چھین لوں۔ آپ بڑے بڑے دعوے کرتے ہو۔ آپ تو حکومت ساز ہو۔ خدا تو بڑی مختصر سی کارروائی کرنے والا ہے۔

مجھے ایک دفعہ بڑی ہنسی آئی کہ ایک حکمران سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ اگلے پانچ سال بھی صدر رہو گے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ کس کو پتہ کہ اگلے پانچ سال میں جیتا بھی ہوں یا نہیں تو مجھے ہنسی اس لیے آئی کہ ان پانچ سالوں کا ان کو کیسے یقین ہے کہ وہ جیئیں گے۔ یہ ایمان ہے؟ یہ شناخت ہے، رجعت نہیں ہے، پلٹنا نہیں ہے، ہوش نہیں ہے۔ اگر مسلمان مغلوب ہے تو واضح بات ہے کہ ایمان نہیں ہے۔ ہمیں اپنی ترجیحات درست کرنی چاہئیں اور عقل کی صرف ایک ترجیح ہے جو ایمان کی شرط ہے کہ The only top priorty of the intellectual curiosity is God and nothing else.... اور ہمارا مرض کیا ہے؟ کہ We always give lesser importance to the top priorty and more importance to the lesser priority. ہم سب سے بڑی ترجیح کو نظر انداز کرتے ہیں اور کمتر ترجیحات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ یہی وہ غلطی ہے پورے عالم اسلام میں۔ کبھی وہ نیشنلسٹ بنے ہوئے ہیں، کبھی وہ Localist بنے ہوئے ہیں، کبھی Dogmatist بنے ہوئے ہیں۔ ہر آدمی کے اندر اس کا ایمان ابھی ویسا بھی نہیں ہے، جیسے عرب کے ان اعراب کا تھا جو ابتدائی دور میں اسلام لائے تھے۔

سوال: کیا قرآن پاک میں امام مہدی کا حوالہ موجود ہے؟

جواب: قرآن میں امام مہدی کا ذکر نہیں ہے۔ قرآن میں جہاں اللہ نے عہد کا ذکر کیا، تبدیلی کا ذکر کیا، اسلام کا ذکر کیا، اور کہا کہ یقین جانو کہ میرا دین جب تک تمام ادیان پر غالب نہیں آ جاتا اس وقت تک یہ ختم نہیں ہوگا۔ تو زمانہ آخر کی بشارت دیتے ہوئے اور نزول عیسٰی علیہ السلام کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کا حوالہ دیا: "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ" (الفتح: ۲۸) کہ یقیناً میں اپنے دین کو زمانہ آخر میں تمام ادیان پر غالب کروں گا۔ چونکہ حضور ﷺ ہی وضاحتِ قرآن دیتے ہیں، تو آپ ﷺ نے اس زمانے کی وضاحت فرماتے ہوئے کہا کہ مہدی اور عیسٰی کا زمانہ اللہ کے دین کی برتری اور غلبہ کا زمانہ ہے۔ اسی طرح حضرت عیسٰی کے ضمن میں کہا کہ اس وقت تک تو وفات نہیں پائے گا جب تک کہ تمام جملہ ادیان کے لوگ تجھ پر اعتبار نہ لائیں گے اور یقین نہ لائیں گے۔ اس طرح مہدی اور عیسٰی کا زمانہ ایک قرار پایا تو میں عرض کر رہا ہوں کہ جب دجال بہت جوش و خروش میں آئے گا اور مسلمان اس سے مقابلے کی استطاعت نہ رکھیں گے تو جناب مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا فرمائیں گے اور نزول عیسٰی ہوگا۔

سوال: کیا علامہ اقبالؒ نے اپنے اشعار میں کہیں مہدی کی آمد کا ذکر کیا ہے؟

جواب: علامہ اقبالؒ بڑے اچھے، بڑے زبردست شاعر تھے۔ مگر جب وہ زمانہ آخر میں وفات کے قریب ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں تو وہ نہیں بن سکا، جو میری خواہش تھی اور میری خواہش یہ تھی کہ میں اس صاحب زمانہ کو دیکھوں، تو ان کے بالکل، آخری وقت کے چند دو قطعات ہیں:

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید

نسیمے از حجاز آید کہ نآید
سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ نآید

وہ سرود اور وہ ساز اب سننے میں نہیں ہے۔ حجاز سے کوئی ہوا نہیں مجھے پہنچ رہی اور میرا وقت تمام ہونے کو ہے۔ مگر جس دانائے راز کی خبر ہمیں پہنچی تھی وہ دانائے راز میری زندگی میں تو نہیں آیا۔

پھر اگلے قطعہ میں فرمایا:

اگر می آید آں دانائے رازے

اگر وہ دانائے راز آئے، وہ مہدی آئے، وہ مجدد وقت آئے۔

بدہ او را پیامے جانگدازے

اسے میری طرف سے ایک بڑا جاں گداز پیام دینا۔

ضمیرے امتاں را می کند پاک
کلیمے یا حکیمے نے نوازے

کہ یا تو کوئی کلیم آ کر معجزے دکھائے گا یا پھر کوئی حکیم کہ جو ایسا علم رکھتا ہو، ایسی دانش وری رکھتا ہو کہ لوگ اس کی باتوں کو مسحور ہو کر سنیں۔ تو ایک اشارہ تو ''کلیمے'' میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف ہے اور دوسرا اشارہ ''حکیمِ نے نوازے'' مہدی علیہ السلام کی طرف ہے۔

سوال: آپ نے فرمایا کہ Sub-Continent کا مسلمان نبی پاک ﷺ کے ساتھ عقیدت کے حوالے سے باقی دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ راسخ ہے۔ کیا اس عقیدت کی وجہ ہندو مذہب سے در آیا ہوا خوف ہے یا اس کی وجہ کوئی اور ہے؟ اور ہم کس طرح باقی دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ راسخ ہیں، عقیدت کے حوالے سے؟

جواب: میں نے عقیدت کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ میں نے ''محبت'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔ عقیدت ایک ایسی Blindness ہے کہ جس میں کوئی Reason نہیں ہوتی، مگر محبت ''دانشوری'' ہے، ''علم'' ہے۔

اتفاق سے برصغیر کے لوگ بہت جذباتی ہیں۔ بڑے محبت کرنے والے ہیں بلکہ ہمارے نقائص بھی ہماری محبت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ میں آپ کو بتا رہا تھا کہ مادرانہ اور پدرانہ نظام میں، ماں کی طرف سے جو گہرائی، انس اور محبت Show ہوتی ہے اور باپ کی طرف سے بے پروائی، غنا اور گنوارپن Show ہوتا ہے، تو زیادہ تر یہ معاشرہ چونکہ مادرانہ نظام پر مبنی ہے اور مادرانہ نظام بالآخر انڈیا میں پدرانہ نظام پر غالب آ جاتا ہے تو ہم میں ایک تو رسول پاک ﷺ کے ساتھ ہر مسلمان کی ایک Personal Equation بھی موجود ہے۔ Personal Equation یہ ہے کہ حضور کی ازواج مطہرات ہماری مائیں ہیں اور اگر برصغیر کے کسی شخص کو یہ پتہ ہو کہ حضور ﷺ ہمارے رسول بھی ہیں اور حضور ﷺ ہمارے باپ بھی ہیں تو آپ یقین کرو کہ وہ باپ کی طرف زیادہ جائیں گے۔ وہ محبت اور انس کی طرف زیادہ جائیں گے۔

تو برصغیر کا جو جذباتی ابلاغ ہے وہ ان کو Objective Opinion سے روکے رکھتا ہے۔ One of the major loses, which we suffered in the modren age, in the modren sciences کہ ہمارے جیسے مغلوب الجذبات لوگوں کو کوئی بھی Exploit کر سکتا ہے۔ انہیں کوئی بھی Rigid عالم اٹھ کر اپنی لائن پر لگا سکتا ہے۔ اور یہ محبت ہی کی وجہ سے ہے کہ نوجوان پگڑیاں باندھے پھرتے ہیں۔ اور اگر آپ ان سے پوچھو تو پتہ لگے گا کہ وہ تو محبتِ رسول ﷺ کی وجہ سے پگڑیاں باندھے پھرتے ہیں۔ ان میں اتنا انس ہے! اتنے عاشق مزاج بچے ہیں یا خدا سے یا اتنی محبت رکھتے ہیں کہ ایک عام سا، ان پڑھ مولوی اگر ان سے کہہ دے کہ میرا طریقہ ”طریقِ محبت“ ہے تو یہ اس کی پگڑی بھی پہن لیں گے، تو جو اخلاص، جو انس، جو محبت برصغیر میں ہے وہ ان Heartless اعراب میں نہیں ہے کہ جو رسول پاک ﷺ کو Practically ایک Decadent Value سمجھنا شروع ہو گئے ہیں، جو اپنے طور پر اتنے Academicians ہیں، اتنے Hard مبلغین ہیں کہ وہ اس Importance کو خارج کر دیتے ہیں اور دورِ حاضر کے علماء کو قریباً قریباً اسی Status کا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ ایک بہت بڑے دورِ حاضر کے مفکر و مبلغ کی Statement میرے سامنے ہے کہ میں پیغمبر تو نہیں مگر مجھے کام پیغمبرانہ دے دیا گیا ہے۔ آپ دیکھیں کہ یہ ایک Idealistic Statement ہے۔ اس میں وہ آپ اپنے آپ کو ایک Schizophrenic Idealism دے رہے ہیں۔

سوال: آج یہودی ہم پر سیاسی، معاشرتی یا سائنسی طور پر حاوی ہیں۔ اس کی وجوہات چاہے کچھ بھی ہیں۔ کیا آیا اب ہمیں ان کیساتھ اپنے تعلقات کو از سر نو مرتب کرنا چاہیے اور کیا وجوہات ہیں کہ وہ ہم پر حاوی ہو گئے ہیں؟ کیا ان کے مذہب نے ان کو رہنمائی فراہم کی کہ وہ ہم پر حاوی ہو گئے ہیں؟ یا کسی اور نظام نے ان کی مدد کی؟

جواب: Islam as a religion does not hate any body. Islam does not hate Jews. We have no reason to hate them. اگر اس وقت کوئی مسلمان کسی Jew سے نفرت کر رہا ہے تو وہ اس کے Jew ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ وہ اسلام جو ایک بنیادی اصول دیتا ہے: ”لا اکرہ فی الدین“ وہ کبھی کسی یہودی سے نفرت نہیں کر سکتا اس کے یہودی ہونے کی وجہ سے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ آپ کے خیال میں یا مسلمانوں کے خیال میں Practical Conduct کی وجہ سے Overall جو Basic یا General مسلمان ہیں، جہاں Bulk ہے مسلمانوں کا، وہاں ان کی Identity اور ان کی Security مسلسل ایک طویل عرصے سے یہود کی وجہ سے رسک میں پڑی ہوئی ہے۔ Just Like پاکستان۔ کہ پاکستان کی Security ہنود کی وجہ سے رسک میں پڑی ہوئی ہے۔ میں آپ کو ایک مختصر سی خوش خبری سنانا چاہتا ہوں۔ نعیم بن حماد کی حدیث حمادی میں درج ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب ہند کے مسلمان کفارِ ہند سے جنگ سے فارغ ہوں گے اور ان کے امراء اور شرفاء کو گرفتار کر لیں گے تو پھر شام میں مہدی کا ساتھ دیں گے۔ آپ کو تسلی ہو جانی چاہیے۔ کہ ہم نہ صرف ہنود سے لڑیں گے، یہود سے لڑیں گے بلکہ Basically ہم Survival of Islam کے لیے لڑیں گے اور تمام احادیث اس بات پر متفق ہیں کہ Survival of Islam میں دجال کا سب سے بڑا Instrument یہود ہوں گے۔

سوال: کچھ دانشورانِ عصر کا خیال ہے کہ Prophet صرف اپنے زمانے اور علاقے کے لیے ہوتے ہیں؟

جواب: میرا خیال یہ ہے خواتین وحضرات! کہ اس سے زیادہ ناقص Statement شاید کسی امتی کے ذہن میں نہیں آ سکتی۔ یہ سوال اگر وہ لوگ کریں جو کسی رسول کے امتی نہیں ہیں تو ہم اس کو دوسری طرح سے Tackle کریں گے۔ اگر ایک امتی اپنے رسول کے بارے میں یہ سوال کرتا ہے کہ پیغمبر علاقائی ہے یا Local ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ وہ اپنے پیغمبر پر ایمان نہیں لایا۔ اس لیے کہ ہم نے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ زمانہ آخر تک علم کیا حیثیت اختیار کرے گا؟ زمانہ آخر تک علم کس نوعیت کا ہے؟

اگر آپ غور کریں تو Anthropology کے Reference سے آپ کو پتہ چلے گا کہ سب سے پہلا انسانی معاشرہ Priest معاشرہ تھا۔ سب سے پہلا استاد، سب سے پہلا حکمران Priest تھا یعنی پیغمبر، اور شروع ہی سے پیغمبر تمام کام سرانجام دیتے تھے۔ وہ پیغمبر بھی تھے، وہ حکمران بھی تھے، وہ Teach بھی کرتے تھے، Preach بھی کرتے تھے اور دینوی معاملات میں صلاح کار بھی دیتے تھے۔ معاشرہ آگے بڑھتا رہا۔ پیغمبر اس کثرت سے نہ آئے۔ بیچ کے ادوار میں لوگوں کو انہی پیغمبروں کی تعلیمات پر Trained کیا گیا۔ پھر ان کے ادوار میں تعلیمات خراب ہوئیں۔ پھر نوح کے زمانے میں مکمل عالم کی تباہی ہوئی۔ دوبارہ جب معاشرے کا اجراء ہوا تو وہ بھی پیغمبر کی سرپرستی میں ہوا یعنی نوح علیہ الصلوۃ والسلام کی۔ اگر آپ قرآن پڑھیں تو اس کی Historical References اتنے Correct ہیں کہ اب جو آثار وشواہد اور آثار باقیات نکل رہی ہیں، وہ قرآن سے بالکل مطابقت رکھتی ہیں۔ قرآن پہلے کہہ چکا ہے، اب وہ باتیں ثابت ہو رہی ہیں۔ قرآن یہ کہتا ہے نوح کو کہ دیکھو اے نوح! میں تیرے کچھ لوگوں کو، ''اصحاب بجرا'' کو بچا کر لے تو آیا ہوں مگر یہ لوگ پھر وہی غلطیاں کریں گے، جو ان سے پہلے کرتے آئے ہیں اور پھر میں ان پر اسی طرح کے عذاب توڑتا رہوں گا۔ تو معاشرہ پیغمبر کے بغیر بڑھا نہیں۔ البتہ جب زمانے نے سرکشی اختیار کی، خدا کے خلاف ہوتے رہے گاہے گاہے، کبھی موہنجوداڑو ہلاک ہوا۔ اور یہ ہلاکت اس طرح کی نہیں ہے جیسے جنگوں میں ہلاکت ہوتی ہے۔ یہ Total ہے۔ اس میں سے بچتا کچھ نہیں ہے۔ آثار قدیمہ بھی نہیں، بندوں کا حساب کوئی نہیں، کوئی کتاب نہیں، کوئی Document نہیں، لے دے کے چند استعمال شدہ چیزیں بچتی ہیں۔

پیغمبر اپنے زمانے کا سب سے بڑا Intellectual ہوتا ہے۔ اگر نہ ہو تو دانش ور اس کی بات کیسے مان لیں گے؟ اگر اپنے زمانے کا وہ ذہین ترین انسان نہیں ہے۔ سب سے بڑا عالم نہیں ہے۔ سب سے موزوں عقل والا نہیں ہے تو لوگ س کی بات کیسے مانیں گے؟

اہل عرب انساب کے بڑے ماہر تھے، بڑے بڑے دانش ور تھے، تیز طراز تھے، فصیح الزبان تھے، مگر جب قران اترا۔ پیغمبر کے پاس کوئی ایسی چیز تھی جس نے انہیں گم کر دیا، عاجز کر دیا۔ پیغمبر کی زبان سے ایسے الفاظ نکل رہے تھے جو غیر معمولی تھے، Unusual تھے، پیغمبر خبر دے رہا تھا۔ پیغمبر اگر قیامت کی خبر دے سکتا ہے۔ پیغمبر اگر زمانوں کے بیچ کی خبر دے سکتا ہے، اگر مہدی وعیسیٰ علیہ السلام کی خبر دے سکتا ہے، وہ آپ کی تمام تر علم کی معراج، مستقبل کے رستے متعین کر سکتا ہے، تو پھر پیغمبر Local کیسے ہو سکتا ہے۔ دو اقوال ہیں پیغمبر کے۔ ایک طرف انہوں نے آپ کو قرآن دیا۔ دوسری طرف انہوں نے آپ کو اپنی زبان دی۔ اپنا عہد دیا۔ حدیث دی۔ اگر آپ کا مطالعہ اچھا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ زمانۂ آخر

تک کی کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خدا کے رسول نے آپ کو بتا نہ دی ہو۔ ابھی سائنسز ان اطلاعات تک نہیں پہنچیں۔

"اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن"
(اللہ ہی تو ہے جس نے سات کائناتیں تخلیق کیں اور اسی کی طرح کی سات زمینیں۔)

"یتنزل الامر بینھن" (اور ان تمام زمینوں پر ہمارا حکم اترتا ہے۔)"لتعلموا ان اللہ علی کل شی ء قدیر" (الطلاق ۱۲:) (تاکہ تم جان سکو کہ وہ کتنی قدرت والا ہے۔ کتنا بڑا قادر ہے)۔

آپ مجھے بتائیے کہ کیا ابھی تک کسی دوسری زمین کا سراغ Cosmologist نے ڈھونڈ لیا؟ But the option is alive. اللہ آپ کو سات کائناتوں کی خبر دے رہا ہے اور اب پندرہ سو برس کے بعد انیس سو چورانوے میں یا پچانوے میں یا آگے جا کر آپ صرف اتنے قائل ہو سکے ہیں کہ Multiuniverse کا Concept پیدا ہوا ہے۔ Multi Universes کا تصور پچھلے تین یا چار مہینوں میں پیدا ہوا ہے جس کی خبر پندرہ سو برس پہلے قرآن، رسول کی زبانی دے رہا ہے۔ وہ رسول کیسے Local ہو سکتا ہے؟ کیسے وہ ایک وقت کا پیغمبر ہو سکتا ہے؟ جب قرآن یہ کہہ رہا ہو اور رسول کی زبان سے کہہ رہا ہو: "واذالشمس کورت o واذا النجوم انکدرت" (سورج لپیٹ لیا جائیگا۔ ستارے گدلے پڑ جائیں گے)۔

آپ James Jeans سے پوچھو، ہاکنز سے پوچھو: Is there any way, the Sun could die? وہ آپ کو بتائیں گے کہ The Sun is dying. سورج مر رہا ہے۔ اس کی روشنی ماند پڑ رہی ہے۔ اٹھارہ ہزار ایٹم جو فی سیکنڈ پھٹ رہے ہیں، جس کی توانائی ہم تک پہنچ رہی ہے، وہ کسی بھی Anti Reaction میں مبتلا ہو کر Gradually یا Suddenly ختم ہو جائے گا۔ سائنس دان کہتا ہے کہ Gradually ختم ہونے میں سورج کو دس ارب سال لگیں گے۔ دس ارب سال!.......... The only probable end of the Sun. قرآن کہتا ہے۔ ذرا غور کریں! ابھی تم زمین والے بڑا اتراتے ہو! ایک تو انسان کا بچہ Narcissist بہت ہے۔ یہ غیر معقول اپنے آپ کو کائنات میں تنہا پاتا ہے۔ اسی لیے تو اپنے آپ کو اتنا Important سمجھتا ہے۔ اگر اس کو پتہ ہو کہ سات زمینیں اور بھی ہیں۔ ادھر بھی قرآن ڈھل رہا ہے تو یہ اپنے ٹھکانے پر آ جائے، مقابلہ ہو جائے، مگر چونکہ ابھی کوئی زمین Discover نہیں ہوئی مگر According to scientist, the option is there, always there. ابھی کبھی مریخ کی تہوں کو "پھرولا" جا رہا ہے۔ کبھی کسی ستارے کو کھنگال رہے ہیں کہ ہمیں مخلوقات کا مزید سراغ ملے۔

آخر وہ کیا Source ہے؟ نہ کوئی لیبارٹری، نہ کوئی Astrolabe نہ کوئی ھبل کی ٹیلی سکوپ...... کیا ایک آدمی ہے؟ جو آپ کو خبریں دیئے جا رہا ہے زمانوں کی۔ زمانہ آخر کی بھی نہیں...... ہاکنز کہتا ہے کہ:

اگر مجھے پتہ ہو کہ Big Bang سے پہلے ایک لمحے کے لیے کیا تھا تو میں سارا فلسفہ کائنات Explain کر دوں۔

مگر Big Bang سے پہلے پتہ تھا ایک آدمی کو کہ کیا تھا۔ خدا کے رسول کو پتہ ہے۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ ﷺ! زمین و آسمان کی تخلیقات سے پہلے اللہ کہاں تھا؟ فرمایا، "دھند میں تھا۔" پوچھا گیا، یا رسول اللہ! زمین کی تخلیق سے پہلے اللہ

کہاں تھا؟ فرمایا، ''اس کا عرش پانی پر تھا۔'' بھئی! پانی پہ کیا کر رہا تھا اللہ؟...... وہ پانی پہ عرش رکھ کے کیا کر رہا تھا؟......اب ذرا دیکھئے کہ وہ دھند میں بیٹھا ہوا کیا کر رہا تھا؟ آپ نہیں سمجھ سکتے There is no knowledge with you. مگر اگر کوئی Cosmologist بیٹھا ہو تو وہ ایک پل میں کہے گا حیرت انگیز! .... Oh, wonderful, Oh, this is so true وہ پاگل ہو جائے گا۔ ''اولم یر الذین کفرو''... How dare you deny me او! تم کیسے میرا انکار کر سکتے ہو، نالائقو، چھوٹے چھوٹے بندو، تمہیں پتہ ہی نہیں ہے میرا:

''اولم یر الذین کفروا ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنہما'' (الانبیاء ۲۱:۳۰)۔ (تمہیں نہیں پتہ! کہ زمین و آسمان پہلے ایک وجود تھے۔)

ایک Cosmologist میرے پاس آیا۔ P.H.D. تھا مجھے کہنے لگا کہ میں بڑا عالم اسلام گھوما ہوں۔ ایک سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ عالم اسلام آج کل ذرا سستی کا شکار ہے۔ بہر حال ہو سکا تو میں آپ کو جواب دے دوں گا۔ تو اس نے کہا Chirstian Theology میں کائنات کی عمر چھ ہزار سال ہے اور Indian Mythology میں اٹھارہ ہزار سال ہے تو اسلام کیا کہتا ہے Origin of the universe کے بارے میں۔ تو میں نے کہا کہ یار بات سن! تو یہ گمان نہ کرنا کہ میں کوئی تاویل دے رہا ہوں۔ آیت سنا دیتا ہوں۔ اندازہ تم خود لگا لینا۔ میں اسے انگریزی میں Literate Translate کر دیتا ہوں۔ تو میں نے اسے سنایا: ''اولم یر الذین کفرو'' In the begining the heavens and Earths all are the one single mass. then i tore them aparts تو وہ کرسی سے اچھل پڑا کہنے لگا۔ This is Big Bang... تو میں نے کہا کہ یار تو تھوڑی سی Cosmology جانتا ہے تو اس لیے تجھے اس آیت سے Big Bang کا پتہ لگ گیا ہے۔ میں اپنے تمام علماء کے سامنے یہ آیت پڑھوں تو انہیں Big Bang نہ پتہ لگ سکے۔ یہ ایک ٹریجڈی ضرور واقع ہوئی ہے۔ اب ایک دوسری آیت سنیئے! اسی سے ملحقہ آیت ہے: ''وجعلنا من الماءِ کل شیءٍ حی'' (الانبیاء ۲۱:۳۰)۔ (ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا ہے۔) یہ بات آپ قرآن میں ہزاروں برس سے پڑھ رہے ہیں۔ آپ کو کبھی سمجھ نہیں آئے گی۔ کسی مسلمان نے دعویٰ نہیں کیا۔ کسی نے اس پر فلسفہ نہیں رکھا۔ کسی نے اس پر Scientific استدلال کی بنیاد نہیں رکھی۔ لیکن جب سر James Jeans نے کہا، "All life is created out of water" تو فوراً یقین ہو گیا۔ Why? it's simple کہ قرآن کا مطالعہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ صاحبِ قرآن اٹھ گئے جس علم کے لیے خدا نے آپ کو پیدا کیا، وہ آپ نے چھوڑ دیا۔ آپ کیوں برطانیہ اور امریکہ کے فلاسفرز اور Scientists پر اعتبار کرتے ہیں۔ وہ جڑے ہوئے ہیں۔ انسانی محنت کے شواہد کے ساتھ قائم ہیں۔ انہوں نے تجسس کی راہیں ڈھونڈیں۔

اللہ کو مولوی پسند ہے؟ قطعاً نہیں۔ میں اور آپ پسند ہیں؟ قطعاً نہیں۔ ہم اور آپ اس کے پسندیدہ بندے نہیں ہیں۔ نہ کوئی داڑھیوں والے۔ نہ بغیر داڑھیوں والے۔ نہ کوئی مہاجر، نہ لوکل۔ اللہ کے پسندیدہ ترین بندے کون ہیں؟
''الذین یذکرون اللہ قیاما وقعوداً وعلی جنوبہم'' (اٹھتے بیٹھتے، کروٹوں کے بل خدا کو یاد کرتے ہیں۔)
''ویتفکرون فی خلق السموت والارض'' (العمران ۱۹۱) (اور زمین و آسمان کی پیدائش پر غور کرتے ہیں۔)

ایک حصہ ہمارے پاس رہ گیا۔ ہم تسبیح کے لیے رہ گئے۔ غور وفکر کے لیے رہ گئے۔ جبھی جڑو گے تو کوئی دلیلِ خداوند پیدا ہو گی! وہ پروردگار یہ کہتا ہے۔ ''لیہلک من هلک عنۢ بینة'' (جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا)۔ ''ویحیٰ من حی عنۢ بینة'' (الانفال ۸:۴۲)۔ اللہ نے کیوں نہ کہا کہ اندھا دھند اعتقاد والے مراد کو پہنچ گئے...... اندھے اعتقاد کو پہنچ گئے...... مُراد وہ پا گئے جو بے عقل تھے۔ خدا کو کہنا چاہیے تھا کہ جس کو وراثت میں دین ملا وہ کامیاب ہو گیا۔ مگر، خدا نے یہ نہیں کہا: ''ان شر الدوآب عندالله الصم البکم الذین لایعقلو ن'' (الانفال ۸:۲۲)۔ (بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ برے جانور وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں اور عقل استعمال نہیں کرتے۔)

ملاحظہ کیجیے یہ محاورہ قرآن کہ انسانوں میں وہ جانور ہیں اور جانوروں میں بدترین جانور ہیں کہ جو میری آیات پر بغیر غور وفکر کے عمل کرتے ہیں۔ میں کیا کروں اگر مجھے قرآن کی وضاحت ہاکنز دے رہا ہے، آئن سٹائن دے رہا ہے۔ مگر مغرب کے نصیب میں ایمان نہیں ہے۔ آپ کے پاس ایمان کی رتی ہو سکتی ہے لیکن آپ کے پاس وضاحت نہیں ہے۔ بحران ہر سمت ہے...... مشرق ومغرب میں بحران ہے...... وہ خدا کے بغیر بحران میں مبتلا ہیں اور ہم خدا لے کے بحران میں مبتلا ہیں......

خواتین وحضرات! اعتدال، علم، غور وفکر، سوچنا سمجھنا، عقل کے ہتھیار ہیں۔ اللہ نے جب عقل کو پیدا کیا تو کہا:

''مجھے چل کے دکھا!'' پھر عقل آگے بڑھی۔ پیچھے ہٹی۔ خدا نے کہا: ''تو مجھے اچھی لگی، تیرے جیسی کوئی چیز میں نے پیدا نہیں کی۔'' پھر اسے انسان کو دے دیا گیا۔ وہ بیچاری تب سے رسوا وذلیل ہے۔

سوال: اللہ کو خدا کہنا درست نہیں ہے۔ یہ لفظ قرآن اور حدیث سے باہر ہے۔ قرآن میں اللہ نے خود کہا ہے کہ مجھے میرے اچھے ناموں یعنی ''اسمائے حسنیٰ'' سے پکارو۔ ہمارے معاشرے میں لوگ کیوں لفظ ''خدا'' استعمال کرتے ہیں؟

جواب: جب ہم پرانے معاشروں کو دیکھتے ہیں، جن میں خدا اول انسانوں سے اب تک موجود رہا تو مختلف Societies میں اللہ کے جو نام رکھے گئے، خدا ان کو Own کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ثلاثہ، مقدسہ، ہیریا، یہ خدا کے نام ہیں افریقن سوسائٹی میں۔ ''چیوا ہا'' یہ یہودی سوسائٹی میں ہے۔ اسی طرح اہورا مزدا، یہ Persian سوسائٹی میں ہے۔ اللہ کے مختلف نام زبان وبیان کے حساب سے مختلف معاشروں میں موجود رہے ہیں۔ ابھی کوئی Constitutional international law تخلیق ہی نہیں ہوا تھا بلکہ ہر زبان اور ہر سوسائٹی میں اللہ کا الگ نام تھا۔ فرض کرو کہ آپ کسی غیر عرب سوسائٹی میں لفظ اللہ بول رہے ہوتے تو عام لوگ تعجب کرتے ناشناسائی کی وجہ سے، کیونکہ اس کا مطلب کسی کو نہ پتہ ہوتا۔

اللہ سے مراد دراصل ایک Highest possible authority ہے جس کی Replacemant کسی زبان میں اسی نام سے ہو سکتی ہے، جو نام اس زبان میں کسی دوسرے کے لیے مستعمل نہ ہو۔ Persian میں یا اردو میں لفظ خدا صرف اور صرف اللہ کا متبادل ہے اور کسی دوسرے بندے پر نہیں بولا جاتا تو خدا کی اور اللہ کی مماثلت یہ ہے کہ دونوں لفظ

کسی ایسی ہستی کے لیے بولے جاتے ہیں کہ جس کے بغیر یہ لفظ بولے نہیں جاتے۔ تو یہ متبادل Language کا لفظ ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کا لفظ مستعمل ہے۔ زبان میں جاری وساری ہے اور آپ اسے لوگوں کے محاوروں سے نہیں نکال سکتے۔ اللہ دو لفظوں کا مشترک لفظ ہے ''ال'' اور ''لا''۔ ''لا'' کا مطلب بلندی ہے اور ''ال'' کا مطلب ہے سب سے بڑی بلندی والا ....

سوال: کیا جنات Meta Physical مخلوق ہیں؟

جواب: یہ Meta Physical نہیں ہے۔ اللہ نے اس کو ایک مخلوق قرار دیا ہے اور اس جیسی بہت ساری مخلوقات اور بھی موجود ہیں۔ کچھ جدید ذہن کے انسان جیسے غلام احمد پرویز ہیں یا غلام جیلانی برق ہیں، تو انہوں نے اپنی Intellectual وضاحتوں میں ان وجودوں سے یا ان مخلوقات سے انکار کر دیا ہے، حالانکہ اگر آپ غور کریں تو خداوند کریم نے انسان کو ''احسنِ تقویم'' فرمایا ہے، یعنی سب سے زیادہ متوازن مخلوق۔ اگر آپ غور کریں تو ہم زمین پر سب سے زیادہ بہتر ہیں۔ صرف احسنِ تقویم ہی نہیں ہیں بلکہ اگر جانوروں اور دوسری مخلوقات کی ترتیب سے آگے بڑھتے چلے آئیں تو We are the best جیسے زمین کے Pattern کی تخلیقات میں بہتر ہوتے ہوئے ہم سب سے بہتر تھے۔ ایسے ہی پروردگارِ عالم نے دوسرے مقامات یا دوسرے جہانوں میں جو مخلوقات بنائی ہوئی تھیں، ان میں ملائکہ روحی یا Gaseous مخلوقات ہیں۔ ''جن'' کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ High volatile gases سے تخلیق شدہ مخلوق ہے۔ اور یہ Burning Gases کے نتیجے میں وجود پذیر ہوا۔ یہ مخلوق موجود ہے اور یہ قطعاً Meta Physical نہیں ہے۔

سوال: ایمان کو مستحکم کرنے کا کوئی نسخہ بتائیں؟

جواب: اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ لوگ ہیں: ''فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم'' (النساء: ۱۰۳) کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں کے بل اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ غور و فکر اور علم کی تحصیل کرتے ہیں اور اگر آپ کو ایمان بڑھانا ہے تو یہی دو طریقے ہیں۔ پھر علم میں تمام تر وہ باتیں آئیں گی، جو قرآن اور حدیث کو سمجھنے کے لیے ضروری ہیں۔ اسلام کے Basic علوم ہی آٹھ ہیں جو بنیادی شناختِ مذہب کے لیے ضروری ہیں۔ قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، مغازی، اسماء الرجال روایت و درایت، تاریخ، جب تک آپ تمام علوم پر جستہ جستہ تھوڑے سے حاوی نہ ہوں گے۔ سید ہجویریؒ سے جب پوچھا گیا کہ علوم کی تحصیل کیسی ہے؟ تو فرمایا:

''تمام علوم میں سے اتنا ضرور حاصل کرو جو خدا کی شناخت اور محبت کے لیے ضروری ہو۔''

تو اس سے معلوم ہوا کہ اس دور میں شرق و مغرب کے تمام علوم کی تحصیل ہمارے لیے ضروری ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے Scepticism کے لیے، ان چھوٹے چھوٹے سوال و جواب میں نہ پڑیں جن کی Reasoning ہمیں قید کر دیتی ہے بلکہ خدا سے انس اور محبت کے لیے علم حاصل کریں۔ جب میں ایک بار امریکہ گیا تو لوگ مجھ سے ایک ہی سوال کر رہے تھے How to know God? How to reach God. آسٹن یونیورسٹی کے Head of the department نے مجھ سے کہا I tried to find God for fourteen years. I didn't find it. How you found the God..... لوگ کہتے ہیں کہ تمہیں خدا نصیب ہے۔ مجھے چودہ سال کے Research کے

بعد بھی خدا کیوں نصیب نہیں ہوا؟ میں نے اس سے کہا کہ Professor ! God is not a bi-product of mathematical research. It has to be the top priority of intellectual curiosity.

جب تک خدا آپ کی ترجیحِ اوّل نہیں بنتا، آپ خدا کو نہیں پا سکتے۔ لیکن کہی سنی باتیں آپ کی ترجیح ہیں۔ یہ علم نہیں ہے۔ علم یہ ہے کہ آپ یہ جاننے کی کوشش کرو کہ آپ کو کیا نہیں آتا۔ حضورِ گرامی مرتبت نے فرمایا:

”عالم وہ ہے کہ جس کو علم نہ ہو اور کہے کہ مجھے نہیں علم۔“

بجائے اس کے وہ دعویٰ علمیت کو اتنا فراخ کرے کہ بہت سارے شرفاء کی پگڑیاں اچھلنا شروع ہو جائیں۔

خواتین و حضرات! اللہ کی طرف علم ہی بڑھاتا ہے۔ خدا خود کہتا ہے کہ: ”انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰٓؤا“ (فاطر ۳۵:۲۸) (بے شک اللہ سے سب زیادہ وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔) تصوف میں ایک قول مشہور ہے:

(عارف عالم ضرور ہوتا ہے لیکن ہر عالم عارف نہیں ہوتا۔)

اس لیے خدا کو جاننے کے لیے علم بہت ضروری ہے اور اس کی تحصیل ہر سطح پر ہو سکتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ کلیّ عالم ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ بھی موقع مہیا کرے کہ آپ خدا کی راہ میں استغراق کریں۔

معین الدین چشتی اجمیریؒ آپ ہی کی طرح تو تھے۔ ایک باغ میں نوکر ہی تو تھے۔ باغ کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ تو خواجہ عثمان ہارونیؒ کا گزر ہوا، انہوں نے بشرہ دیکھا، ماتھا دیکھا۔ چاند کی طرح چمک رہا تھا انہوں نے کہا، کھانے کو کچھ لاؤ۔ آپ نے پلیٹ دھوئی، انگور صاف کیے۔ حضرت نے سلیقہ بھی دیکھا۔ جب قریب آئے تو انگور کا ایک دانہ لیا۔ اپنے منہ میں چبا کر ان کے منہ میں دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ غائت ہی بدل گئی؟ ہیئت ہی بدل گئی؟ مگر ایسا نہیں ہوا اس دعا سے اور انگور کے دانے کی برکت سے ایسی تحصیلِ علم بڑھی، ایسا شوقِ علم پیدا ہوا کہ چودہ سال خواجہ نے تحصیلِ علم میں گزارے اور جب دوبارہ ہند میں داخل ہوئے تو ”ولیٔ ہند“ کہلائے۔

خواتین و حضرات! سب سے پہلی چیز جو اللہ کی طرف لے جاتی ہے، وہ علم ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ دانش وری کے لیے مشرق و مغرب کے علم کا مطالعہ کریں۔ ضروری ہے کہ آپ قرآن و احادیث کا براہِ راست مطالعہ کریں۔ ضروری ہے کہ آپ جاننے کی کوشش کرو کہ اللہ نے قرآن میں کیا کہا: ”اتل ما اوحی الیک من الکتاب“ (کتاب کی تلاوت کرو۔) اوامرو نہی سے آگاہی حاصل کرو اور پھر: ”واقم الصلٰوۃ تنہی عن الفحشآء و المنکر“ (نماز قائم کرو۔ یہ آپ کے اسلام کی تصدیق کرتی ہے) اور اس کے بعد: ”ولذکر اللہ اکبر“ (العنکبوت: ۴۵) (اللہ کی یاد تو بہت بڑی بات ہے۔)

کچھ لوگ مدرسی علم حاصل کرتے ہیں۔ مکاتب سے گزرتے ہیں۔ ان کے مقاصد و مکاتب سے فارغ ہو کر رزق و روزگار تک رہ جاتے ہیں۔ بے شمار قرآن کے حفاظ روٹی کمانے تک اور تراویح پڑھانے تک رہ جاتے ہیں۔ پھر کوئی حافظِ قرآن کے مطالب تک پہنچ جاتا ہے۔ کوئی متقابل ادیان کا مطالعہ کرتا ہے۔ پھر کوئی نہ کوئی خداوندِ کریم کا عالم ضرور بنتا ہے۔ زمین خالی نہیں ہوتی۔ اللہ آپ پر بھی احسان فرمائے اور ہم سب کو توفیق دے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر

چلتے ہوئے سب سے بڑی ترجیح کو اختیار کریں۔ خدا کو مقصود و محورِ توجہ رکھیں اور حصولِ علم اللہ کے لیے ہو۔

علم را بر دل زنی یارے بود
علم را بر تن زنی مارے بود

علم کو اگر دل پر لگاؤ گے۔ دل جو ایمان کی جگہ ہے، دل جو خدا کی جگہ ہے، تو علم آپ کا دوست ہے۔ اگر علم دنیا کے لیے استعمال کرو گے، وجاہتوں کے لیے، اقتدار کے لیے، تو علم سانپ کی طرح آپ کو ڈسے گا۔ آپ کی کبھی بے چینی دور نہ ہوگی۔ اللہ ہم سب کو امن و سکون اور عافیتِ قلب عطا فرمائے۔

عمران خان کے ساتھ نشست

اعوذباللہ السمیع العلیم ط من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
رب ادخلنی مدخل صدقٍ و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا

خواتین وحضرات! مجھے علم تھا کہ بہت سارے نوجوان آج کرکٹ میں مصروف ہوں گے۔ مگر میں Live Cricket کا بندوبست کر کے آیا ہوں۔ ویسے بھی بحیثیت ایک جذباتی قوم کے ہر Ball پر ہماری روح نکلتی، آتی اور جاتی ہے تو میں نے کہا کہ کچھ Instructional philosophy of cricket کے تحت اور ویسے بھی ہماری Cricket ذاتیات سے نکل کر سیاست میں چلی گئی ہے، اس لیے خان صاحب میرے مہمان تھے اور میں استدعا کر کے ان کو اپنے ساتھ لے آیا۔

خواتین وحضرات! آج کے موضوع کا میں نے تعین اس لیے نہیں کیا کہ تمام حواس جو ہمارے پاس موجود ہیں۔

اس وقت رنج وغم اور کرب وبلا کی اس کیفیت میں ہیں کہ ایک بہت بڑا سوال ہمارے ذہنوں میں اس طرح سے ابھر رہا ہے کہ امتِ مسلمہ کا مستقبل کیا ہے؟ ہم کبھی فتح ونصرت کی کوئی خبر سن سکیں گے یا نہیں؟ ہمارے اعمال و کردار کی پستی کبھی کسی تعلیمی، اخلاقی اور مذہبی رجحانات سے بہتر ہو سکے گی اور ربِ کریم کی عنایات سے فتح کی نوید تک پہنچے گی کہ نہیں۔ غالباً بحیثیت ایک مسلم قوم کے ہم اپنے ذاتی تجزیے سے گزرنا نہیں چاہتے۔ اتنے معجزے میدانِ جنگ میں اور میدانِ عمل میں اس قوم سے ہو چکے ہیں اور ایسے ایسے معرکوں کی تفصیل سے تاریخِ اسلام بھری پڑی ہے کہ وہ ہمیں خواب کے ایسے مظاہرے نظر آتے ہیں کہ آج ہم سست رو اور کم اعمال ہو کے بھی انہی معجزات کی توقع رکھتے ہیں۔

خواتین وحضرات! ہر چیز Qualifications کے ساتھ ہوتی ہے۔ اخلاق Qualification کے ساتھ، جہاد Qualification کے ساتھ، جنگ وجدل Qualification کے ساتھ اور باوجود اس کے کہ پروردگارِ عالم نے بندوں کو مخاطب کر کے کہا: ''ہم چاہتے تو تمہیں براہ راست فتح دے دیتے۔ ہم چاہتے تو اسباب کے بغیر بھی تمہیں فتح دے سکتے تھے مگر ہم نے ایسا چاہا نہیں۔'' اس لیے کہ نفسیاتِ انسان ایسا رابطہ چاہتی ہے۔ انہیں خدا بہت دور لگتا ہے اور ذہن قریب کی شہادت مانگتا ہے، تو اللہ نے بدر کی جنگ کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''اے نبی کریم! اے اصحاب محمد ﷺ! ہم اگر چاہتے تو تمہیں براہ راست فتح دے دیتے۔ مگر ہم نے تمہیں پانچ ہزار ملائکہ سے مدد دی۔''

اللہ سے یہ پوچھنے کا حق تو ہے آپ کو کہ اے اللہ! اگر تیری ایک جنبشِ ابرو سے نظامِ کائنات بدل جاتا ہے،

میدانِ جنگ بدل جاتا ہے، فتح ونصرت کے معیار بدل جاتے ہیں تو پھر بیچ میں آسرے کیوں رکھتا ہے۔ تو حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی''(اور جب کہا ابراہیم نے، اے رب میرے مجھے دکھادے تُو کیسے مرُدوں کو زندہ کرتا ہے۔) پروردگارِ عالم نے سرزنش کے لہجے میں فرمایا، اے ابراہیم! ''اولم تؤمن'' ابھی بھی! اتنا جلیل القدر پیغمبر ہو کر بھی، اتنا میرا خلیل اور محبوب ہو کر، ابھی بھی تجھے اس بات پر ایمان نہیں کہ ہم مُردوں کو زندہ کیسے کریں گے۔ ''قال بلی ولکن لیطمئن قلبی''(البقرہ:۲۶۰)۔ کہا اے مالکِ کل! ذہن کی ہر سطح پر مجھے یقینِ کامل ہے مگر دل کبھی اضطراب میں چلا جاتا ہے۔ دل مضطرب ہو جاتا ہے، دل شہادتِ نظر بھی مانگتا ہے۔ شہادتِ وجود بھی مانگتا ہے۔ اس کا ٹھہراؤ تصور سے نہیں ملتا بلکہ تصور کی ہر لہر دل میں اضطراب کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔

خواتین وحضرات! تو پھر اللہ نے وہ خوارقِ عادت واقعہ دکھایا کہ اے ابراہیم! چار پرندے لے، ان کے سر کاٹ، ان کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ، پھر ان کو اپنی طرف بلا تو وہ تیری طرف بھاگتے، اڑتے ہوئے آئیں گے۔ مگر بیچ میں ایک ہلکی سی بات کہی کہ ''ان کو ہلا لینا۔'' نفسیاتِ انسان کا اگر کوئی سب سے بڑا عالم ہو سکتا ہے تو وہ اللہ خود ہے۔ اس کے تخلیق کردہ انسان میں جو کچھ بھی کمزوری وارد ہو سکتی ہے، یقین واعتبار کی جو جھلمل واقع ہو سکتی ہے، اللہ اس سے آگاہ ہے۔ تو خدا نے کہا کہ ان کو ہلا لینا۔ حضرت ابراہیمؑ نے سوال نہیں کیا مگر آیت یہ بتاتی ہے کہ اگر پرندے دوڑتے ہوئے ابراہیمؑ کی طرف آتے تو حضرت ابراہیمؑ کے دل میں ایک اشتباہ پیدا ہو جاتا کہ آیا یہ وہی پرندے ہیں جن کے میں نے سر اتارے ہیں یا کوئی نئے پرندے ہیں جن کو اللہ نے اپنی حکمت سے بھیج دیا۔ اس لیے اللہ نے کہا کہ ان کو ہلا لینا تاکہ یہ تجھ سے ایسے مانوس ہو جائیں کہ جب تیری طرف پلٹ کر آئیں تو تجھے کوئی اشتباہِ قلب نہ رہے کہ یہ وہی پرندے نہیں ہیں جو تو نے اپنے ہاتھوں سے ذبح کر کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھینکے تھے۔

خواتین وحضرات! یہ وہ اللہ ہے جو نفسیاتِ انسان میں اعتبار اور بے اعتباری کی ہر شق سے آگاہ ہے اور بے اعتباری ختم کرنے کے لیے اللہ نے سارے وسائل تخلیق کیے۔ کاش کہ کوئی ایسا صاحبِ ایمان ہوتا کہ جو اللہ پر بے سبب یقین لاتا۔ ابن عباس نے فرمایا کہ کسی سے پانی مانگنا بھی شرکِ خفی کی ایک قسم ہے۔ مگر اس شرکِ خفی سے کون پرہیز کرتا ہے؟ یہ اسباب جتنے بھی Create کیے گئے ہیں، جتنے بھی وسائل تخلیق کیے گئے، ان وسائل کا صرف ایک مقصد تھا کہ انسان شاید اس ربوبیت کی کاملیت پر یقین لانے کے باوجود اپنے اور اللہ کے درمیان فاصلوں کو کم کرنا چاہتا ہے اور وسائل اللہ اور انسانوں کے درمیان فاصلے کم کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے! کہ ربِّ کریم نے فرمایا کہ دو دن لگائے ہم نے کائنات بنانے میں اور دو دن لگائے اس میں وسائلِ زندگی رکھنے میں۔ چار ارب اور کچھ کروڑ سال ہماری زمین کی عمر ہے۔ اگر ہم پیمانۂ خداوند سے دیکھیں تو ایک دن ایک ارب سال کے برابر ہے۔ ''دو دن لگائے ہم نے زمین کو ٹھنڈا کرنے میں اور دو دن لگائے ہم نے اس میں اسبابِ زندگی، انسان رکھنے میں، اقوات پیدا کرنے میں۔'' یعنی وہ وسائل جنہوں نے آگے چل کر انسان کو زندگی میں مدد دینی تھی اور ''پھر بلند ہوئے آسمانوں کو'' اور یہ ہوئے چھ دن: ''فی ستة ایام''

خواتین وحضرات! جب ہم نقشہ بناتے ہیں تو وہ ساری دنیا کا ہوتا ہے مگر جب ہم فاصلے ماپتے ہیں تو ہم اس

میں ایک جملہ لکھتے ہیں کہ اس نقشے کے فاصلے کے ایک انچ کو دس ہزار میل کے برابر سمجھنا ہے، یعنی ہمیشہ جب ایک بڑے Plan کو مختصر کیا جائے اور جب اوقات ماپے جائیں، نظامِ اوقات ماپے جائیں تو ایک سکیل کو ہمیں چھوٹا کرنا پڑتا ہے۔ کائنات کی تفسیر و تاویل میں اتفاق یہ ہوا کہ ہم نے جتنے پیمانے بنائے وہ چھوٹے پڑ گئے۔ جتنے میلوں سے ماپا، کائنات اس سے بڑی نکلی۔ ہزار ہا میلوں سے ماپا، کم نکلے۔ لاکھوں سے ماپا، کم نکلے۔ ارب ہا ارب میلوں سے ماپا، کم نکلے۔ تو سائنس دان بیچارے تنگ آ گئے تو انہوں نے کائنات کے فاصلے ماپنے میں بجائے میلوں کے "نوری سالوں" کے پیمانے تخلیق کیے کہ چاند اگر ہم سے دور ہے تو کتنے نوری سال دور ہے؟ چاند کچھ لاکھ میل دور ہے اور سورج 9 کروڑ میل دور ہے۔ تو ہم بڑی آسانی سے یہ فاصلے ماپ لیتے ہیں مگر جب کائنات بسیط شروع ہوتی ہے، وہ وسعت افلاک شروع ہوتی ہے تو انسان کے سارے پیمانے ناقص ہو جاتے ہیں اور جب کائنات کے درمیان سے ہمیں سفر کرنا ہو تو ہم نوری سال لکھتے ہیں، یعنی ایک لاکھ 86 ہزار میل فی سکینڈ کی رفتار سے انسان اگر بھاگتا ہوا کائنات کے سفر کو نکلے تو پھر بھی کہیں نہیں پہنچے گا۔ افلاک میں بے شمار ایسے ستارے موجود ہیں کہ ایک قریب ترین Galaxy کے سب سے چمکتے ہوئے ستارے تک پہنچنے کے لیے ہمیں 15 ارب نوری سال لگیں گے۔

پروردگارِ عالم نے زمین کو بنانے میں بھی پیمانے رکھے ہیں۔ اگر آپ غور کرو تو موجودہ حقائق قرآن کی آیات کی شہادت دے رہے ہیں کہ دو دن لگائے ہم نے زمین بنانے میں اور دو دن لگائے اس میں اسبابِ زندگی انسان رکھنے میں۔ اور پھر بلند ہوئے ہم آسمانوں کو اور دو دن میں ہم نے زمین کا آسمان درست کیا۔ سائنسی حقائق کہتے ہیں کہ چھ ارب سال ہماری کہکشاں کی عمر ہے اور ساڑھے چار ارب سال ہماری زمین کی عمر ہے اور دیکھیے کہ پیمانہ پروردگار جو تخلیقِ زمین کا بنتا ہے کہ ایک ارب سال برابر ہے ایک دن کے، تو دو ارب سال اللہ نے زمین میں انسانی زندگی کے وسائل رکھے۔ اب دیکھیے کہ دو ارب سال پہلے جو Lead Crystal اللہ نے زمین میں رکھی۔ اس کا اس وقت کوئی استعمال نہیں تھا، دو ارب سال کے بعد Lead Crystal جب یورینیم میں Change ہوئی تو آج کے انسان کے کام آئی۔ کب کے وسائل اور کب کام آ رہے ہیں۔ یعنی مولائے کریم نے قیامت تک کی انسانی ضرورتوں کا احاطہ کیا، ان کی بدنی ضرورتوں کا احاطہ کیا، ان کی زندگی کی تمام تر ضرورتوں کا احاطہ کیا۔ وہ لوگ جو جبر و قدر کو نہیں مانتے مجھے بتائیں کہ قیامت تک انسانوں کے رواں دواں اس قافلے کی آمد و رفت کیسے ممکن تھی؟ اگر ان کے ماں باپ، ان کے رشتہ دار، ان کے عزیز و اقارب، ان کے گھر، ان کی گلیاں، ان کے شہر پہلے سے متعین نہ ہوتے تو ملاءِ اعلیٰ سے چلتی ہوئی ایک روح کس ٹھکانے پر پہنچتی اس لیے خدا کہتا ہے: "لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا" (الانبیا: ۲۲) (اگر کائنات میں دو خدا ہوتے تو فساد ہو جاتا۔) زمین کے متکبر اپنی خدائی میں شرکت قبول نہیں کرتے۔ ابھی دیکھیے ایک فوجی حکومت میں سول حکومت سسک رہی ہے۔ فوجی حکومت کوئی Right دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بادشاہ ایک رہے۔ اقبال نے بڑا خوبصورت شعر ایک بار لکھا:

؎ چہ عجب اگر دو سلطان بہ ولایتے نہ گنجند
عجب ایں کہ بی نہ گنجد بہ دو عالمے فقیرے

کہ تعجب کی یہ بات نہیں ہے کہ ایک ولائیت میں دو سلطان نہیں آتے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک اللہ کا فقیر

دو عالم میں نہیں سماتا۔ یہ گنجائش، یہ ظرف، یہ اخلاقی ترفع، جس کے لیے آپ آج سسک رہے ہو۔ جس کی آرزو آپ آج کر رہے ہو۔ سنی ہو، شیعہ ہو، دیو بند ہو، تبلیغ کا ہو، ہر حالت میں کسی نہ کسی انداز میں مہدیٔ آخرالزماں کے انتظار میں بےتاب ہے۔

خواتین وحضرات! مہدی آپ کو کہاں سے ملے گا؟ مہدی تو آپ کو نہیں ملے گا۔ مہدی بیچارہ کیسے آئے؟ کیا مہدی نے اپنے آپ کو مشتبہ اور مشکوک بنانا ہے؟ کتنے ہزار ہا گروہی مسلمانوں کی زد میں آ کر وہ مہدی کیسے رہ جائیں گے؟ کیا وہ تمام زمین کے مسلمانوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھانے جائیں گے کہ خدا کے لیے اختلافات چھوڑو، یہ آپس کے جھگڑے چھوڑو۔ آپ نے دیکھا کہ امریکہ کے ایک حملے نے کیا اثر دکھایا ہے۔ افغانستان(1) اور عراق(2) کی جنگوں نے کیا اثر دکھایا ہے۔ شکر ہے! کہ ہماری ٹخنوں والی جنگ ختم ہوگئی۔ ٹخنوں سے اوپر شلواروں والی جنگ ختم ہوگئی ہے۔ رفع یدین والی جنگ ختم ہوگئی ہے۔ اب کم سے کم ہمیں ایک متفق علیہ دشمنی تو نصیب ہوگئی ہے۔ اس کے لیے ہم امریکہ کو داد نہ دیں؟ اہل مغرب کو داد نہ دیں کہ:

؎ نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

احساسِ زیاں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کو پتہ ہونا چاہیے کہ احساسِ زیاں سے قیمتی وہ جذبہ ہے جس سے آپ اس احساسِ زیاں کو بھی پورا کرو گے اور آگے بڑھ کر احادیثِ رسول کے مطابق خدا کے احکامات کے مطابق اس زمانے تک پہنچنا شرط ہے جس میں امامِ آخرالزماں کا طلوع ہے اور آپ کو پتہ ہے وہ کب آئیں گے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ سوال پوچھا گیا کہ مہدی کب آئیں گے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا کہ ''تمہارا کیا خیال ہے کہ ایسے ہی چلے آئیں گے۔ مہدی اس دلہن کی طرح، کہ جس کی بڑی آرزوؤں سے شادی ہوئی اور جس نے کبھی اپنے خاوند کو نہیں دیکھا، جو شبِ عروس میں بیٹھی اس خوف و وحشت کا شکار ہے کہ پتہ نہیں اللہ میرے دولہا کو کیسا نکالتا ہے اور وہ ساری رات حجلۂ عروسی میں بیٹھی خدا سے یہ آرزو اور دعا کر رہی ہو کہ یا اللہ میرا دولہا اچھا نکلے۔ جب تمہاری آرزوئیں اس طرح کی ہوں گی تو مہدی آئیں گے۔'' جب تمہارے وجود میں اتنی طلب ہوگی۔ جب خدا سے صبح وشام یہ دعا کرو گے کہ اے مالکِ کریم! ہماری ذلت، ہماری غربت، ہماری عسرت، ہماری جلاوطنیاں اب انتہا کو پہنچیں۔ ہم قومِ موسیٰ کی طرح جب چالیس برس صحراؤں کی خاک چھانیں گے تو پھر ہمیں اس فتح کی آرزو ہوگی کہ جو اللہ نے ہمارے نصیب میں یقیناً لکھ دی ہے۔

خواتین وحضرات! تساہل یافتہ قوم، سست رو قوم، جو اپنا تجزیہ نہیں کرنے والی، خداوند کریم سے اپنی ایک عادت کو درنگی نہ بخشنے والی قوم کو مہدی نہیں مل سکتا۔ اگر ہم اللہ کی آرزو رکھتے ہیں، اگر کوئی خیالِ خوفِ خدا ہماری کسی تہہِ قلب میں جاگزین ہے۔ کہیں ہماری یہ آرزو پوشیدہ ہے کہ جس خدا کے ہم بندے ہیں، کبھی تو اس خدا کی ہمسائیگی نصیب ہو جائے۔ تو کم از کم ہمیں ایک انسانی جبلی عادت کو اللہ کے لیے ترک کرنا ہوگا: ''لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون'' (ال عمران: ۹۲)۔ (یقین جانو کہ تم کبھی نجات حاصل نہیں کر سکتے جب تک اللہ کے لیے اپنی محبتیں قربان نہ کردو)۔ آپ کا خیال یہ ہے کہ محبتیں صرف وہ ہوتی ہیں جنہیں رومانوی ادب محبت کہتا ہے، آپ کا خیال یہ ہے کہ ایک ہیرو، ہیروئن میں محبت ہوتی ہے۔ یہ محبتیں اہلِ عقل تسلیم نہیں کرتے۔ اہلِ عقل ہر اس چیز کو محبت کہتے ہیں جو آپ کے نفس میں راسخ ہو جائے۔ ہر اس عادت کو، چاہے وہ غضب ہو، چاہے وہ فضول خرچی ہے، چاہے وہ بےوقت آنا ہے، چاہے وہ

شورشِ خیال ہے، چاہے صبح کی نماز کا تساہل ہے۔ تمام نفسی کیفیات انسان پر غاصبانہ قبضہ رکھتی ہیں۔

اپنے وقت کا ایک بہت مشہور مصور مانیو بہزاد تھا۔ ایک بار بہزاد بیچارے نے اپنے وقت کی ایک بہت بڑی تصویر بنائی اور تصویر بنا کر غلطی سے اوپر ایک جملہ لکھ دیا اور جملہ یہ تھا کہ اگر کسی کو اس تصویر میں کوئی نقص نظر آئے تو از راہِ کرم اس کو ٹھیک کر دے۔ شام تک وہ تصویر غائب تھی اور اس پر صرف نقص ہی لکھے تھے اور کانٹ چھانٹ کر بری طرح مسخ ہو چکی تھی۔ وہ اتنا بڑا مصور تھا کہ آج تک مصوری میں بہزاد ایک اعلیٰ ترین سند سمجھا جاتا ہے، تو اس کو اتنا صدمہ ہوا پھر اس نے سوچ سوچ کر ایک ترکیب نکالی اور دوبارہ وہی تصویر بنا کر بازار میں لگا دی اور لکھا کہ اس تصویر میں جو اصلاح ممکن ہے وہ کر دیں۔ شام تک تصویر بالکل ویسی ہی تھی۔ اس میں کوئی اصلاح نہ ہوئی۔ خامیاں سب نکل آئیں۔ اصلاح کوئی نہ ہوئی۔

خواتین و حضرات! اللہ کے حضور ایک آدھ خامی آپ کو اس کی محبت اور دوستی سے آشنا کرتی ہے خیر ہو تو خدا کے لیے — شر سے بچاؤ ہو، نفرت ہو تو خدا کے لیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس شخص نے ایمان کی حلاوت چکھ لی جس نے اللہ کے لیے محبت کی، جس نے اللہ کے لیے نفرت کی۔ جب ہم اپنی نفرتوں کا بازار گرم کرتے ہیں، جب ہم اپنی نفرتوں کے ٹیسٹ پر نظر رکھتے ہیں۔ تو کاش کہ ہم اس میں یہ بھی ڈھونڈیں کہ کیا ہم نے کسی سے خدا کے لیے محبت کی ہے یا کیا ہم نے خدا کے لیے نفرت کی ہے؟ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایمان کی حلاوت اس نے چکھ لی کہ جس نے مجھے اپنی جان و مال، عزہ و اقارب، ہر خواہشِ ذات سے عزیز تر رکھا۔ حضرت عمر فاروقؓ سے نبی ﷺ نے پوچھا ‘‘عمر! تم مجھے کتنا چاہتے ہو؟’’ فرمایا: ‘‘یا رسول اللہ! اپنی جان سے کم ہر چیز سے زیادہ۔’’ فرمایا: ‘‘عمر! ایمان پورا نہیں ہوتا جب تک تم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ بڑھ کر نہ چاہو۔’’ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ‘‘یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گواہ رہیے گا کہ آج کے بعد آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ بڑھ کر عزیز ہیں۔’’

خواتین و حضرات! لوگ مجھے ہمیشہ سے یہ بات کہتے ہیں کہ آپ کس قسم کے استاد ہیں؟ ایک طرف تو میں بہت ساری ایسی مذہبی مشکلات سے اپنے احباب کو، اس تمام علم سے جو خداوند کریم نے مجھے بخشا، میں کوشش کر رہا ہوں کہ وہ ذہنی الجھنیں صاف کرنے میں لوگوں کی مدد کر سکوں کہ جس سے وہ ایک صاف ستھرے اللہ کے یقین و اعتماد پر قائم رہ سکیں۔ دوسری طرف میں یہ سوچتا ہوں کہ جب کوئی نام کا ہی استاد ہی، اگر حسنِ نیت کے ساتھ کسی معاشرے میں آ جاتا ہے تو اس کا لازمی عنصر صرف گفتگو کرنا اور واہ واہ کروانا ہی نہیں بلکہ وہ اس اجتماعی کردار سازی میں مدد دیتا ہے کہ جس کے بعد لوگ نہ صرف اپنے احساسِ زیاں سے آگاہ ہوتے ہیں بلکہ اس کو دور کرنے کی خاطر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے میں نے کہا کہ میرے پاس بے شمار تعریف کے الفاظ نہیں ہیں۔ میں خود خطا کار ہوں اور کسی کو خطا سے پاک نہیں سمجھتا۔ انبیائے قدس کے بعد ہم سب کا ایک پیمانۂ فکر ہے کہ کسی انسان کو ملائکہ کی یا الوہیت کی صفت تک نہ پہنچایا جائے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ خان صاحب کی باتوں نے آپ کے دل پر اس لیے بھی اثر کیا ہوگا کہ یہ ایک صاف ستھرے دل کی آہ و بکا ہے۔

میں آپ کو ایک ایسے شخص کا واقعہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس نے امریکہ اور دوسرے لوگوں کے خلاف جدوجہد میں حصہ لیا، میں نے اس سے پوچھا کہ یہ تم کیوں کرتے ہو؟ جب خدا اور رسول نے ایک ایسے عمل کی اجازت نہیں دی تو تم باوجود اتنے مذہبی ہونے کے کیوں ایسا کرتے ہو؟ ہم تو وہ مسلمان ہیں کہ جن کو اللہ نے کہا، کہ ایک جان کو بچانا ساری

انسانیت کو بچایا ہے اور جس نے ایک بندے کو قتل کر دیا اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔ آپ کو پتہ ہے اس نے مجھے کیا جواب دیا؟ اس نے کہا، پروفیسر صاحب! آپ سچ کہتے ہیں مگر بعض اوقات ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے بے انصافی کے اس سیلاب کی وجہ سے میرا دم میرے سینے میں گھٹ جاتا ہے۔ ضیق ہو جاتا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اگر میں کوئی جوابی تشدد نہ برتوں گا تو میں ویسے ہی مر جاؤں گا۔

حضراتِ گرامی! یہ فلسفہ تھا جس نے کمیونسٹ انقلاب کو جنم دیا۔ جب Russia میں Taxes اتنے بڑھ گئے کہ تندور میں جو روٹیاں لگتی تھیں، ان پر ٹیکس تھا۔ جب ایک پل سے پیدل گزرنے والوں پر ٹیکس تھا۔ جب وہاں سے پلٹنے والوں پر اسی فرد پر ٹیکس تھا۔ جب امراء اور روساء کا طبقہ اتنا مضبوط ہو جائے کہ اپنی زندگی کے معمولی سے معمولی ترفع کے لیے اس نے غریبوں کے تمام تر اثاثے کو ضبط کرنے کا سوچا ہو۔ آج آپ غور کر کے دیکھیں کہ وہ میرے بھائی جو باہر سے آتے ہیں اور وہ میرے بھائی جو ریٹائرڈ ہوتے ہیں اور ان میں فوجی افسران بھی شامل ہیں۔ جب مجھ سے کہتے ہیں کہ ہم فلاں دوست کے ساتھ مل کر Investment کرنا چاہتے ہیں، تو میں کہتا ہوں، کبھی نہ کرنا کہ آج تک کوئی سگا بھائی اعتماد پر پورا نہیں اترتا۔ کوئی اپنا اعتماد پر پورا نہیں اترتا، کوئی غیر اعتماد پر پورا نہیں اترتا۔ مگر یہ فضائے اعتماد اس لیے کم ہوگئی ہے کہ ایک تو وہ وجہ ہے جو خاں صاحب نے بتائی کہ ہمارے ہاں انصاف کم ترین سطحِ انصاف سے بھی گر گیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم خدا کو جواب دہ نہیں رہے۔

دعویٰ اسلام یا دعویٰ ایمان سے انسان مسلمان نہیں ہوتا۔ مومن نہیں ہوتا۔ ربِّ کعبہ کی قسم ہے! ایمان تو بہت دور کی بات ہے، ہم اس اسلامی جدوجہد سے بھی ابھی آگاہ نہیں ہیں جو ایک کلمۂ عالیہ کے توسط سے ہمارے دل میں بیدار ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ فرشتے ہوں، نہ میں ہوں، نہ آپ ہیں، بلکہ ہم ہو بھی کیسے سکتے ہیں؟ جب خداوند کریم خود یہ ارشاد فرماتا ہے: ”فلاتزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی“ (النجم:۳۲) (مت اپنے آپ کو متقی اور پاکباز کہو میں جانتا ہوں کہ تم کتنے متقی اور پاکباز ہو)۔ میں جانتا ہوں کہ تم کتنے خطا کار ہو۔ کیا خطاؤں کی گنجائش اللہ نے نہیں رکھی؟ رکھی ہے۔ ”الذین یجتنبون کبئر الاثم والفواحش“ (النجم:۳۲) اگر تم بڑے گناہوں سے بچو، تو چھوٹے تو تم سے ہوں گے ہی۔ دیکھیں خداوند کریم کہاں تک آپ کو گنجائش دے رہے ہیں غلطی کی۔ کیونکہ خطا سے سیکھنا انسان کا اخلاقی پیشہ ہے۔ گنجائش اللہ نے خود رکھی ہے آپ کے کمپیوٹر میں۔ خالی علم سے انسان نہیں سیکھتا، وہ بچہ کبھی آگ سے ہاتھ نہیں ہٹاتا جب تک کہ ایک دفعہ وہ اس سے جل نہ جائے۔ انسان نے ناقص تجربات کو آگے بڑھا کر مستقبل تعمیر کیا ہے۔ انسان نے خطاؤں سے سبق سیکھا ہے۔ وہ کبھی بھی مقدس نہیں ہوا۔ مگر یہ اتفاق دیکھیے کہ آج کے اس دور میں اعتبار جیسی دولت لٹ گئی ہے اور بے یقینی، بے اعتباری، شکوک و شبہات قریباً قریباً ہر انسانی شخصیت کا خاصہ ہے۔ بھلا ایسے لوگ امن کیسے پا سکتے ہیں؟ ایسے لوگ اطمینان کیسے پا سکتے ہیں؟ کوئی شخص اللہ کا قرب نہیں پا سکتا جب تک کم سے کم اس جدوجہد کا آغاز نہ کرے کہ وہ ایک دن اپنی تنہائی میں یہ سوچ کر کہ میری یہ عادت شاید اللہ کو ناپسند ہو اور وہ اس عادت کو ترک کرنے کی کوشش کرے۔ سید علی بن عثمان ہجویریؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا اللہ کے ولی سے گناہ سرزد ہوتا ہے۔ فرمایا، ”ستر مرتبہ ہوتا ہے“ مگر یہ گناہ پائیدار نہیں ہوتے۔ انسان کا احساس، اس کا بنیادی غم یہ نہیں ہے کہ وہ گناہ کر رہا ہے۔ اس کا بنیادی غم یہ

ہے کہ گناہ اسے اللہ سے دور کر رہا ہے۔

خواتین وحضرات! اللہ کی محبت ہوگی تو یہ غم ہوگا۔ اللہ کا انس دل میں اجاگر ہوگا تو یہ غم ہوگا۔ ہم مسلمان کس چیز کے ہیں؟ کون سے ہم انوکھے ہو گئے؟ ایک یہودی مجھے کہتا تھا، ''تم لوگوں نے کیوں خدا خدا لگا رکھی ہے؟ تم لوگ کیوں خدا کے ٹھیکیدار بن بیٹھے ہو؟ ہم بارہ ہزار سال سے اللہ کو جانتے ہیں۔ تم تو بمشکل پندرہ سو سال سے اللہ کو جانتے ہو۔'' میں نے کہا، ''تم ٹھیک کہتے ہو تم ہونوح ہو، ہو شیث ہو، ہو ابراہیم ہو۔ ہم تو صرف امتِ محمد ﷺ میں سے ہیں، مگر ہم اس لیے اللہ کو زیادہ جانتے ہیں کہ اللہ، ہمیں زیادہ جانتا ہے۔ اس لیے کہ خداوندِ کریم نے ہمیں امتِ وسط قرار دیا ہے۔ اللہ شہادت کے لیے ہم پر اعتبار کرتا ہے، ہمیں اس نے تمہاری پوری امتوں پر گواہ بنایا ہے۔'' مگر افسوس! ہم امانت الٰہیہ کا یہ بار ضائع کر رہے ہیں۔ کون سا معجزہ ہے تاریخ میں جس کی آپ توقع رکھتے ہیں؟ قومِ عاد کو دیکھیں۔ ثمود کو دیکھیں۔ پومپیائی کے کھنڈر دیکھیں۔ ہڑپا اور موئنجو داڑو کے دیکھیں۔ میسوپوٹیمیا کی تہذیب دیکھیں۔ اس میں آپ کو تاریخ کا ایک اصول نظر نہیں آتا؟ بالکل وہی حالات، وہی انداز، کوئی چیز نہیں بدلی۔ قومیں غربت میں نہیں تباہ کی گئیں۔ یہ پروردگار کا اصول ہے۔

''کم اھلکنا من قریۃ بطرت معیشتھا'' (القصص: ۵۸)

(ہم قوموں کو اس وقت پکڑتے ہیں جب وہ معیشت پر اترا رہی ہوتی ہیں۔ ہم ان کو اس وقت نہیں پکڑتے جب وہ غربت وافلاس کے دامن میں سسک رہی ہوتی ہیں)۔

آپ کو پتہ ہے کہ غربت وافلاس میں تو بعض حرام بھی حلال ہو جاتے ہیں؟ آپ کو پتہ ہے کہ شدتِ افلاس میں خدا اپنی شریعت کے متفق علیہ قانون بھی مدہم کر دیتا ہے۔ یہ قرآن کی آیت نہیں ہے کیا؟

''حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر..... فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم'' (المائدہ: ۳)

(تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت.....تو جو بھوک پیاس کی شدت میں لاچار ہو، یوں کہ گناہ کی طرف نہ جھکے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔

جو خدا آپ کو غربت وافلاس ومجبوری میں اتنی رعائیت دیتا ہے وہ اس قوم کو تباہ نہیں کرتا۔ قوم جب تباہ ہوتی ہے تو اللہ نے اس کے آثار لکھے ہیں۔ قوموں کی تباہی کے آثار قرآن میں لکھے ہیں۔ یہ ابن خلدون کا مقدمہ نہیں ہے۔ یہ فلسفۂ تاریخ درج ہے قرآن میں۔ کوئی پڑھے یا نہ پڑھے۔ کوئی غور کرے یا نہ کرے۔ فرمایا: ''جب ہم کسی قوم کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کے امراء ورؤساء اور اس کے بڑے لوگوں کو عیش وعشرت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔'' ملاحظہ فرمائیں گے! آپ کی قوم کی قیادت وسیادت کی کہانیاں، تمام فحاشی کی داستانیں ہیں، فضول خرچی کی داستانیں ہیں، اسراف کی داستانیں ہیں اور ان امراء ورؤساء کی یہ داستانیں اس قوم کی ہلاکت وتباہی کا باعث بن رہی ہیں۔ اللہ کہتا ہے، ''جب ہم کسی قوم کو عزت وترقی دینا چاہتے ہیں، تو ہم اس کے امراء ورؤساء کو خیر اور نیکی کی طرف آمادہ کر دیتے ہیں۔''

''واذآ اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقو فیھا'' (بنی اسرائیل: ۱۶)

(اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوشحالوں پر احکام بھیجتے ہیں پھر وہ اس میں بے حکمی کرتے ہیں)۔

خواتین وحضرات! آج ہم میں سے ایک معزز شخص جو آپ کی مدد سے، میں خاں صاحب کی بات نہیں کر رہا، کوئی بھی شخص جو اپنی نیکی اور ذہنی اخلاص کی وجہ سے اگر آپ کا اعتماد جیت جائے تو یہ ملک بدل سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے وعدوں پر قائم رہے۔ دو مرتبہ پہلے اس پاکستان میں انقلاب عوام آیا۔ دونوں مرتبہ اس انقلاب کی تاریخ جدا تھی۔ قائدِاعظم کے زمانے میں آیا۔ اب حیرت کی بات ہے کہ اس وقت کے تمام معزز، تمام رئیس، تمام بڑے زمیندار اور تمام معتبر علماء اس کے خلاف تھے مگر وہ انقلاب اس لیے آیا، آپ مانو یا نہ مانو۔ وہ آپ کی وجہ سے آیا۔ تمام سیادتیں مٹی میں ملا دی گئیں۔ تمام عز و جاہ پرستوں کے اقتدار خاک میں مل گئے اور اس قوم نے اپنے لیڈر پر اعتماد کیا۔ اس وعدے پر اعتبار کیا جو محمد علی جناح نے ان سے کیا تھا کہ میں تمہیں ایک علیحدہ مملکتِ خداداد پاکستان لے کے دوں گا۔ لوگوں نے ان پر اعتبار کیا، اجماع نے اعتبار کیا۔ یہ دین ہے کہ اجماع جب اعتبار کرتا ہے تو خدا کی نصرت اور اعانت شاملِ حال ہوتی ہے اور پھر پاکستان بن گیا۔

حضراتِ گرامی! پچھلے دنوں(1) کی بات ہے۔ قوم ایک بار پھر اسی طرح نکلی۔ بڑے بڑے اقتدار کے برج الٹ گئے۔ بڑے بڑے صاحبانِ منصب گرا دیے گئے۔ بڑے بڑے ہبل، لات، عزیٰ اور منات گر گئے اور لوگ ایک مرتبہ پھر نکل پڑے مگر بدقسمتی سے لوگ اللہ کے لیے نہیں نکلے۔ اس مرتبہ لوگ روٹی کپڑا اور مکان کے لیے نکلے۔ اس مرتبہ لوگ دنیا کے لیے نکلے۔ انہوں نے پھر اعتبار کر لیا مگر مسلمانوں کی شامتِ اعمال کہ اللہ پسند ہی نہیں فرماتا کہ مسلمان روٹی، کپڑا اور مکان کے لیے نکلیں۔ اللہ تو یہ فرماتا ہے کہ یہ تمام چیزیں میرے ذمے ہیں۔ نکلنا ہے تو میرے لیے نکلو۔ آج نکلو، کل نکلو۔ خدا کی قسم! اگر تم اپنی قیادت کو اللہ کے لیے نہیں چنو گے تو تمہاری قیادت تمہارا کبھی بھلا نہیں کر سکتی۔ آپ تو اپنی برادری کے لیے نکلتے ہو۔

ایک مرتبہ میری ساری برادری کے لوگ مل کر میرے پاس آ گئے کہ پروفیسر صاحب ان صاحب کو آپ نے کامیاب کرانا ہے۔ میں نے کہا دیکھو برادریوں کے شرف تو یہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنی شہادت کسی اچھے انسان کو دیتی ہیں۔ آپ وقت کے سب سے فالتو انسان کو میرے پاس لے آئے ہو اور اس کو قیادت دینا چاہتے ہو۔ میں اس فیصلے میں آپ کا شریک نہیں ہو سکتا۔ تین دن وہ میرے سر پر مسلط رہے کہ اگر آپ اس کی مدد کریں تو بہتر ہے۔ میں نے اس کے مقابلے میں ایک غیر شخص کی حمایت کی بصرف ایک وجہ سے۔ آخر انسان کے پاس اس کے تاریخی ریکارڈ موجود ہیں، اس کے محلاتی ریکارڈ موجود ہیں، قیاداتی ریکارڈ موجود ہیں۔ جب میں دیکھ رہا ہوں اپنی آنکھوں سے کہ یہ ذاتی تحفظ کے لیے ہی نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی جدوجہد اور کوشش کر رہا ہے تو پھر آپ کیسے دھوکا کھا سکتے ہو۔ مومن تو وہ ہے جو ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا اور اگر ہم بار بار ڈسے جا رہے ہیں تو مجھے کہنے دیجیے کہ ہم میں ایمان نہیں ہے۔ آپ کیوں یہ بات نہیں سوچتے کہ ہم ایمان والے نہیں ہیں۔ میں کیوں کسی صاحبِ اقتدار کو الزام دوں۔ مجھے تو خدا کی روشنی میں اپنا احتساب کرنا ہے۔ جب میں بار بار ڈسا جا رہا ہوں تو وہ تو سانپ ہے کہ نہیں ہے مگر میں مومن نہیں ہوں۔ ہم اپنے غور و فکر کو استعمال نہیں کرتے ہیں، اپنے جانچ پرکھ کو استعمال نہیں کرتے۔ کیا خوب کہ صابن کی ایک ٹکیہ کے لیے آپ آدھا گھنٹہ دوکاندار سے بحث کرتے ہیں۔ کپڑے کے ایک گز کے لیے آپ سارا سارا دن ضائع کر دیتے ہو اور مملکت کے نظام کے لیے، اپنی زندگیوں کی رہنمائی کے لیے، معیشت کی بحالی کے لیے اور اپنی اگلی نسلوں کے مستقبل کے لیے، آپ سے ایک دن بھی ٹھیک طرح سے نہیں سوچا جا سکتا۔ یہ کا ہے کا اسلام ہے۔

؎ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

چنگیزی اس لیے رہ جاتی ہے کہ:
"الناس علی دین ملوکھم"
(لوگ تو اپنے بڑے لوگوں کے دین پر ہوتے ہیں۔)

پھر میں کیوں بُرا مناؤں؟ یہ میرا حق نہیں ہے۔ جو مجھ پر حکمران مسلط ہیں۔ وہ اس لیے مسلط ہیں کہ میں ان کا حقدار نہیں ہوں۔ میں کسی کا نام نہیں لیتا، نام لینے سے کسی کی مخالفت مقصود نہیں ہے۔ مگر اسلام کا سیاسی نظام یہ نہیں ہے۔ اگر ایک جماعت کھڑے کھڑے اپنی تمام وفاداریاں تبدیل کر دیتی ہے تو کبھی آپ نے سوال کیا کہ کیوں کیں۔ دو بڑی سیاسی جماعتوں کے رویے آپ دیکھ لیں۔ چند افراد کے علاوہ دونوں بڑی جماعتوں کے بڑے لوگوں نے اپنی وفاداریاں تبدیل کر لیں، صرف ایک وجہ سے، اقتدار کی وجہ سے۔ بخدا اگر وہ اپنے سیاسی مسالک پر قائم رہتیں تو وہ اپنے مقاصد کو اب تک حاصل کر چکی ہوتیں لیکن وہ نہیں حاصل کر سکیں۔

جب ایک حکمران کو پتہ ہے کہ میری قوم خرید و فروخت کی کمزور ہے۔ جب میں لوگوں کو بانٹ سکتا ہوں، تقسیم کر سکتا ہوں، تو ایسا حکمران آپ کو ہمیشہ زیر دست رکھے گا۔ وہ کبھی آپ کو اور آپ کے نمائندوں کو در خور اعتنا نہیں سمجھے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اللہ نے اور میرے رسول ﷺ نے امیر کی قیادت کو تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے فرمایا: کہ سب سے بڑی بات آپس میں تفرقہ ڈالنا ہے اور جب امارت قائم ہو جائے تو اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ مگر اس امیر میں کوئی خوبی اسلامی بھی ہو۔ کوئی ایسی خوبی تو ہو کہ جس کی وجہ سے اس کی اطاعت کی جائے۔

کیا آپ یقین کرو گے کہ انگریز کیوں منصف حکمران تھا؟ کیوں آج بھی بڑے بوڑھے انگریز کو یاد کرتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ انگریز کے زمانے میں انصاف تھا۔ بخدا انگریز میں کبھی انصاف نہیں رہا۔ وہ تو ایسی بد بخت قوم ہے کہ جنہوں نے ایک میجر کے کان کٹنے کے جرم میں ایک پورے قبیلے (1) کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا تھا، اپنی طاقت کے نشے میں۔ وہ اس لیے یہاں انصاف کر گئے کہ ان کا یہاں کے لوگوں کے ساتھ کوئی رشتہ ناطہ نہ تھا اور عموماً لوگ اسی وقت انصاف کرتے ہیں جب ان کے رشتے، ناطے، تعلق اور اغراض وابستہ نہیں ہوتے۔ جب وہ ان سے باہر ہوتے ہیں۔ مگر مسلمان حکمرانوں میں یہ صفت ہمیشہ رہی کہ باوجود اسی معاشرے، اُسی مسلک، اسی گھرانے، اسی خاندان، اسی گلی کے ہونے کے وہ اپنے سگے بھائیوں پر بھی حقِ شرعی نافذ کر گئے، لیکن ہم نے اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے میں تقسیم کر دیا ہے۔ کیا کبھی کسی نے کمیونزم کو بانٹا ہے، جب کمیونزم نظام قائم تھا تو کیا کبھی کسی نے گلہ کیا کہ آپ بڑی سخت سزائیں دیتے ہیں؟ سائبیریا ابھی بھی بھرا ہوا ہے ان بدبختوں اور بدنصیبوں سے جن کو کمیونسٹ گورنمنٹ نے اذیتیں دے کر ہلاک کیا تھا۔ امریکہ نے اپنے گناہ گاروں کو کبھی بخشا ہے؟ صرف وہم اور وسوسے کی بناء پر یہ دوسرا سائبیریا جوگوانٹانامو بے میں تیار ہوا۔

ہم کیسے مسلمان ہیں؟ آپ کہتے ہو کہ توہین کیا چیز ہے؟ توہینِ رسالت کیا ہے؟ توہینِ خداوند کیا ہے؟ آج صبح میں تین صفحوں کی خبریں پڑھ کر آیا ہوں۔ ایک ریٹائرڈ جسٹس ارشاد فرماتے ہیں کہ حدود اللہ ناقص ہیں اور ان کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی احتجاج نہیں ہوا، اس لیے کہ ہم جذباتی لوگ ہیں۔ ہم Personal وابستگیوں سے احتجاج کرتے ہیں۔

ہم بنیادی اصولی اختلافات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہمیں پتہ ہی نہیں ہے کہ کیا موومنٹ جاری ہے حدود اللہ کے خلاف۔ ہم جانتے ہی نہیں ہیں کہ دو چار Secularist مل کر اسلامی بنیاد پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ پانچ کے بجائے تین نمازیں ہو گئیں تو آپ اسے کیا سمجھو گے؟ اگر بنیادی قانون سے اللہ کی حدود کو نکال دیا جائے تو پیچھے مذہب کیا رہ جائے گا؟ کون سا نظامِ عدل و انصاف اسلام کا رہ جائے گا؟ کہاں رہ جائے گی محمد ﷺ کی رسالت پناہی؟ آپ کیوں غور نہیں کرتے؟ بے وصف، بے منزل، بے حقیقت لوگ۔ ایسے میں ہمارا کوئی Option نہیں ہے۔ شاید اللہ کا کوئی اچھا بندہ، جس کو ہم اللہ کے لیے چاہیں، اس کی مدد اللہ کے لیے کریں، رسول کے لیے کریں، بہتر اور مثبت مقاصد کے لیے کریں۔ تو تیسری مرتبہ لوگ پھر نکلیں گے۔ میں ربِّ کعبہ کی قسم اور اس اذانِ مقدس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک آخری مرتبہ لوگ پھر نکلیں گے۔ اللہ کے لیے اور کسی اچھے بندے کا انتخاب کریں گے۔ وہ دن انقلابِ زمانہ کا دن ہوگا۔ وہ دن احیائے اسلام کا دن ہوگا۔ وہ دن محمد رسول ﷺ کے غلاموں کی بادشاہت کا دن ہوگا۔ (اللھم آمین)

وماعلینا الا البلاغ

سوالات وجوابات

سوال: God has given the instinct of killing the deer to the Lion. The deer face more horrible death at the hands of the Lion. The deer is torn tender to tender and lingment to lingment. Why should the deer undergoes such a painful death but one is the killer and other is the victim. Is it not the injustice on the part of God.

جواب: ماشاءاللہ! مختصراً سوال یہ ہے کہ شیر اور ہرن کی اس جنگ میں جو ازل سے بقا کے لیے جاری ہے۔ اگر شیر ہرن کو مارتا ہے تو دونوں ازل سے جو خدا نے ان کو فطرت دی ہے اس پر قائم ہیں۔ مگر ایک قاتل ہے اور ایک مقتول ہے اور قاتل اور مقتول کا ہونا اللہ کے Justice کے خلاف ہے۔

حضراتِ گرامی! اس میں کچھ Exceptions ہیں۔ Normally ہم جو فلمیں دیکھتے ہیں، اس میں ہرن ہی شکار ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر تصادم کی اس فضا میں بارہ سنگھے بہت مرتبہ چیتوں اور شیر کا بھی شکار کر لیتے ہیں۔ شاید آپ کے علم میں نہ ہو کہ شیر سب سے زیادہ بارہ سنگھے سے ڈرتا ہے اور اپنی جوانی کے عالم میں جب وہ سر نیہوڑائے ہوئے، جوانی کی طاقت میں شیر کی طرف بڑھتا ہے تو بڑے بڑے شکاری جانتے ہیں کہ کوئی شیر اس کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ مجموعی طور پر ایک کمزور ہرن ایک طاقتور شیر کی خوراک کیوں بن جاتا ہے؟ حضراتِ گرامی! اس سے آگے چل کر سوچنا ہوگا کہ زندگی اور موت کے درمیان، موت قاتل ہے اور زندگی مجبور، محکوم اور مظلوم ہے۔

اس Equation کو بناتے ہوئے سب سے بڑی بات جو اللہ کے Injustice میں آئے گی، وہ یہ کہ اس نے

زندگی اتنی ناپائیدار کیوں رکھی اور موت کو اتنا بڑا حاکم کیوں بنایا؟ زندگی اور موت کے حوالے سے یہ سوال بڑا Important رہے گا۔ اگر شیر اور ہرن کے علاوہ بھی باقی ساری مثالیں ہم اکٹھی کریں تو بالآخر سوال اسی بنیادی نہج پر پہنچے گا کہ اللہ نے موت کو کیوں تخلیق کیا اور کیوں اس کو اتنا ظالم اور Killer بنایا ہے اور زندگی کو کیوں اتنا مظلوم۔ سب سے پہلے اپنے محترم دوست کو یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ زندگی میں موت، سزا نہیں ہے۔ نہ کسی جانور کی، نہ کسی انسان کی۔ یہ Exit ہے۔ جیسے آنے کا رستہ ہے ویسے ہی یہ جانے کا رستہ ہے۔ اگر Exit نہ ہو تو تمام تر زندگی زمین پر Stationary ہو جائے گی۔ ارب ہا ارب کی نسلیں Congest ہو جائیں گی اور انسان اور جانور خود ہی مرنے کی آرزو کریں گے۔ اس کے پیچھے ایک بڑی مزیدار داستان ہے۔

یہ سوال سب سے پہلے یونان کی Mythology میں آیا اور جب موتیں ہو رہی تھیں، لوگ مر رہے تھے، زندگی ضائع ہو رہی تھی اور موت حکمران تھی تو لوگوں نے سوچا کہ اگر بیماریاں ختم ہو جائیں تو لوگ نہ مریں اور بہت جئیں تو انہوں نے Pandora's box جس میں بقول ان کی Mythology کے تمام دنیا کی بیماریاں بند ہیں بلکہ موت اور ہلاکت بند ہے۔ پھر ایک جرأت مند آگے بڑھا اور اس نے Pandora's Box کھول دیا، تو شروع شروع میں تو بہت خوشی ہوئی۔ نہ کسی کا دادا مرتا تھا، نہ نانا مرتا تھا، نہ کسی کا بچہ مرتا تھا، نہ گھوڑا، نہ ہاتھی، تو تجربات نے یہ بتایا کہ دس سال میں تمام نسلِ انسان ایک دوسرے کی دشمن ہو گئی اور یہ آرزو کرنے لگی کہ کوئی آگے والا جائے تو پیچھے والا آئے اور یہ جو تسلسل ہے زمان و مکان کا، اور نسلِ انسان کا اور نسلِ جانوران کا، یہ تسلسل اس صورت میں قائم ہی نہیں رہ سکتا تھا۔ تو یہ کوئی ناانصافی کی علامت نہیں تھی۔ شیر کی بھی Exit لکھی ہوئی ہے، بارہ سنگھے کی بھی Exit لکھی ہوئی ہے۔ اگر یہ جگہ خالی نہ کریں گے تو Life ساری کی ساری Congest ہو جائے گی اور پھر ایک نسل کے سوا کوئی دوسری نسل اس پر آباد نہیں رہ سکتی۔ آپ اپنے بچوں کو Tolerate نہیں کر سکتے کیونکہ آپ جگہ چھوڑیں گے تو وہ آپ کی جگہ پائیں گے۔ ایک حکومت میں کتنی نوکریاں ہوتی ہیں۔ پندرہ کروڑ کا ملک ہے۔ آج کے زندہ لوگوں کو تو وہ جاب مل گئی ہیں لیکن اگر آپ نہیں مریں گے اور پیچھے سے کوئی نہیں مرے گا تو اس کے بعد والے کہاں رہیں گے؟

چلیے اگر آپ ہرن کی بات کرتے ہیں کہ اس کی Exit پر آپ کو ترس آ گیا ہے تو کتوں کا کیا بنے گا؟ سوروں کا کیا بنے گا؟ سانپوں کا کیا بنے گا؟ اگر ان بے شمار تخلیقات کے Exit نہ لکھے ہوں تو تمام زندگی اس طرح Congest ہو جائے کہ مخلوقات کے اجتماع میں سانس لینا محال ہو جائے اور خواتین و حضرات! موت اتنی مظلوم ہے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ جو ہرن کی جان لیتی ہے، بندے کی جان لیتی ہے، ملک کی لیتی ہے، جب قیامت کا دن ہو گا تو خود اس کی اپنی جان لے لی جائے گی۔ آپ تو Permanent Life پائیں گے۔

”مستقر و متاع الی حین“ (البقرہ:۳۶) تھوڑے سے وقت کے لیے آپ کو وہاں گھیرا گیا ہے۔ جب آپ فارغ ہو جاؤ گے تو Eternal Life کو جاؤ گے۔ بحرِ بیکراں سے آئے ہو۔ بحرِ بیکراں کو جاؤ گے۔ تھوڑے سے عرصے کے لیے اس لامتناہی سمندر میں آپ کو ایک جزیرہ، ایک ناپو دے دیا گیا ہے کہ آپ پانی سے نکل کر ناپو پر کھڑے ہو جاؤ، تھوڑا سا آپ کو یہاں فائدہ ہے۔ معمولی سا اس زندگی کا فائدہ ہے۔ مگر اس زندگی کے بعد آپ پھر حیاتِ ابدی کو بڑھ جاؤ

گے۔ مگر آپ حیاتِ ابدی کو بڑھ جاؤ گے تو پھر موت کا کیا ہوگا؟ تو حدیثِ رسول ﷺ ہے: ''قیامت کے دن موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا۔'' پھر نہ کوئی ہرن مرے گا، نہ کوئی انسان، نہ کوئی عورت اور نہ کوئی بچہ، نہ کوئی مرد اور Eternal حیات کے Sources قائم ہوں گے۔ پھر Entry ہوگی۔ Exit کوئی نہ ہوگا۔

سوال: اسلام میں قیادت کا کیا تصور ہے؟ نبی ﷺ کے دور سے لے کر اور خلفائے راشدین کے دور کے بعد آج تک کیا Exact ویسی قیادت کبھی آئی یا نہیں۔ ہمارے اس وقت تقریباً ستاون اسلامی ممالک ہیں۔ کیا کسی میں اسلامی حکومت یا اسلامی قیادت قائم ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا یہ Implementable ہی نہیں ہے؟

جواب: یہ بات جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں، شاید اس سے پہلے آپ کو کسی نے نہ کہی ہو۔ یہ توجہ سے سننے والی ہے۔ اسلام کا ابتدائی نظام جو تقریباً چالیس برس کا تھا، یہ رہنے کے لیے نہیں تھا مگر اس کی آرزو رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ یہ نظام اس لیے نہیں تھا کہ یہ Continue کرتا۔ اس کی دو بڑی وجوہات تھیں کہ اسلام اپنے زمانے میں ایک جدا انقلاب تھا۔ ایک ایسا انقلاب جو نہ قبائل کی سرداری کو مان رہا تھا، نہ کسی حکومت کی سربراہی کو مان رہا تھا۔ جو بادشاہتوں کے درمیان سے اٹھا اور لوگ ابھی کسی قسم کے Democracy یا اشتراکِ رائے کے قائل نہ تھے۔ خاندانی تعصبات قائم تھے۔ قبائلی تعصبات قائم تھے۔ چالیس برس کے لیے اس نظام نے صرف آپ کو مثال بخشی۔ یہ قائم رہنے کے لیے نہیں تھا۔ یہ مثال بخشی کہ جب بھی امتِ محمد ﷺ کی حیثیت سے آپ بلوغتِ شعور کو پہنچو اور جب بھی آپ کو انتخاب اور قیادت چاہیے ہو۔ جب بھی آپ کو نظامِ حکومت کا کوئی نقشہ چاہیے ہو، کہ آپ کے حکمران کیسے ہونے چاہئیں؟ آپ کی خدمتِ خلق کیسے ہونی چاہیے؟ تو آپ کو وہ نظام ہمیشہ ایک مثال کے طور پر مدد دے گا۔ آپ کا حکمران ''ابوبکر صدیقؓ'' کی طرح ہونا چاہیے۔ آپ کا حکمران ''عمر فاروقؓ'' کی طرح ہونا چاہیے۔ آپ کا حکمران کمزور بھی ہو تو ''عثمان غنیؓ'' جیسا ہونا چاہیے۔ آپ کا حکمران Politically جتنا بھی Unsetteled ہو ''علی مرتضیٰؓ' جیسا ہونا چاہیے۔ ان حکمرانوں میں ایک فرق ہے۔ ان حکمرانوں کی ایک ایک صفت آئی ہے۔ اگر بڑی صفات آپ جمع کر لیں تو ایک حکمران ان پر چل کر درجۂ کمال کی حکومت تک پہنچتا ہے۔

ایک صفت ''سیدنا ابوبکر صدیقؓ'' کی ہے کہ احباب نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں رائے دی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بتایا کہ جب زکوٰۃ کا مسئلہ آیا اور جب ارتداد کا مسئلہ آیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ جو اتنے نرم خو تھے، اتنی سختی سے قائم ہو گئے کہ ہم نے یہ گمان کیا اور ہم سب اصحاب کی یہ رائے تھی کہ ابوبکر کا سینہ اللہ نے ایمان کے لیے کھول دیا ہے۔ یعنی اتنے نرم خو اور کمزور بندے نے جب قرآنی مسائل پر، اسلامی مسائل پر اور جب مملکتِ اسلامیہ کے تحفظاتی مسائل کا ذکر ہوا تو ابوبکر صدیقؓ ایک آہنی دیوار کی طرح کھڑے ہو گئے اور اصحاب نے ان سے تقویت پائی اور اسلام تو اٹھتے ہی ختم ہو جاتا، جب ایک پیغمبر صادق کے مقابلے میں کم از کم سات جھوٹے پیغمبر کھڑے ہو جائیں۔ مسیلمہ کذاب جیسا جھوٹا کھڑا ہو جائے۔ اسود، انسی، سجاح جیسی عورت کھڑی ہو جائے اور مدینے سے باہر اسلام کا نام و نشان نہ رہے تو پھر اس اقامتِ دین کا جس کا ابوبکرؓ نے مظاہرہ کیا اور اصحابِ رسول ﷺ نے ان کا مکمل ساتھ دیا۔ ایسا حکمران چاہیے جو غیرت وحمیت اور غیرتِ دین کے لیے بش اور بلیئر کا نہیں بلکہ اللہ اور رسول کی خدمت کا پورا پورا حق ادا کرے۔

دوسری بات، جناب عمر فاروقؓ کے حق میں حضرت علیؓ کی وہ شہادتیں ہیں جو حضرت عمرؓ کے انتخاب کے موقع پر انہوں نے دیں۔ یہ شہادتیں ایک خلیفہ کے لیے دوسرے خلیفہ دے رہے ہیں۔ انہوں نے ایک بڑا تاریخی جملہ بولا اور حکمران کے لیے یہ فیصلہ کن جملہ ہے۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا، کہ ''خدا کی قسم! عمر خلق کے لیے سب سے زیادہ نرم اور اپنے نفس کے لیے سب سے زیادہ سخت ہیں۔'' آپ کے حکمران کے انتخاب میں وہی قول فیصل ہے جو حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں کہا کہ یہ لوگوں کے حق میں انتہائی نرم ہیں اور اپنے حق میں انتہائی سخت ہیں۔ آج بھی اسلامی حکمران وہ ہوگا جو باقی مسلمانوں کے لیے نرم اور اپنے Self پر بڑا سخت ہوگا اور آپ کو پتہ ہے کہ جناب عمر فاروقؓ کے دو اقوال ہیں، جنہوں نے مغرب کی Social Security کے System کو روشن کر دیا۔ جوں جوں نظام آگے بڑھا، جناب عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو اگلے برس ہر بوڑھے، ہر بچے اور ہر بیوہ کا وظیفہ مقرر کروں گا۔ ایک دوسرے قول میں عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھوکا مر گیا تو عمر اس کا ذمہ دار ہوگا۔ یہ ہے حکمران کی Accountability جب حکمرانوں میں یہ Accountability نہ ہوگی، یہ Social Security سسٹم کے تحفظات نہ ہوں گے، تو معاشرے میں انسان کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ 1955ء میں جب Britian میں سب سے پہلے Social Security System کا افتتاح ہوا تو انہوں نے یہ وضاحت سے بتایا کہ Basically ہم نے یہ نظریہ قول فاروقؓ سے لیا ہے۔

اس کے باوجود کہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کا دور بڑی شورش اور کشمکش کا دور تھا مگر آپ کو پتہ ہے کہ اس شورش میں ہمیں سب سے بڑا اصول کیا ملتا ہے کہ باوجود اس کے کہ مؤرخین اور ہمارے جیسے کوتاہ بین مفکرین یہ کہتے ہیں کہ جناب علی کرم اللہ وجہہ میں اور ان میں اختلاف تھا مگر سیدنا عثمان بن عفانؓ کے مین دروازے کی حفاظت جناب علی کرم اللہ وجہہ کے بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ نے کی۔ باوجود انتہائی سنجیدہ اور سیاسی اختلافات کے، کوئی تاریخ اس بات سے انکار نہیں کرتی کہ حضرت عثمانؓ کی حفاظت کا بنیادی کام جناب علی کرم اللہ وجہہ کے بیٹوں نے سرانجام دیا۔ کیا عجیب بات ہے؟ کیا عجیب بات ہے کہ اپنے اختلافات میں ہم یہ بھول جاتے ہیں......ہم ذرا ذرا سے اختلافات میں ملک کو توڑنے تک پہنچ جاتے ہیں۔ آئین کے توڑنے تک پہنچ جاتے ہیں۔ مگر ادھر ایک بڑے واضح اختلاف کے باوجود ایک خلیفہ اپنے بچوں کو، اس شورش کی وجہ سے حفاظتِ عثمانؓ کے لیے بھیج دیتا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں دوبارہ ایک سب سے بڑا جو ہمیں انتخاب کا اصول نظر آیا کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب ہنگامی تھا۔ عمرؓ کا انتخاب Personal تھا اور عثمانؓ کا انتخاب Committee پر تھا تو جناب علی کرم اللہ وجہہ کا انتخاب شوریٰ پر تھا۔ تمام اسلامی ممالک سے نمائندے جمع تھے اور بڑی شورش اور کشمکش کے باوجود ان تمام نمائندوں نے مل کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ چنا اور حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ وہ خلافت قبول فرمائیں تا کہ عالم اسلام متحد ہو۔

انگلینڈ میں جب جنگ شروع ہوئی تو Chamberlene کی حکومت تھی مگر وہ اتنا کمزور حکمران تھا کہ فوری طور پر اس سے حکومت لے کر چرچل کو دے دی گئی، اس لیے کہ جنگ کے وقت میں یہی بہتر Lead کرسکتا تھا۔ جب جنگ ختم ہوگئی تو فوراً ہی چرچل کو وزارت سے الگ کر دیا گیا اور اس کی جگہ ایک دوسرا لیڈر چن لیا گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس قوم

کو احساس ہوا کہ چیمبر لین اتنا مضبوط وزیر اعظم نہیں ہے کہ جنگ میں ہمیں Lead کر سکے اور چرچل ایسا نہیں ہے کہ جو امن میں قوم کو Lead کر سکے۔

آپ کو چار Pattern دیے گئے ہیں۔ آپ کو کہا گیا کہ اگر فتنہ ایسا ہے کہ نہیں ٹل سکتا تو ابو بکرؓ کا انتخاب کر لو۔ اگر سلطنت مستحکم ہو رہی ہے اور وسعت میں جا رہی ہے تو Experties Decision کر لو عمرؓ چن لو اور جب مستحکم ہو گئی ہے تو آپ شورائی نظام Committee بنا کر اپنے خلیفہ کا انتخاب کر لو اور اگر مدینہ سے باہر نکلنا ہے تو پھر علی کرم اللہ وجہہ کا طرز انتخاب کر لو۔

دورِ اسلام کے ان ابتدائی سالوں میں Character اور طرزِ حکومت دونوں کو ملا کر آپ کو ایک Pattern دیا گیا، اس کو Continue کرنا مراد نہ تھا۔ جب کسی طرز کی بھی حکومت قائم ہو تو وہ ان چار طرزوں میں سے کوئی بھی طرز لے لے مگر کردار وہی ہو جو ان خلفاء کا تھا اور دوسرے یہ کہ انتخاب کا واحد Centre اور چناؤ کا واحد مقصد اللہ اور رسول کے لیے فیصلہ انتخاب کرنا ہو۔ اب بھی شاید ہم بہتر فیصلہ کریں گے تو شاید ایسا ہی کریں گے انشاءاللہ......

سوال: ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی پتا بھی ہل نہیں سکتا۔ آج اگر ایک بچہ ہندو کے گھر پیدا ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے ہندوازم ہی سکھایا جائے گا۔ کل کو جب وہ جوان ہوتا ہے اور دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس میں اس بچے کا کیا قصور۔ پیدا تو وہ اللہ کی مرضی سے ہوا؟

جواب: آپ کا سوال Technically تاریخ سے منسلک ہے۔ بنیادی طور پر ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ کیا وہ لوگ جو کافر ہوئے یا وہ لوگ جنہوں نے اسلام کو قبول کیا یا اسلام کو ترک کیا، کیا وہ لوگ کسی صورت پہلے ہدایت یافتہ تھے یا نہیں تھے؟ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دو مرتبہ انسانی انقلاب آیا۔ آدم سے نوح تک اور نوح کے بعد......قرآن حکیم میں ایک آیت ہے جو معمولی پڑھے لکھے لوگوں کو کبھی سمجھ نہیں آ سکتی وہ آیت یہ ہے۔ ”کان الناس امة واحدة“ (البقرہ:۲۱۳) (سب پہلے موحد تھے۔) سب پہلے خدائے واحد پر اعتبار کرتے تھے۔ ایک ہی تھا سب کا اللہ، مگر بعد میں ان لوگوں نے خدائی Add کر دی اور بت پرستیاں شروع کر دیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ کی تاریخ خراب ہے یا ہماری تاریخ خراب ہے۔ خدا صحیح کہہ رہا ہے یا جو ہمیں تاریخ نظر آ رہی ہے وہ صحیح ہے۔ ہمیں تاریخ یہ بتاتی ہے کہ بہت پہلے علم الاصنام تھا۔ یونان میں، انڈیا میں، میسوپوٹیمیا (Mesopetamia) میں بتوں کی پرستش کا رواج تھا تو علم الاصنام کو Pre-history کہتے ہیں۔ اگر Pre-history سے بت پرستی چلی آ رہی ہے تو خدا سچا کیسے ہو سکتا ہے؟ خدا تو کہتا ہے کہ سب پہلے موحد تھے اور بعد میں انہوں نے بت پرستی شروع کر دی۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب ہم Pre-history سے ذرا پیچھے جاتے ہیں۔ تو ہم پر حیرت انگیز انکشاف ہوتا ہے کہ تمام نسلِ انسان بنیادی طور پر خدائے واحد کی پرستش کرتی تھی۔

Greeks کے علم الاصنام میں پانچ بڑے دیوتا ہیں: Hefastus, Zeus Mars, Hermes, Afrodite مگر پانچوں کے پانچوں ایک باپ Chronus سے پیدا ہوئے اور یہ مشہور ہے کہ جب نسلِ انسان نے اپنی خامیاں دیکھیں اور ان کے گناہ بڑھ گئے، تو سب سے بڑی بات کہتے ہیں:

عذرِ گناہ بدتر از گناہ

تو جب نسلِ انسان نے اپنے گناہوں کی تاویل شروع کی تو پھر انہوں نے یہ سوچ کر کہ ہم اپنے گناہ کسے دیں تو انہوں نے اپنے خداؤں کے نام گناہ لگانے شروع کر دیے۔ کوئی دیوتا Lust کا Goddess ہو گیا، جیسے Afrodite ہے۔ کوئی ان میں کشت و خون کا دیوتا ہو گیا۔ یہ تو ہوئی یونان کی Mythology.....

اب ذرا ہندوستان کی طرف آئیے! جو آپ کے قریب ہے۔ اس کی مثال جلدی سے سمجھ آئے گی۔ ہندوستان میں جب Aryans وارد ہوئے تو ان کا ایک خدا تھا، وہ تھا اندرا، اگر اس کی تعریف دیکھو تو He is God of swirg and God of thunder. یہ جنت کا خدا ہے اور انتقام کا خدا ہے، غضب کا خدا ہے۔ اب جوں ہی وہ ہندوستان میں داخل ہوا، یہ میں ان ہندوؤں کی بات کر رہا ہوں جن کی آپ بات کر رہے ہیں..... جوں ہی وہ ہندوستان میں داخل ہوا تو Local Effects, کی وجہ سے جو گناہ گاریاں جاری ہوئیں تو انہوں نے اندرا کی دو شادیاں کرا دیں: متھرا اور ورونا۔ یہ دو دیویاں اندرا کی بیویاں بنیں اور پھر اس کے بعد Jungle of Gods and godesses اس کو وہ پہلی تری مورتی کہتے ہیں۔ کیا اللہ نے ان کو پھر موقع نہیں دیا اپنے آپ کو سدھارنے کا؟ پھر موقع دیا۔ اب دوسری تری مورتی شروع ہوئی۔ دوسری تری مورتی میں بھی ایک ہی خدا تھا: برھما۔ اب اس کے کچھ عرصے بعد پھر وہی شیطانی کھیل شروع ہو گئے اور وشنو اور شیوا پیدا ہو گئے۔ اب آپ دیکھیں کہ کیا ہندو کی کسی اصل کتاب میں کثرتِ خدائی کا ذکر ہے؟ اب میں ان کی کتاب قانون میں سے ایک Quatation دے رہا ہوں۔ ''سمرتی'' ہندوازم کی کتاب قانون ہے، اس کو ''منو'' نے لکھا۔ ''منو'' جو نوح کا ہم عصر ہے، وہ ہندومت کا بنیادی قانون ساز ہے۔ اس سے اس کا بیٹا پوچھتا ہے: بابا! شیوا اور وشنو کیا ہیں اور برہما کیا ہے؟ اگر تمام کائنات کا وجود برہما ہے تو شیوا اور وشنو کیا ہے؟ اس نے کہا کہ بیٹے کبھی گمان نہ کرنا کہ حقیقت تسلیم شدہ ہے، حقیقتِ مطلقہ ایک ہے۔ برہما وجودِ کائنات ہے۔ شیوا اور وشنو اس کی صفات ہیں۔

آج بھی جب ہندوستان میں مسلمانوں کی وحدانیت کا زور بڑھ گیا تو ایک تحریک شروع ہوئی جس کو بھگتی تحریک کہتے ہیں اور بھگتی تحریک کا Claim صرف ایک تھا کہ اگر مسلمان ایک خدا پر یقین رکھتا ہے تو ویدانتا بھی خدائے واحد پر یقین رکھتا ہے۔ اب بتائیے کہ کس ہندو کو کس چیز کا علم نہیں ہے؟ قرآن نہ پڑھیں، نہ سہی..... مگر اس نے تو ویدانتا بھی نہیں پڑھا ہوا ہے۔ اس نے تو اپنی کتاب مذہب بھی نہیں پڑھی ہوئی۔ اسی طرح Christians نے اپنی کتاب مذہب بھی نہیں پڑھی ہوئی۔ اس چیز کا Blame خدا کو نہیں دیا جا سکتا۔

البتہ ایک چیز لازم ہے کہ خدا یا مذہب کس کو کہتے ہیں؟ مذہب کہتے ہیں چلنے کے رستے کو' مگر جانا کہاں ہے؟ شریعت کبھی بھی مذہب کا مقصود نہیں رہی۔ شریعت معاشرے کے تحفظ کے لیے ہے۔ اگر آپ ایک معاشرہ بنائیں گے اور اسے لمبے عرصے کے لیے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، جیسے امریکن لاء بنانا ہے، برٹش لاء بنانا ہے، تو اللہ نے بھی ایک مسلم معاشرے کے تحفظ کے لیے جو لاء بنایا ہے اسے ہم شریعت کہتے ہیں۔ شریعت مقصودِ مسلم ہے مقصودِ پروردگار نہیں ہے۔ جیسے قربانی مقصودِ مسلم ہے مگر قربانی کا گوشت اور ہڈیاں اللہ کا مقصود نہیں ہیں۔ اللہ کا مقصود وہ نیت ہے کہ جس کے ساتھ آپ قربانی کرتے ہیں۔ دیکھیں خدا نے قرآن ہی ہر پیغمبر پر اتارا۔ آدم پر بھی، ابراہیم پر بھی، موسیٰ پر بھی، قرآن ہی اترا' مگر By Parts ایک ایک شق۔ کسی پر قانونِ قصاص اترا، کسی پر قانونِ ازدواج اترا، کسی پر حلال و حرام اترے، مگر جب

لوگ Mature ہو گئے، دین کو قبول کرنے میں تو اللہ نے کہا:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" (المائدہ:۳)

آج دین تمام کیا۔ آج درسِ اسلام تمام کیا۔ آج رسالت، جو نعمت ہے وہ ختم کر دی۔ کتاب اللہ میں نے ختم کر دی۔ اب تم اتنے Mature ہو گئے ہو کہ چاہو تو سنو، چاہو تو نہ سنو۔

خدا، بندوں میں نسلوں سے تقسیم نہیں ہوتا۔ مذاہب میں تقسیم نہیں ہوتا۔ اس کو کوئی غرض نہیں ہے کہ آپ ہندو ہیں یا مسلمان۔ اس کو کوئی غرض نہیں کہ آپ Christian ہیں یا مسلمان۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ پچھلی تمام نسلِ انسانی میں، تمام طبقات کو میں اپنا علم دے چکا ہوں، میں تمام لوگوں کو اپنا علم دے چکا ہوں۔ قرآن حکیم میں اللہ فرماتا ہے کہ میں نے آج تک کسی قوم کو تباہ نہیں کیا جب تک کہ اس کی طرف رسول نہ بھیج لوں اور اسی قوم کی زبان میں۔

"وما کان ربک مهلک القری حتی یبعث فی امها رسولا یتلوا علیهم ایتنا"

(اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ انہی میں سے ان کی طرف رسول نہ بھیجے جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے۔ القصص:۵۹)

ہندوؤں کی زبان عربی تو نہ تھی۔ آپ دیکھیں سنسکرت میں کوئی چیز آئی ہوگی۔ ہندی میں آئی ہوگی۔ کوئی کتاب عبرانی میں آئی ہوگی۔ کوئی کتاب اطالین میں آئی ہوگی۔ ہمیں ان بے شمار کتابوں کا علم نہیں ہے۔ ہمیں ان بے شمار تہذیبوں کا ضرور علم ہے جنہیں خدا نے تباہ کر دیا۔ ہمیں ان چار بڑی کتابوں کا علم ضرور ہے جو Assyrian تہذیبوں میں اتریں، جو ہماری تہذیب سے منسلک ہے اور مرتب ہے۔ اب دیکھئے کہ اگر ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ کمیونسٹ ہو جاتا ہے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ جس کو ہدایت ملی، اشارات ملے، کنایات ملے تو پھر بھی وہ کیوں مسلمان نہ رہ سکا؟ اور ہندوؤں کے گھر تو "کے ایل گابا" پیدا ہوتا ہے اور مسلمانوں کے گھر "ن م راشد" پیدا ہوتا ہے جو مرتے وقت یہ وصیت کرتا ہے کہ میں دفن نہیں ہونا چاہتا، نہ میں مذہب پر یقین رکھتا ہوں، میری لاش کو جلا دیا جائے اور ہندوؤں کے گھر "کے ایل گابا" پیدا ہوتا ہے جو آگے بڑھتا ہے، مذہبِ اسلام اختیار کرتا ہے اور سرکارِ دو عالم ﷺ پر سب سے خوبصورت کتاب لکھتا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر چہ بلین بھی لوگ ہیں تو خدا کو کسی قسم کی تخصیص نہیں چاہیے مگر چھ بلین میں سے جو بندہ بھی اللہ کی آرزو کرے گا۔ اس کو اللہ ملے گا۔ اب اسلام کیوں ضروری ہے؟ مسئلہ یہ ہے کہ اسلام ہر اس شخص کی مجبوری ہے جو خدا تک پہنچنا چاہتا ہے۔ کتابیں تو بڑی ہیں اللہ کی، ویدانتا میں بھی اللہ کا ذکر ہے مگر اللہ اسے Own نہیں کرتا۔ یہ اس طرح ہے کہ ایک کتاب پانچویں کی ہے ایک ساتویں کی اور ایک آٹھویں کی۔ داخلہ آپ نے پی۔ ایچ۔ ڈی میں لیا ہوا ہے۔ اب بتاؤ کہ کون سا ایسا شخص ہے جو ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اپنی Name Plate پر لکھے: "خواجہ پروفیسر احمد رفیق اختر" (Matriculate) تو بڑا عجیب سا لگے گا۔ جب مذہب ابتدائی تھا، معاشرہ ابتدائی تھا تو وہ کتابیں Valid تھیں، مگر معاشرہ آگے بڑھ گیا۔ مذہب آگے بڑھ گیا۔ انسان Mature ہو گیا تو کچھ اصول لے لئے گئے، کچھ دے دیے گئے اور اس کے بعد کتاب مکمل کر دی گئی اور خداوند کریم نے فرمایا کہ دیکھو اب جو مجھے چاہے گا:

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه" (ال عمران:۸۵)

(اب میں اسلام کے سوا کسی اور رستے سے آنے والے متلاشی کو نہیں ملوں گا۔)

یہ صرف ایک جگہ نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا: "ان الدین عند اللہ الاسلام" یہ میرا Choice ہے۔ باقی مذاہب بھی میرے تھے مگر باقی مذاہب کو اب میں Own نہیں کرتا کیونکہ آگے عقل بڑھ جاتی ہے، معترض بڑھ جاتے ہیں۔ تحقیق بڑی ہوتی ہے، جستجوئیں بڑی ہوتی ہیں۔ اب میں اپنی مکمل اتھارٹی سے ایک کتاب Issue کر رہا ہوں۔ کیونکہ مجھے اب Own کرنا ہے۔

خدا کا کوئی ثبوت زمین پر موجود نہیں ہے..... قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ سوائے ایک کتاب کے اور وہ قرآن حکیم ہے۔ بائبل کو آپ دس ہزار جگہ غلط ثابت کر سکتے ہیں۔ He said, there was life and there was life. He said there should be life and there was life. مگر قرآن یہ نہیں کہتا۔ اب چونکہ خدا کو ٹیسٹ کرنا ہے، چیک کرنا ہے آزمانا ہے، اب جو جدید فلاسفر ہیں وہ اللہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ اگر خدا نے بائبل میں یہی کہا ہوتا تو رسل نے کہا کہ Unscientific Christianity is a big bluff. حقائق سے بھری پڑی ہے۔ میں اس کو نہیں مانتا۔ جو Genisis کا باب ابتدائے حیاتِ انسان پر ہے، سارا کا سارا باب خرافات ہے۔ مگر قرآن کہتا ہے۔ "وجعلنا من الماءِ کل شیءٍ حی" (ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا ہے۔) اب آؤ..... آگے بڑھو..... درس گاہوں تک جاؤ..... یورپ، پی ایچ ڈی لے آؤ..... آپ مجھے بتاؤ کہ اگر کسی سائنس دان نے اعتراض کرنا ہے، تو وہ کر بیٹھا کہ Christianty ناقص ہے۔ وہ قرآن کی اس آیت پر بھی تو اعتراض کرے کہ خدا غلط کہتا ہے۔ تمام حیات پانی سے پیدا نہیں ہوئی.....

بات یہ ہے کہ اللہ کو صرف اپنے چاہنے والوں سے غرض ہے۔ اللہ نے عقل دی، شرف بخشا، صرف ایک ڈیمانڈ رکھی:

"انا ھدینہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً"
(تمہیں عقل تمام بخشی چاہو تو مانو چاہے تو انکار کر دو۔)

اب یہ طعنے صرف مسلمان کے لیے نہیں ہیں۔ یہ تمام دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہیں۔ آپ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ہندو اللہ کا بندہ ہے..... آپ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ انگریز اللہ کا بندہ ہے..... ان کے رنگ و روپ کی تفریق ہماری تفریق ہے..... اللہ کے ہاں یہ سارے بنی آدم ہیں، اس کے محبوب پیغمبروں کی اولاد ہیں۔ یہ اولادِ آدم ہے، یہ اولادِ نوح ہے۔ اللہ نہیں، کالے گورے میں فرق کر سکتا۔ اسی طرح اللہ ان سے کبھی بھی بے انصافی نہیں کر سکتا اور ربوبیتِ پروردگار کا یہ عالم ہے کہ اپنے کو گالیاں دینے والے کو بھی رزق دیتا ہے۔ اپنے کو Unjust کہنے والے کو بھی رزق دیتا ہے۔ اس نے تمام Pattern میں ہدایت Issue کر دی۔ آج بھی، کل بھی تمام ہندوؤں پر اس نے اسی طرح ہدایت بھیجی، جیسے کسی مسلمان پر..... کبھی آپ نے غور کیا کہ مسلمان ہوئے کہاں سے ہیں؟ آپ کس کو مسلمان کہتے ہیں؟ انڈیا میں کہاں مسلمان تھے؟ انڈونیشیا میں کہاں مسلمان تھے؟ ماریشس میں کہاں مسلمان تھے؟ سراندیپ میں کہاں مسلمان تھے؟ بھئی! یہ ہندو ہی تو مسلمان ہوا ہے۔ کافر مسلمان ہوا ہے۔ انہوں نے اس زمانے میں خدا کے ہدایت یافتہ لوگوں سے اشارات پائے، Message پہنچا اور وہ اللہ کے بندے آج مسلمان ہیں، البتہ آج مسلمانی ترک کر گئے.....

سوال: دجال اور عصر حاضر کے حوالے سے امتِ مسلمہ جس ابتری کا شکار ہے، ایسے میں پاکستان کا مستقبل آپ کیا دیکھتے ہیں؟

جواب: حضرات گرامی! میں قنوطیت پسند نہیں ہوں۔ میں Depressive Ideas کا مالک نہیں ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ آگے کیا ہے۔ مجھے اس لیے نہیں پتہ کہ میں تو بڑا صاحبِ نظر واقع ہوا ہوں، مجھے اس لیے پتہ ہے کہ میرے رسول نے جو کچھ بتایا ہے، مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اگر ہارورڈ، کیمبرج اور آکسفورڈ کا سارا فلسفہ ایک طرف ہو..... تو اگر مجھے ایک قولِ رسول مل جائے نا..... تو وہ مجھے سارے عالم سے زیادہ معتبر ہے اور میرے رسول نے ارشاد فرمایا: یاد رکھیے کہ یہ ساری باتیں بعد میں ہوئیں اور حدیث پہلے کی ہے۔ ''میری امت کسریٰ سے جہاد کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری امت قیصر سے جہاد کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری امت ڈھال جیسے چہروں والے اور جانوروں کے بالوں والے جوتے پہننے والوں (منگول) سے جہاد کرے گی اور ان پر غالب آئے گی اور زمانہ آخر میں میری امت دجال سے جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔''

تین باتیں پوری ہو چکی ہیں۔ مدائن کی جنگ ختم ہوئی اور قیصر روم کا اقتدار ختم ہو گیا اور عین جالوت کی جنگ میں مغلوں کا اقتدار ختم ہو گیا اور Battle of Damasus میں دجال کا غرور ختم ہو گا۔ یہ دو شکستیں لکھی ہوئی ہیں، جو ہوئی ہیں۔ یہ باہر سے نہیں آئی ہیں۔ یہ کتاب میں سے آئی ہیں۔ فرمایا:

''دجال عراق اور شام کے بیچ میں سے گزرے گا اور بہت ہلاکت پھیلائے گا۔''

''مسلمانوں کا ایک شہر بصرہ بری طرح پامال ہو جائے گا۔''

''فرات کی تہہ میں سے سونے کا ایک پہاڑ نکلے گا جس کے لیے ساری دنیا لڑ لڑ کر پاگل ہو جائے گی۔''

کیا چیز نہیں لکھی ہوئی؟ ابو نعیم بن حماد کی کتاب حمادی سے ایک حدیث ہے، جس کا تعلق اس خطے پاکستان سے ہے۔ فرمایا، ''اہلِ ہند کے مسلمان اہلِ کفرِ ہند سے جنگ کریں گے اور انہیں شکستِ فاش دیں گے اور ان کے امراء اور روساء کو گرفتار کریں گے اور پھر شام میں مریم کے بیٹے کا ساتھ دیں گے۔'' اب سوچ لیجیے کہ پاکستان نے کیا کرنا ہے؟ مگر اس حال میں نہیں..... اس حال میں نہیں کرنا..... کچھ وقت..... کچھ کوشش..... کچھ حسنِ نیت آپ کا درکار ہے..... یہ ایک وصف آپ کو حاصل ہے جو پورے عالم اسلام میں نہیں ہے، کہ دین کے دو ابتدائی اصول ہیں۔ ایک الوہیتِ خداوند پہ اتفاق کرنا کہ اللہ ایک ہے، یہ تو سارے مسلمانوں میں موجود ہے مگر محبتِ رسول سارے مسلمانوں میں نہیں ہے۔ یہ صرف اسی برصغیر میں ہے۔

وہ، سعودی عرب میں مزارِ رسول کے باہر کھڑے ہو کر لوگ کہتے ہیں کہ یہ لوگ تو فوت ہو گئے ہیں۔ ان سے کیا مانگنا۔ ان سے کیا دعا کرنا۔ یہ حرمتِ رسول ہے؟ اب دیکھو! اگر رسول مر گیا ہے تو اس کا شہید ساتویں درجے کا شہری کیسے زندہ ہو سکتا ہے؟ آپ غور کرو! شہید سے اوپر سات درجے ہیں..... صدیقین ہیں، صالحین ہیں، اصحابِ عشرہ و مبشرہ ہیں، بیعتِ رضوان کے لوگ ہیں، پھر وہ چار اصحاب ہیں جن کی فضیلت ہے، پھر محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ کیا عجیب بات ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ کہتا ہے کہ یہ جو ساتویں درجے کا امتی ہے، تیرا:

"ولا تقولولمن یقتل فی سبیل اللہ اموات۔ بل احیآء ولکن لا تشعرون"(البقرہ:۱۵۴)

یہ زندہ ہے لیکن تم اس کی زندگی کے طریقِ کار کا شعور ہی نہیں رکھتے۔ اگر زندہ ہے تو یہ خیال ہوا کہ لائف کے بغیر زندہ ہے..... Dormant ہے جیسے Frog چھ مہینے پانی میں Dormant Stage میں رہ جاتا ہے اور پھر چھ ماہ بعد، جب بارش برستی ہے تو باہر نکل آتا ہے۔ ہوسکتا ہے شہید بھی ایسے ہی Dormant لائف میں رہتا ہو۔ خدا کہتا ہے: نہیں نہیں نہیں..... یہ اور طرز زندگی ہے..... ایسے نہیں ہے..... اس کو تو ہم رزق دیتے ہیں: "نحن نرزقھم" (یہ کھاتا پیتا ہے۔) سبحان اللہ تعالیٰ..... ان کی عقلوں کو روئیں کہ کیا کریں کہ جس پیمبر کا ساتویں درجے کا امتی زندہ ہے، رزق کھاتا ہے اور وجود پر تصرف رکھتا ہے۔ اس کا پیغمبر کسی حیثیت کا مالک ہی نہیں ہے..... اس کے محافظ کھڑے کہتے ہیں، اس 'موے گئے'' سے تم نے کیا لینا ہے..... معاذ اللہ، استغفر اللہ..........

؎ باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

اللہ سے گستاخیاں کرلیا کرو..... گلے پڑ جایا کرو، جو مرضی سناتا ہے..... مگر محمد ﷺ زمین و آسمان کا پروٹوکول ہے..... خبردار! کسی گستاخی کا نہ سوچنا..... اور کچھ گستاخ بہت آگے بڑھ جاتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ زمین و آسمان میں، مقصدِ زندگی اور حیات ہیں۔ کیا وہ مقصدِ زندگی اتنا Local ہے کہ اپنے تریسٹھ برسوں کے بعد کارآمد نہیں ہے؟

اب اللہ کی سنیں! اللہ یہود کو ایک طعنہ دیتا ہے، ذرا غور کیجیے گا اس طعنے پر: اے بدبختو! یاد ہیں تمہیں وہ دن کہ ابھی میرا رسول تم میں آیا بھی نہ تھا اور تم اس کے وسیلے سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ یاد ہے تمہیں وہ دن..... اور میں قبول کرتا تھا..... اب، جب یہ تم میں موجود ہے تو تم اتنے گئے گزرے ہو کہ اس کے وجود کے ہونے کے باوجود تم اس کی پیغمبری کا انکار کررہے ہو۔

"وکانوامن قبل یستفتحون علی الذین کفروا. فلما جآء ھم ماعرفو کفرو بہ" (البقرہ:۸۹)

غور فرمائیے! کہ محمد ﷺ وسیلۂ جود و کرم تھا۔ آدم سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام اقوام ان کے وسیلے سے اللہ کے حضور درخواست کیا کرتی تھیں اور اس کے بعد دیکھیے کہ قرآن کی آیت کیا کہتی ہے۔ عجیب سی آیت ہے، ایک طریقہ ہے بزرگوں سے استدعا کرنے کا۔ اللہ کہتا ہے کہ: "اے پیغمبر جب لوگ تیرے پاس آئیں اور مجھ سے دعا مانگیں اور تو بھی ان کے لیے دعا مانگے تو پھر اللہ بخشش دے گا۔"

"ولوانھم اذظلموا انفسھم جآء وک فاستغفروا اللہ واستغفرلھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیماہ"(النساء:۶۴)

بھئی کوئی اللہ سے پوچھو کہ آپ کو ہوا کیا ہے؟..... آپ کا بندہ، آپ کا مخلص، آپ کا عبادت گزار سچے دل سے آپ کے حضور دعا مانگ رہا ہے، تو آپ قبول کرونا..... مگر وہ کچھ اور سنا رہا ہے..... یہاں کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ یا تو بخشش کے محکمے ایک طرف کردیے اللہ نے..... یا تو بخشش کے محکموں کا انچارج اللہ نے کسی اور کو بنا دیا کہ خدا سے آپ Direct مانگ ہی نہیں سکتے ہو..... جب تک رسول اللہ ﷺ کو درخواست نہ دیں کہ اے سرکارِ دو عالم! خدا کے حضور ہم نے یہ دعا

مانگی ہے۔ آپ بھی دعا فرماؤ، اب لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب تک وہ زندہ تھے یہ دعا تب تک تھی، جب وہ فوت ہو گئے تو یہ دعا لاگو نہیں رہی۔ حضرات گرامی! وہ ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب تک وہ زندہ تھے تو لوگ ان کے حقیقی بیٹے تھے اور ہم سوتیلے ہیں.....ہم سوتیلے ہیں یعنی ہمارا رسول اللہ ﷺ پر حق اس وقت ختم ہو گیا کہ جب تک تو وہ زندہ تھے، تب تک تو لوگ بڑا فائدہ اٹھا گئے..... بھلا وہ پیغمبر جو قیامت تک کے لیے اپنی امت کی شفاعت کا حریص رہا۔ جس کو قرآن نے "حریص علیکم" کہا۔ بھلا وہ میری فکر نہ کرے گا اور جو پہلے ہی سے متقی تھے ان کی فکر کر رہا ہے۔ کیسا عجیب سا نقشِ خیال ہے؟ اب اسی قرأت میں ایک اور حدیث سنیے جو متفق علیہ ہے:

حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اصحاب اس طرح خوف سے ڈرے کہ جیسے پرندے ان کے سروں پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ پوچھا، "یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم سے کوئی گستاخی ہوئی ہے؟" (یہ متفق علیہ حدیث ہے) فرمایا، "نہیں۔" پوچھا "آپ کی آنکھوں میں آنسو۔" فرمایا، "یہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو تمہارے بہت بعد آئیں گے، جنہوں نے مجھے دیکھا نہ ہو گا اور سنا نہ ہو گا مگر وہ تمہاری طرح مجھ پر ایمان لائیں گے"..........

ہمارے لیے اس چشمِ مبارک سے آنسو گرے ہیں۔ ہمارا ان پہ ان اصحاب سے زیادہ حق ہے کیونکہ وہ متقی تھے، مومنین تھے اور ہم صرف مسلمین ہیں۔ ہمارا زیادہ فاصلہ ہے ایمان تک پہنچنے میں، تو گنجائش اسی کو ملتی ہے نا یار، جو کمزور ہوتا ہے۔ جو ناقص ہوتا ہے، ذرا پیچھے ہوتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا وہ لوگ ہماری طرح ہوں گے؟ فرمایا، "نہیں ان کی کچھ عادتیں تمہاری طرح ہوں گی اور کچھ ان کی اپنی خرافات بھی ہوں گی۔" تو حضرات گرامی! بڑی Care کا مقام ہے .We should be very very careful in assessing the nature ایک جملہ مختصر میں جو بخاری نے لکھا، اس کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کی کسرِ شان کرے۔ فرمایا: "واللہ معطی وانا قاسم" (اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں)۔ کیا عجیب بات ہے کہ جب میرا مسلک سخت ہو تو میں کہتا ہوں کہ بخاری بھی غلط ہے اور جب میرا مسلک سخت نہ ہو تو میں لکھتا ہوں اصح الصحیحین ہے۔ ایک تو میں کہتا ہوں کہ بخاری اور مسلم صحیحین ہیں اور پھر بخاری کو کہتا ہوں کہ اصح الصحیحین ہے۔ مگر جب میری مرضی کی بات نہ ہو تو میں کہتا ہوں، یہ حدیث کمزور ہے، ناقص ہے، اس کی سند کمزور ہے۔

روایت اور درایت کے اصول بخاری دے رہا ہے۔ روایت اور درایت کے اصول مسلم بن حجاج دے رہا ہے اور میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بخاری بھی غلط ہے۔ یہ طرفہ تماشا ہے، یہ تمسخر ہے جو اسلام میں جاری ہے اور جب ہم اس حدیثِ گرامی مرتبت تک پہنچتے ہیں: "واللہ معطی وانا قاسم" (اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں)۔ تو مجھے یہ بتائیے! کہ ضرورت مند کس تک جائے گا؟ Sanction ہو گی تو اللہ دے گا نا۔ خزانہ تو ادھر پڑا ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کتنے کاغذات پہ Sign کروا کر آپ Treasury تک پہنچتے ہیں تو سوال و جواب ختم ہوتے ہیں۔ Treasury کا محافظ تو آپ کا رسول ہے۔ مقامِ شفاعت ان کے پاس، مقامِ وسیلہ ان کے پاس۔ مقامِ محمود ان کے پاس۔ اور آپ کو کیا چاہیے؟

وما علینا الا البلاغ

اِجماع

اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
رب ادخلنی مدخل صدقٍ و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا

خواتین وحضرات السلام علیکم! اجماع تاریخِ اسلام میں ایک آخری Institution ہے اور جب ملتِ اسلامیہ کسی Local Situation میں، کسی مقامی صورتِ حال میں یا ملکی سطح پر کسی بڑے Crisis سے روشناس ہو یا کوئی ایسا بڑا سوال ابھرے جس کو علمائے مذہب اور علمائے فکر وخیال حل نہ کرسکیں تو اسے امتِ مسلمہ کی طرف رجوع کے لیے پیش کیا جاتا ہے مگر خواتین وحضرات یہ کتنی عجیب بات ہے کہ دانش وروں سے مسئلہ لے کر عمومی لوگوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ آپ موجود ہوں، علمائے وقت موجود ہوں، علمائے Administration موجود ہوں اور کسی مسئلہ امت کے لیے بجائے Specialists کے، بجائے اعلیٰ ترین ذہانتوں کے، وہ مسئلہ عام مسلمانوں کو پیش کر دیا جائے۔ یہ ایک Noticeable بات ہے جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ یہ اجماع کا وہ پہلو ہے جس پر پہلے غور نہیں ہوا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اجماع سے پہلے بڑے اقدام ہوتے ہیں اور تمام دنیا میں کوئی بھی سلسلۂ نظامِ اخلاق وسیاست ایسا نہیں ہے۔ اگر Democracy کی بہت زیادہ تعریف بھی کی جائے تو کسی بھی Technical اخلاقی مسئلے پر Democratic institutions کو Call نہیں کیا جاتا اور اگر بہت غور کر لیا جائے تو Assemblies میں Call کیا جاتا ہے یا اگلا Step جسے آپ ریفرنڈم کہتے ہیں۔ مگر اجماع میں ان تینوں میں سے کوئی چیز شریک نہیں ہوتی بلکہ اجماع ایک ایسا Institution ہے کہ جب ملتِ اسلامیہ میں کوئی بڑا مسئلہ مذہب میں پیش آجائے، جب کوئی مذہب کی Understanding مشکوک ہو جائے یا کوئی مذہبی مسئلہ اس نہج پر پہنچ جائے کہ اس کے بارے میں فیصلہ کرنا ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی رائے یہ ہے کہ وہ مسئلہ عمومی مسلمانوں کو پیش کیا جائے اور ان سے رائے لی جائے۔ خواتین وحضرات اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ یہ تو علم کو ایک برتر واعلیٰ سطح سے ایک کمتر اور جبلی سطح کو منتقل کرنا ہے۔ دنیا میں جو دوسرے نظام ہیں، ان میں ہم ایک عجیب وغریب بات دیکھتے ہیں کہ جب بھی اخلاقیات کا کوئی مسئلہ عمومی لوگوں کو پیش کیا گیا تو عمومی لوگوں نے اس مسئلے کو، اس اخلاقیات کو Reject کر دیا۔ یہ اصول ہے کہ عمومی لوگ Moralist نہیں ہوتے۔ وہ جبلت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

تین مرتبہ House of lords نے Homo sexuality کا بل Reject کیا تو تینوں مرتبہ

House of commons نے اسے دوبارہ Present کر دیا اور Finally ہاؤس آف لارڈز کو Agree کرنا پڑا۔ اگر پوچھا جائے کہ اتنے بڑے اخلاقی مسئلے پر House of commons کی یا Common Representatives کی یہ رائے کیسی تھی کہ انہوں نے ایک بہت بڑے اخلاقی مسئلے سے کیوں نجات حاصل کر لی تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ جیسے علامہ اقبال نے کہا کہ جمہوریت میں بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے اور جمہوریت میں جو عام لوگ ہیں کبھی بھی اعلیٰ اخلاقیات کے پابند نہیں ہونا چاہتے اور وہ ہمیشہ ان مسائل سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ جو ان پر اللہ، اس کے رسول نے یا کسی ایسے علمی نظام کی وجہ سے ان پر جبراً، قدراً عائد ہیں، تو عوام ان کو اپنی سہولتوں کے لیے Reject کرنا چاہتے ہیں۔ But contrary to the system of democracy. اسلام اس کے برعکس بہت بڑے مسائل کے انتخاب میں Common مسلمان پر Rely کرتا ہے۔

اب ایک Practical مثال آپ کے سامنے ہے کہ برصغیر کی تقسیم کے وقت ایک عجیب وغریب مسئلہ درپیش یہ تھا کہ جملہ علمائے اسلام Nationalist تھے۔ احرارِ ملت Nationalist تھے۔ دیوبند Nationalist تھے۔ اہلِ حدیث Nationalist تھے۔ ابوالکلام آزاد اور عطاءالحق شاہ بخاری بھی نیشنلسٹ تھے سوائے ایک دو علماء کے، جن کو ان کی Individual Opinion میں Institution نہیں کہا جا سکتا اور انہوں نے Individual Opinion میں اپنے Institution سے بغاوت کی جیسے اشرف علی تھانوی نے کی یا جیسے حضرت مولانا انصاری اور انہوں نے اپنی Individual Opinion کے تحت پاکستان بنانے کی جدوجہد میں حصہ لیا لیکن بہت سے علمائے اسلام Nationalist تھے اور انہوں نے پاکستان کی بجائے ایک متحدہ ہندوستان قائم رہنے پر زور دیا، سوائے چند ایک بریلوی علماء کے جن میں مولانا محمد نعیم الہ آبادی وغیرہ تھے، جنہوں نے پاکستان کے حق میں رائے دی۔ خواتین وحضرات! بڑا عجیب مسئلہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم کسی توبیخ میں شریک ہوں اور کسی عالم کو کمتر درجے کی ذہانت اور عقل جانیں، مگر آپ کو اچھی طرح یاد ہوگا کہ مفکرِ اسلام علامہ اقبال کچھ اس قسم کے عالم نہ تھے۔ جب انہوں نے حسین احمد کی یہ بات سنی کہ ملتیں اوطان سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں تو وہ اس پر اتنے Furious ہوئے اور اتنے غصے میں آئے اور وہ خود کہتے ہیں کہ انہیں ایسے لگا کہ اصولِ مذہب ہی منسوخ ہو گیا ہو اور انہوں نے وہ مشہور شعر لکھا:

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ!
ز دیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمد ﷺ عربی است

اور پھر Advise کیا حسین احمد کو کہ:

بہ مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

مسئلہ یہ ہے کہ ان علماء نے پاکستان کے خلاف سوچا اور ایک نئی مملکتِ نوزائیدہ اسلام کے خلاف اپنی رائے

دی۔ تو پھر ہمیں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کیا ملتِ اسلامیہ پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ان کے مقتدر، معتبر اور جید علما بھی زمان و مکان کی رو میں اصولِ مذہب سے گریز کرتے ہوئے ایسی رائے دیتے ہیں اور ایسے پہلو اپنے اندر پیدا کرتے ہیں اور ایسی Opinion دیتے ہیں کہ جس کو کسی قیمت پر بھی اسلامی نہیں کہا جا سکتا اور پھر یہ مسئلہ امت کو پیش کیا جاتا ہے اور پھر قائدِ اعظم امت کے سامنے حاضر ہوئے۔ عمومی مسلمانوں سے رائے پوچھی گئی اور پھر عمومی مسلمانوں نے پاکستان بننے کو ممکن بنایا۔

خواتین و حضرات! میں دوبارہ اس لیے اس مسئلے کی طرف آؤں گا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ علما اور دانش ور اور ترقی پسند اور بہترین دماغ اہلِ اسلام کے جب پاکستان کے خلاف ایک رائے رکھتے تھے، ان کی Reasons تھیں اور وہ Reasons آج بھی وہی ہیں، ان کو آج بھی دیکھ لیں۔ ان کا خیال ہے کہ اجماع نے ناقص فیصلہ دیا ہے۔ مگر اجماع نے اس نوزائیدہ مملکت کو ممکن بنایا ہے تو We have to see, why and how?

خداوندِ کریم اور اس کے رسول نے اجماع میں جس چیز پر بھروسہ کیا ہے وہ Sentimental ہے It's not intellect. یہ عجیب بات ہے کہ اجماع سے رائے لینا اور اجماعِ امت کو رائے پیش کرنا اور اس سے فیصلہ مانگنا اس میں اللہ اور اس کے رسول نے اس سادہ ترین جذبے کو پیشِ نظر رکھا ہے جو عمومی مسلمان میں عقلی نہیں بلکہ ان کی قلبی کیفیات ہے، ایک جذبہ خدا اور اس کے رسول کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ خدا اور اس کے رسول کے نزدیک جب Minds Confuse ہو جائیں۔ جب عقل برگشتہ ہو جائے۔ جب دماغ Paralyse ہو جائیں اور علما اور دانش وروں کے فیصلے مشکوک ہو جائیں تو اس وقت فیصلہ اسلام مسلمانوں کے دلوں میں چلا جاتا ہے۔ یہ اجماع کی سب سے بڑی Quality ہے کہ فیصلہ دانش وروں کے ہاتھ میں نہ جائے مگر کیوں؟ اگر دیکھیں تو اس کے پیچھے ایک بہت بڑی حدیث ہے:

سرکارِ رسالتمآب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی چیز کے بارے میں تجھے شبہ ہو کہ یہ ٹھیک ہے یا غلط ہے تو اسے دل پر رکھو۔ اگر دل انتشار کا شکار نہیں ہوتا۔ اگر دل اس کی وصولیت سے انکار نہیں کرتا۔ دل اس کے بارے میں کسی ابہام کا شکار نہیں ہوتا تو وہ اختیار کر لو اور اگر دل میں کوئی اشتباہ اور کسی قسم کی کمزوری آ جائے اور دل اسے ماننے پر راضی نہ ہو تو پھر اسے ترک کر دو۔ فیصلہ ایک عمومی مسلمان کے دل کا ہے۔ خواتین و حضرات! Modern Temper میں دل کا سوچنا ایک Non scientific attitude سمجھا جاتا ہے اور دماغ یہ سوچتا ہے، دماغ یہ خیال کرتا ہے تو پھر عموماً یہ کہا جا سکتا ہے کہ دل سے مراد کیا لی جائے اور کیسے اجماع کے دل فیصلہ کرتے ہیں؟ ایک اور حدیثِ قدسی ہے اور دیکھیے اجماع فیصلے میں کہاں پہنچتا ہے کہ اللہ نے فرمایا:

(لوگوں کے دل میرے ہاتھ میں، اس پَر کی طرح ہیں جو کھلی زمین پر پڑا ہے اور جسے ہوا الٹاتی پلٹاتی ہے۔)

دراصل اجماع میں اللہ فیصلہ دے رہا ہوتا ہے۔ جب اجماع تک بات پہنچے گی تو ان کی General Decision کو کنٹرول کرنے والا، اُس پَر کی طرح جسے ہوا الٹاتی پلٹاتی ہے، خدا ان کے فیصلے کو الٹائے پلٹائے گا اور یہ بات قطعاً تسلیم شدہ ہے کہ جب پاکستان کا وجود اور پاکستان کے منکرین اور اہلِ ہند کے دانش ور پاکستان کے بارے میں شکوک کا شکار تھے تو خدا کا ہاتھ اجماع پر آ گیا۔ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا اجماع کبھی غلط نہ ہوگا کیونکہ اللہ کے رسول کو پتہ تھا کہ میری امت سے اللہ کا ہاتھ کبھی نہ اٹھے گا اور خدا ان کی نگرانی کرے گا اور جب یہ اکٹھے ہو کر کسی

مسئلے کے بارے میں سوچیں گے تو چاہتے، نہ چاہتے ہوئے بھی وہی فیصلہ کریں گے جو اللہ ان کے لیے چاہے گا۔ جب یہ مشترکہ ہاتھ مل کر دعا کے لیے اٹھیں گے تو قبولیت درِ حق سے ان کے دامنِ سوال تک پہنچے گی۔

خواتین وحضرات! اس اجماع کی ایک اور مثال دیکھیے کہ کچھ دنوں پہلے ایک فوجی حکمران نے ریفرنڈم کرانا چاہا تو اجماع نے صاف انکار کر دیا اور اس ریفرنڈم کی کہانیاں اور داستانیں اتنی دور تک پہنچ گئیں کہ اس حکمران کو مجبوراً کہنا پڑا کہ میں اس ریفرنڈم کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ وہ ٹھیک نہیں ہوا۔ غلط ہوا ہے۔ Contradicted ہوا ہے۔ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ اجماعِ امت اس میں شریک نہیں ہوا۔ اسلام میں ریفرنڈم ہمیشہ ناکام ہوگا۔ Beacuse which is not religious problem. امت اس میں قطعاً کسی قسم کا شوق نہیں رکھتی۔ اسلام میں ریفرنڈم صرف اس وقت ہوگا کہ جب امتِ مسلمہ کی بقا، ان کا دین، ان کا اخلاق، ان کا System of thought، ان کا System of creative thinking جس وقت خطرے میں پڑے گا اور کوئی امت رجوع کرے گی، اپنے آپ سے اور جب کوئی حکمران امت کی طرف رجوع کرے گا اور جب کوئی سوال پیش کیا جائے گا اجماعِ امت پر تو خدا ضرور ان پر Influence کرے گا اور ان کے فیصلے ضرور اللہ کی مرضی کے مطابق ہوں گے۔

خواتین وحضرات! آج کی بات دیکھیے Let me say a few words about Terrorism. Terrorism is not Islam. مگر Terrorism ہے کیا؟ Terrorism انقباضِ قلب ہے۔ بندشِ دل ہے۔ وہ دل جو Sensitive ہے۔ وہ دل جو احساس رکھتا ہے کہ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے اور اگر ایک گھر میں چار بھائی ہیں۔ ایک بھائی کہتا ہے کہ ہمیں برداشت کرنا چاہیے۔ ایک بھائی کہتا ہے کہ آج نہیں تو کل ہم برداشت کر لیں گے۔ ایک بھائی کہتا ہے کہ ہمیں Co-operate کرنا چاہیے۔ ایک بھائی کہتا ہے کہ میں یہ ناانصافی برداشت نہیں کر سکتا اور پھر وہ ایک Reaction مرتب کرتا ہے۔ وہ Responses دیتا ہے۔ اگر اقوامِ عالم کی تاریخ آپ دیکھیں تو Terrorism نئی بات نہیں ہے۔ ہر زمانے میں جب ناانصافی اپنے عروج پر ہو یا ایسے Culture Develop ہو جائیں جو جبری اور استبدادی ہوں تو اس کے خلاف بغاوت کرنے والے لوگ ضرور پیدا ہوتے ہیں۔ کیا مغلیہ دور میں مغلیہ سلطنت کے خلاف ایسی Movements نہیں آئیں؟ کیا برطانیہ میں Robin Hood کی Movement ایسے ہی لوگوں کی نہ تھی؟ کیا امریکہ میں اس قسم کی Movements نہیں آئیں؟ ہر جگہ کسی بھی جبر و استبداد کے خلاف Individual کا کھڑا ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ مگر Why we call it terrorist activity? ایک بات یقینی ہے کہ اقوامِ مغرب کی احمقانہ Contrivity اور جاہلانہ رویے نے، جو انہوں نے ملتِ اسلامیہ کے بارے میں رکھا ہوا ہے Terrorism اب Individual Feelings سے بڑھ کر National Feelings بنتا جا رہا ہے۔ Perhaps this Psychological pattern of terrorism is not known to the western world. اگر ان کا خیال یہ ہے کہ دو چار Individuals کو ختم کر کے وہ اس مسئلے سے نجات حاصل کر لیں گے تو وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ کوئی بھی ایسا مسلمان نہیں ہے جو Terrorism کو پسند کرے، مگر کوئی ایسا مسلمان نہیں ہے جو اقوامِ مغرب کی زیادتیوں کا جواب نہ دینا چاہے Then must be await تو آج کل Terrorism absolute negative ہونے کے باوجود

Absolute ایک منفی ردِعمل ہونے کے باوجود رفتہ رفتہ ملتِ اسلامیہ کو ان اجتماعی Responses پر آمادہ کر رہا ہے۔ اب وہ حجاب ٹوٹ رہے ہیں جو مسلمان حکمرانوں نے اپنے لوگوں پر عائد کیے ہوئے تھے۔ اب سیکولرازم جس نے کم از کم مسلمانوں کو پچھلی ایک صدی سے جکڑ کر رکھا ہوا تھا، اپنے انجام کے بہت قریب ہے۔ New identities have been involved پہلی دفعہ مسلم دنیا میں چار تحریکوں نے پوری دنیا میں Revival of Islam کی بنیاد رکھنا چاہی، عرب میں اخوان المسلمون، انڈونیشیا میں تحریکِ محمدیہ اور پاکستان میں جماعت اسلامی، They all worked. ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی نظام کو قائم کرنا، مگر بدقسمتی سے یہ تمام Organizations اسلام کے صرف External پہلو تک محدود رہ گئیں اور اسلام کا اصل باطنی اور قلبی پہلو جس کو آپ تصوف کہو یا جس کو آپ ایمان کہو یا جس کو آپ مسلمانوں کا اخلاص کہو، اس کی طرف کوئی توجہ نہ رہی اور پوری کی پوری امت عبادات کو Establish کرنے میں کھو گئی اور وہ یہ بھول گئے کہ مذہب صرف Practical نہیں ہے۔ مذہب ایک فلاسفی ہے۔ ایک Myth ہے۔ ایک سوچ ہے اور مذہب کی صرف ایک ترجیح ہے اور وہ اللہ ہے۔ آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک شریعتیں بدلتی رہیں۔ بہت ساری ایسی چیزیں جو شریعت موسوی میں حرام تھیں ہمیں حلال ہیں۔ شریعت لوگوں کو ایسا ماحول مہیا کرنے کا نام ہے کہ اگر اس میں دس ہزار لوگ شامل ہوں گے تو رفتہ رفتہ اس میں سے وہ صاف ستھری سوچ ابھرے گی کہ جس میں اگر دس ہزار لوگ ہوں تو ان میں شاید ایک خدا شناس نکل آئے۔ We don't expect that all majority of Muslims will be able to know the God. یہ صرف ایک مرتبہ ہوا۔ اس لیے کہ استادِ عظیم رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم گرامی مرتبت کے زمانے میں ایک پوری امت ہی امتِ اصحاب واولیاء ہو گئی۔ The teacher was so perfect. The students were so good and the message was absolutely accepted. اور ایک پوری جماعت، پورا معاشرہ ہی اللہ کو محبوب ہو گیا اور تمام ہی رضی اللہ عنہم ہو گئے۔ مگر آپ دیکھئے کہ مقامِ رضا تک پہنچی ہوئی اس وقت کی اس پوری امت میں بھی درجات تھے۔ ان کے بھی درجات مرتب ہوئے۔ اگر جملہ مومنین سے اللہ راضی ہوا تو کچھ کو اصحابِ عشرہ مبشرہ کہا، کچھ کو اصحابِ شجرہ کہا۔ وہ General سے زیادہ بہتر قرار پائے۔ کچھ کو اصحاب اربعہ قرار دیا گیا۔ ان سے بھی بہتر قرار دیا گیا۔ کچھ کو شہداء، کچھ کو صلحا، کچھ کو صدیقین کہا گیا۔ ان کو علیحدہ فضیلت دی گئی اور اللہ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

"نرفع درجت من نشآء"
(جس کے چاہتا ہوں درجے بلند کرتا ہوں۔)
"وفوق کل ذی علم علیم" (یوسف:۷۶)
(اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔)

اور اللہ کے ہاں بزرگی مرتب، عزت اور حکومت عباداتِ ظاہرہ سے نہیں بلکہ اس آیت کے مطابق درجاتِ علم سے ہے اور اصحاب رسول ﷺ نیت میں، اخلاص میں، محبت میں تو ایک ہو سکتے ہیں مگر درجاتِ علم میں تفاوت ہو سکتی ہے اور اللہ اس کو بہتر جانتا ہے۔

خواتین وحضرات! آج بھی ہم اجماع پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ مگر یہ دیکھئے کہ اجماع کا احساس کس کے ہاتھ

میں ہے؟ کون جاننا چاہے گا کہ اجماع کیا سوچ رہا ہے؟ موجودہ مسائلِ امت میں کون ایسا نباض موجود ہے جو یہ دیکھنا چاہے کہ مسلمان کیا چاہتے ہیں؟ مسلمانوں کے حکمران وہ چاہتے ہیں جو مسلمان نہیں چاہتے۔ آپ جملہ مسلمین کو دیکھ لیں، گلی کوچے اور محلے میں کسی بندے سے پوچھ لیں اور یہ بار بار Analysis ہو چکا ہے۔ بار بار رائے شماری ہو چکی ہے اور اگر پاکستان میں بمشکل آپ کو دو چار فیصد لوگ نظر آئیں گے اور وہ بھی چند Secular Inheritance کے مالک جو امریکی اقدام کو درست قرار دیتے ہیں اور جو کسی نہ کسی سطح پر اس کے خلاف لڑنا نہ چاہیں گے۔ میں پڑھا لکھا سہی، ہم سب پڑھے لکھے، دانش ور سہی، مگر ہمارے دلوں میں بحیثیت مسلمان ایک آتشِ زیرِ داماں ہے، ہم اسے بظاہر دکھا نہیں رہے۔ یہ زیرِ داماں جو چراغ جل رہا ہے، یہ نفرت کا، تحقیر کا چراغ ہے۔ یہ مغرب سے منافقت کا چراغ ہے۔ یہ اس Insult کا چراغ ہے، اس توبیخ کا، جو ہم جملہ مسلمین مغربی Civilization کے Over riding pressure کی وجہ سے محسوس کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم میں کچھ حکومت پرست ہوں، ہو سکتا ہے کہ کچھ مصلحت پرست ہوں، کچھ نفاق کے تحت ہوں مگر، اگر ایک اصلی جذبے کو دیکھا جائے تو Hardly کوئی ایسا مسلمان موجود ہے جو Terrorism as known terrorism. مگر ایک General مسلمان کی Feeling یہ ہے کہ یہ بہت بڑی زیادتی اور حماقت ہے جس میں مغرب مصروف ہے اور اجماع اس کا جواب صرف ایک صورت میں دینا چاہتی ہے۔ Resistance میں، جنگ میں، موت میں۔

مہدی کی آرزو اجماع کی آرزو ہے مگر کیوں؟ کیوں مہدی کی آرزو کی جائے؟ کیوں امامِ آخرالزماں کی آرزو کی جائے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جملہ امت اپنے حکمرانوں سے مایوس ہے۔ ورنہ اگر پرویز مشرف اس قسم کا مسلمان نکلے یا جنرل انوار السادات اس قسم کا مسلمان نکلے یا صدام اس قسم کا مسلمان نکلتا یا کوئی اور حکمران اس قسم کا مسلمان نکلتا جو امت کی Feelings کو Arrange کر دیتا اور امہ کی Feelings کو لے کر ایک بہت بڑے مغربی تصادم کی بنیاد پڑتی تو شاید مسلمانوں کی یہ حسرت و آرزو نکل جاتی مگر ایسا نہیں ہوا۔ They are in the general feelings that Muslims all over the world are simply not satisfied with their leaders. اور یہ ایک Unfeeling سطح پر آپ محسوس کرو گے کہ اجماع اپنی حیثیت میں Work کر رہا ہے۔ Ostrich کی طرح ریت میں سر چھپا کر مغرب کے مفکرینِ مشرق کے رجک سے بچ نہیں سکتے۔ ایسا ناممکن ہے۔

خواتین و حضرات! تاریخ چھوٹا سا وقفہ ہے۔ تاریخ پہلے بھی یہ باتیں بہت مرتبہ دیکھ چکی ہے مگر افسوس یہ ہے کہ کسی جابر و آمر نے کبھی تاریخ سے سبق حاصل نہیں کیا۔ تاریخ ہمیشہ ان Tragedies کو نقل کرتی ہے جو نااہل حکمرانوں کے اقدامات سے حادثات و واقعات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ کبھی ہو نہیں سکتا کہ مسلم امہ اس پوری زیادتی کا، اس جبر و تشدد کا Response واپس نہ دے۔ It's a matter of time. No body can stop a revolution, the time of which has come. آج اگر کوئی تبدیلی نہیں آ رہی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے امریکہ اور برطانیہ نے روک رکھا ہے۔ اسے Strength نے نہیں روکا ہوا۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے دانش ورانِ مغرب کی۔ The only thing is, کہ ابھی خدا کی مرضی مسلمانوں تک نہیں پہنچی۔ Nobody can stop the revolution the time of which has not come. جب وقت آ جائے گا تو کوئی Super power یا Junior power اس

Response کو نہیں روک سکے گی اور میرے خیال کے مطابق پوری کی پوری امتِ مسلمہ اس جواب دینے والے عمل کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ہمیں اپنے باطن سے، اپنے اندر سے، اپنے علم اور اخلاص سے یہ Response ظاہر کرنا ہوگا۔ ضرور اللہ کا ہاتھ ہم پر آنے والا ہے۔ It's very obvious for its happening now all over the world. اگر عراق سے امریکہ بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے تو ابھی تو اسے اجماع سے واسطہ ہی نہیں پڑا۔ خواتین وحضرات! کمزوری دیکھئے ان کے پورے Process کی کہ اگر وہ افغانستان میں چیخ وپکار کر رہا ہے اور اگر عراق میں وہ ہر روز بھاگنے کی بات کر رہا ہے تو امتِ مسلمہ کا مکمل Response کیسے سہہ سکتا ہے۔ ابھی تو چند Dilly-Dally جنہیں ہم تگڑے مسلمان کہتے ہیں جو علم وآگہی کے بجائے ہتھیار بند ہیں اور At all cost وہ مر کر بھی دشمن کو زک پہنچانا چاہتے ہیں اور جب پوری امتِ مسلمہ ہی مرنے پر تیار ہوگئی تو اس کا ہاتھ کون روکے گا اور پھر کون سی طاقت اس کے سامنے آئے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زمانہ آخر میں بنو افرا (نیلی آنکھوں والوں) کو غلبہ ہوگا۔'' اصحاب نے پوچھا کہ کیا مسلمان اس وقت تعداد میں بہت کم ہوں گے؟ فرمایا نہیں وہ مور وملخ کی طرح ہوں گے۔ فرمایا کہ یا رسول اللہ پھر کیوں؟ اصحابِ رسول کو یہ بات سمجھ ہی نہ آئی کہ 313 اٹھ کر دنیا کا تختہ الٹ دیتے ہیں۔ پوچھا کہ یا رسول اللہ اگر مور وملخ کی طرح ہوں گے تو پھر کیوں دشمن سے مغلوب ہوں گے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان پر وہن غالب ہوگا۔ طلبِ دنیا غالب ہوگی۔ ان کی Priorities بدل جائیں گی۔ میری امت کی Priorities میں نہیں رہوں گا۔ میرا اللہ نہیں رہے گا بلکہ ایچی سن ہوگا۔ Beacon House ہوگا۔ انگریزوں کی طرح بات کرنا ہوگا۔ Westernize قوموں کی تعلیم کے حصول کے لیے بے چینی ہوگی۔ ان کے اختیارات کو تسلیم کرنا ہوگا۔ ان کی تعلیمات کے مقابلے میں احساسِ کمتری کو پالنا ہوگا اور ہم اوپر سے آئے ہوئے تمام اخلاقی نظامات کو، تمام تر دولتِ دنیا اور ترقی دنیا کو مغرب کا مرہونِ منت سمجھتے ہیں۔ ہر اخلاقی نظام کا منبع و سرچشمہ ہم مغرب کو تسلیم کیے بیٹھے ہیں۔

خواتین وحضرات! اجماع کی جو کیفیت اب ہے۔ اجماع ہو رہا ہے لیکن ابھی اجماع نے اپنا فیصلہ نہیں سنایا۔ اگر معاملہ امت کو پیش ہو چکا ہے اور اجماع اس پر غور وخوض کر رہا ہے اور جب یہ غور وخوض ختم ہوگا۔ یہ تساہل ختم ہوگا۔ یہ وہن ختم ہوگا۔ Priorities دوبارہ جب واپس آئیں گی، جب دین کی واحد Priority مسلمان کے علم میں آئی اور جب مسلمان نے اللہ کو اپنی جدوجہد کی واحد ترجیح اول قرار دے دیا تو تمام غلبہ مغرب شیطان کے فریب کی طرح ہوگا۔ اور اللہ کہتا ہے کہ شیطان کا مکر تارِ عنکبوت کی طرح ہے اور حق ایک پتھر کی طرح ہے جو اسے توڑتا ہوا چلا جائے گا:

''بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ فاذا ھو زا ھق ط'' (الانبیاء:۱۸)

(بلکہ ہم تو چوٹ لگاتے ہیں حق سے باطل پر پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور یکا یک نا پید ہو جاتا ہے)

لوگ کہتے ہیں ان کے پاس بڑے اسباب ہیں۔ اسباب بڑے ہیں۔ Powers بڑی ہیں۔ حضراتِ گرامی! کب ایسا زمانہ تھا کہ اسباب میں یہ کمی بیشی نہ تھی۔ اگر آپ غور کریں تو جو 313 لڑنے گئے اہلِ کفر سے، اگر ان کی Average مرتب کی جائے تو وہی فرق ہے جو آج امریکہ اور آپ میں ہے اور جہاد، اللہ کے حکم سے جنگ کرنا، کبھی بھی برابر کی سطح پر نہیں ہوا ورنہ جہاد جہاد ہی نہ ہوتا۔ جہاد کا مقصد ایک Special Effort ہے جو اللہ کے لیے کی جائے۔ یہ

عمومی جنگ نہیں ہے اور اپنے اسباب کی کمی کو خدا کے توکل سے پورا کیا جائے۔ جہاد برابر کی جنگ نہیں ہے جس میں مسلمان کے پاس بھی برابر کے آلاتِ جنگ ہوں اور دشمن کے پاس بھی برابر کے آلات ہوں۔ تاریخِ اسلام میں کبھی بھی برابر کی جنگ نہیں ہوئی بلکہ جہاد سے مراد یہ ہے کہ اسباب کم و بیش ہوں تو مسلمان اسباب کی کمی کو خدا کے یقین سے پورا کرتا ہے۔ جو جنگ وہ کم اسباب کے ساتھ کر رہا ہے مگر وہ توکل کرتا ہے۔ بھروسہ کرتا ہے کہ اسباب پر جنگ کا انحصار نہیں ہے۔ اس کو پتہ ہے کہ جنگ میں نے لڑنی ہے مگر فتح و شکست نہ میرے پاس ہے نہ امریکہ کے پاس ہے نہ برطانیہ کے پاس ہے فتح و شکست تمام تر میرے اللہ کے پاس ہے اور خدا کہتا ہے کہ تم کہاں عزت کے لیے جاتے ہو؟ کس سے عزت طلب کرتے ہو؟

"فان العزة لله جميعا" (النساء: ۱۳۹)

(پس عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے۔)

تمام تر عزت تو میرے پاس ہے۔ فتح تو میرے پاس ہے۔ میں دینے والا ہوں۔ تم کہاں سے اسباب کو وجہِ فتح سمجھ بیٹھے ہو۔

خواتین و حضرات! کچھ Ground حقائق کے لوگ جب گنتیوں میں پڑ جاتے ہیں۔ اعداد و شمار میں پڑ جاتے ہیں۔ جان بوجھ کر Muslim Temper کو Depress کرتے ہیں۔ مگر آپ کو پتہ ہے کہ ایک جنگ کیسے لڑی گئی؟ مہدیٔ سوڈان کی جنگ۔ تو العمارہ کی جنگ۔ British Forces کے ساتھ درویشوں کی جنگ۔ پورے کا پورا لشکر اور توپ خانہ جنرل Gorden کا میدان میں کھڑا تھا And they were very confident کہ جوں ہی سوڈانی مہدی آئے گا تو ہم ایک پل میں اسے برباد کر دیں گے۔ پھر مورخ لکھتا ہے کہ پہاڑی کی چوٹیوں سے مہدی کے لشکر کا خروج ہوا اور ابھی ہم دیکھ رہے تھے کہ وہ قریب آئیں اور ہم ان پر گولے برسائیں کہ انہوں نے اپنی ننگی تلواریں سورج کے سامنے رکھ دیں۔ پھر وادی میں جہاں فوجیں تھیں، چمک کا ایک ایسا سیلاب اترا کہ جو لوگ نیچے کھڑے تھے وہ سب Blind ہو گئے۔ صرف تلواروں کی چمک انہوں نے سورج کے سامنے رکھی تھی تو گھڑسوار دستے Blind ہو گئے اور مہدیٔ سوڈان نے پورے برطانوی لشکر کو خاک کر دیا۔ تو العمارہ کی جنگ کبھی انگریز فراموش نہیں کر سکا اس لیے کہ وہ ایسی عبرت ناک جنگ ہے کہ انگریز اس کے بارے میں سوچنا بھی اپنے لیے ہولناک سمجھتا ہے۔ خواتین و حضرات! یہ وہ اعتبار ہے جو لڑنے والا مسلمان اللہ پر رکھتا ہے۔

افغانستان کی تاریخ آپ کو Witness نہیں دے گی اس جنگ کے بارے میں جو مسلمان کی یا اجماع کی رائے سے ہوئی۔ افغانستان میں جنگ جیتی نہیں گئی، خریدی گئی ہے۔ بغداد ہارا نہیں، خریدا گیا ہے اور اگر اسی کروڑ ڈالر افغانوں کو Deliver ہوئے ہیں تو یہاں دو ارب ڈالر عراقی جرنیلوں کو ملے ہیں۔ مگر کتنی بڑی قوم اور کتنی بڑی طاقت اور کیا رعب! جناب بش، جناب بلیئر! مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دو چار مہینے اور ٹھہرتے، Rest کرتے، مغلوب قوم سے اپنی عیش و عشرت کے حصول کرتے جو وہ کرنے آئے تھے وہ کرتے۔ وہ Semites کو مغلوب کرنے آئے تھے مگر چند ایک سر پھرے. کھلنڈرے، محبت رکھنے والے، جنوں آمیز، چند ایک مسلمان، جنہوں نے ان کو اس نہج پر پہنچا دیا کہ اب وہ اس کمبل کو چھوڑتے ہیں مگر کمبل انہیں نہیں چھوڑتا۔ ٹھیک ہے یہ بے دریغ، جس میں میں بھی ہوں، آپ بھی ہیں، ہم سب مسلمان

جتنے بھی ہیں، لڑنے سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹتے۔ ہماری انانیت کو ہماری پوری تعلیم کھا جاتی ہے۔ ہمارے غرور، ہماری سرکشی تو بڑی واضح ہے مگر فرض کرو کہ اگر یہ موقع کل آتا ہے۔ یہ Leader Ship کا بحران ہے ایک تھوڑی سی کمی ہے۔ مسلمانوں نے ابھی اس اجماع کے Question کو Solve نہیں کیا۔ But once the ummah decide, i am very sure the west will be very shy. انشاءاللہ۔ ساری دنیا اور کائنات کی خبر غلط ہو سکتی ہے مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی خبر غلط نہیں ہو سکتی اور متفق علیہ حدیث ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میری امت کسرہ سے جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی اور اسی جگہ ضمنی طور پر فرمایا کہ سراقہ بن جعشم تیرا کیا حال ہوگا، جب کسرہ کے کنگن تجھے پہنچائے جائیں گے اور یہ یاد رکھیے کہ حضور ﷺ اس وقت زندہ نہ تھے۔ جب جنگ مدائن لڑی گئی اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ جب کسرہ کے کنگن آئے تو حضرت عمر فاروقؓ روئے اور کہا سراقہ کو بلاؤ۔ سراقہ حاضر کیے گئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے سراقہ! تجھے یاد ہے کہ آقا و رسول نے کیا کہا تھا؟ یہ تیری امانت ہے۔ اسے حاصل کر لے اور تو جا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت قیصر سے جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی پھر زمانے نے یہ ہزیمت دیکھی کہ قیصر روم کے خلاف یرموک میں جنگ ہوئی۔ ذات السلاسل میں جنگ ہوئی۔ اطاکیہ میں جنگ ہوئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے Romans کی Eastern Empire ختم ہو گئی اور مسلمان ان پر مکمل غالب آ گئے۔ پھر کہا کہ میری امت ڈھال جیسے چہروں والے اور چمڑے کے تسموں کے جوتے پہننے والی ایک قوم سے جنگ کرے گی اور وہ بڑی اکھڑ اور خراب قوم ہے اور پھر اس پر غالب آئے گی۔ خواتین و حضرات! معرکہ عین جالوت میں جب قزل بوغا ڈیڑھ لاکھ منگولوں کا لشکر لے کر دمشق پر چڑھا۔ And it is one of the most decissive battle of the history. اور پھر اللہ نے یہ چاہا کہ سلطان رکن الدین، سلطان علاؤالدین اور امام ابن تیمیہ...... یہ مسلمانوں کے تین طاقت کے ستون تھے۔ ان تینوں نے مل کر Response دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فتنۂ تاتار کو ختم کر دیا اور فرمایا کہ زمانۂ آخر میں میری امت دجال کے ساتھ جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔

دجال کا مطلب ہے غرور و تکبر۔ بڑائی اور ناجائز Claimant اللہ کی حکومت کا ناجائز Claimant دجل و فریب سے اپنی خدائی Claim کرنے والا، اپنے آپ کو خدا سے بڑا سمجھنے والا۔ اسباب کی خدائی کو قائم کرنے والا، خدائے مطلق کے سامنے۔ اور یہ حضرات محترم! بہت دور نہیں، بہت قریب ہے کہ:

؎ نکل کر صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

وما علینا الا البلاغ

سوالات وجوابات

سوال: اس شعر کے حوالے سے علامہ کا ایک اور شعر ہے جسے ہم گذشتہ صدی سے سنتے آ رہے ہیں کہ:

؎ طہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

تو اسی شعر کے حوالے سے اس دور میں یہ جو State of confusion ہے مسلم اُمہ میں، جیسے آپ نے فرمایا کہ اجماع آنے کو ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ کتنا ٹائم لگے گا مگر طہران کے حوالے سے ارشاد فرمائیں؟

جواب: حضرات گرامی! علامہؒ کے بہت سارے ایسے خواب تھے اور زمانۂ آخر زندگی میں اقبال ایک ایسے Wishful Thinker تھے کہ جنہوں نے امت کے بارے میں خواب دیکھنے شروع کر دیے تھے۔ اسی طرح انہوں نے خواب دیکھا کہ:

؎ نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر

اور حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے جو خواب دیکھے تقریباً تقریباً انہوں نے ان کو Shape دی۔ اگرچہ اس طرح سے انہوں نے Act نہیں کیا For Example جیسے کاشغر ہے اور جیسے تاژقستان وغیرہ ہیں۔ But the very fact that those Muslim states have got the identity of sovereign کہ ان کے تعلقات پاکستان کے ساتھ Establish ہوئے تو Actually وہ تمام بڑے Moments جو مختلف اقوام میں آئے، وہ مل جل کر ایک Shape بنا رہے ہیں۔ جیسے آسمان پر بادلوں کی بنتی اور بگڑتی ہوئی شکلیں کبھی ایک مقام پر اکٹھی نہیں ہوتیں تو فی الحال I Think کہ ابھی آسمانِ امت پر Shapes بن رہی ہیں۔ ابھی شاید ہم ان قطراتِ ابر تک نہیں پہنچے جو ہماری ترستی ہوئی امیدوں کی زمین کو سیراب کریں۔ مگر میرا خیال ہے کہ انشاءاللہ It is not very far off. It will be in this decade. بلکہ اگر میں آپ کو کہوں کہ آج سے ایک ایسا قدم اٹھ گیا ہے کہ جس کا امکان ہے کہ Muslim Ummah is now ready for its responses.

سوال: میرا سوال یہ ہے کہ آپ نے ایک جنگ کا ذکر کیا ہے۔ ایک طرف بہت طاقتور لوگ تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کے پاس صرف تلواریں تھیں جو انہوں نے سورج کے سامنے کیں تو اس سے دشمن کو شکست ہوئی اور وہ ختم ہو گئے تو اس سے کمزوری کے بجائے مسلمانوں کی سائنس اور ٹیکنالوجی میں برتری تو ثابت نہیں ہوتی۔

جواب: ایک تو اللہ کے احکامات کی تعمیل ہم پر بڑی لازم ہے For example if i am a Doctor or i am an Engineer تو اللہ کی طرف سے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ میں اعلیٰ ترین مقصدِ تعلیم کو پورا کروں کیونکہ اگر اسلام کو General سٹڈی کریں تو اسلام بنیادی طور پر مذہبِ علم ہے اور اللہ اور رسول بھی بار بار ایک ہی بڑے مقصد کی نشان دہی کرتے ہیں اور وہ تحصیلِ علم ہے مگر ہوا یہ کہ جب سلطانِ سلیمانِ ذیشان کی حکومت قائم ہوئی اور مسلمانوں کو سترہ سو برس ہو گئے تھے مسلسل حکومت کرتے ہوئے اور اس وقت دنیا کے تین بڑے حکمران تھے سلیمانِ ذیشان Akbar the great اور Abbas the great ساری دنیا میں تین بڑے بادشاہ تھے اور تینوں ہی مسلمان تھے تو ایک انجانا سا غرور مسلمانوں کے رگ و پے میں سرایت کر گیا اور تیرہ سو برس سے حکمران قوم کو یہ خیال آیا کہ ہم کچھ کریں یا نہ کریں ہم ہمیشہ غالب رہیں گے۔ تو دنیا میں کوئی نظام اتنا طویل عرصہ چلا نہیں۔ اسلام میں لوگ بدلتے رہے ہیں لیکن

اسلام کا غلبہ 1300 برس تک قائم رہا تو پھر ان میں ایک تساہل واقع ہو گیا۔ یہ Learning کا تساہل تھا۔ علم کی طرف سے روگردانی ہوئی اور عین انہی دنوں میں علم Transfer ہونا شروع ہو گیا۔ قسطنطنیہ پر سلطان محمد فاتح کی حکومت کے بعد Knowledge was transfered. قرطبہ، غرناطہ اور اشبیلیہ کی یونیورسٹیوں سے اور قسطنطنیہ کے مکاتب سے علم Transfer ہوا مغرب کو۔ مغرب جو اس وقت Dark Ages میں تھا تو اس وقت ان میں دو تحریکات شروع ہوئیں۔ تحریکِ احیائے علوم اور تحریکِ احیائے مذہب اور ان دو تحریکات کی وجہ سے، ایک نئی آگہی کی وجہ سے یورپ نے بڑی تیزی سے Learning شروع کر دی اور مسلمان اسی آگہی کے باوجود Relax کرنا شروع ہو گئے۔ We lost the religious touch in education and they started gain. یہ تعلیمی تفاوت ہے کہ جس کی وجہ سے مسلمان آج اپنے آپ کو کمتر خیال کر رہا ہے۔ مگر Technology کبھی بھی لمبے عرصے تک تفاوت نہیں رکھ سکتی۔ یہ Inter Transferable ہے۔ اس لیے کہ Technology مہارت ہے۔ فرض کریں کہ یورپ میں ایک نئی Machine آئی کتنی ہی پیچیدہ مشین ہو، اگر وہ And some one amongst us is over there and just watches. دس دن اس پر کام کرے گا تو اس کا ماہر ہو کر واپس آ جائے گا۔ Technology Senses کا فرق نہیں کرتی۔ اس لیے جب مسلمانوں کے پاس تیل تھا تو وہ بڑے Victorious تھے مگر پھر Romans Crusades میں تیل لے کر اپنی طرف چلے گئے اور انہوں نے تیل وہاں استعمال کیا اور Gradually and solwly وہ ترقی کرتے گئے۔ سولہویں صدی میں Mediterranean پر مکمل عروج تھا مسلمانوں کا۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو وہ Discoveries صرف اس وجہ سے ہوئیں کہ مسلمان دشمنوں کے جہاز بحیرہ روم سے گزرنے نہ دیتے تھے اور سلطان سلیمان ذیشان کا امیر البحر خیر الدین باربروسا اس قدر خوفناک سمجھا جاتا تھا کہ اس کا نام لے کر یورپ میں مائیں اپنے بچوں کو ڈراتی تھیں اور یہ مشہور تھا کہ جب مائیں بچوں کو ڈراتی تھیں تو کہتی تھیں۔ Hush! the Turks are coming. تو اگر دیکھا جائے اصولاً تو Change and shift of this power does not look strange. Somebody losts and somebody gains. Again we see within this period that we are gaining and somebody is losing. Europe is losing. America is losing the command over informations and Muslims are gaining. اب مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان ملکوں کی اسرائیل کے بارے میں حمایت کے رویے کی وجہ سے پاکستان کو تنہا جدوجہد کرنی پڑ رہی ہے اور پاکستان ماشاءاللہ تعالیٰ ہر وقت اللہ کے رسول کی نظر میں تھا، ایسے لگتا ہے کہ برصغیر کے مسلمان اللہ کے Most Favourite اور رسول اللہ کے Most Favourite مسلمان تھے۔ حتیٰ کہ کتاب حمادی میں نعیم بن حماد نے حدیث نقل کی کہ جب اہلِ ہند کے مسلمان اہلِ کفر ہند سے جنگ کریں گے اور ان کے روساء اور امراء کو پابند سلاسل کر دیں گے تو شام میں مریم کے بیٹے کا ساتھ دیں گے۔ تو آپ غور کیجیے کہ ہمارا کیا رول ہے؟ مجھے لگتا ہے کہ آج ہم نے ایک ایسا قدم اٹھا لیا ہے۔ آج ہی میں نے یہ خبر پڑھی ہے کہ پاکستان Long range Inter continental blastic میزائل تیار کر رہا ہے اور ان کا Experiment کرنے والا ہے اور یہ میزائل Air controlled ہیں And it is very obvious means that now we have

reached to long range mesiles اور یاد رکھیں امریکہ کے ڈک چینی سے کسی نے پوچھا تھا کہ Of what
power you are afraid of? تو اس نے کہا کہ Russia، تو سوال کرنے والے نے کہا کیوں؟ تو اس نے کہا:
Because they can hit us. اور یاد رکھیے کہ کسی بھی قوم کے پاس اگر Long Range میزائل تیار ہو گئے کہ
They can hit America اور اسے پتہ چل گیا کہ فلاں ملک کے پاس اتنی طاقت آ گئی ہے کہ وہ Counter
attack کر سکتا ہے تو اسی دن American Supermacy زیرو ہو جائے گی And one thing has come
very true کہ پھر وہ کسی مسلمان ملک پر چڑھائی نہیں کرے گا۔ افغانستان اور عراق کی ذلت کے بعد It is only
one choice کہ اب پالتو کتے آگے بڑھائے گا۔ The hounds of Israil will attack Saudi
Arabia اور پھر ظاہر ہے کہ امریکہ Free Handed آگے نہیں آئے گا۔ کچھ مسلمان آگے بڑھیں گے اور حدیث کے
مطابق ہندوستان کی جنگ اور اسرائیل کی جنگ کا فیصلہ ہند کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب

صفحہ نمبر	حواشی
547	(1) کارل مارکس کی کتاب سرمایہ (The Capital)
556	(1) جاپان میں اب Fusion plant بنایا جا رہا ہے۔
582	(1) 11 ستمبر 2001ء۔
601	(1) 2001ء میں افغانستان پر امریکی بمباری۔
620	(1) گوانتاناموبے جزیرے میں قید مسلمان۔
631	(1) Armageddon (ممکنہ جنگِ عظیم سوم)۔
632	(2) نومبر 2001ء میں افغانستان پر امریکی حملہ۔
643	(1) بلدیاتی انتخابات 2002ء۔
654	(1) 2001ء میں سرزمینِ افغانستان پر امریکہ کے خلاف طالبان کی لڑائی۔
668	(1) 2001ء میں افغانستان پر امریکی فضائی حملہ۔
668	(2) 2003ء میں عراق پر امریکی فضائی حملہ۔
672	(1) ذوالفقار علی بھٹو کا عوامی انقلاب۔
673	(1) South Africa میں زولو (Zulu) قبیلہ. Junkin Ear War, Zulu War.